مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جون 2021ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی ہے کہ ہر شخص ہی ایک مستقل یاس کی کیفیت میں نظر آتا ہے۔ یاد ماضی سے مضمحل، حال سے سرگرداں اور مستقبل سے مایوس۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں دائمی خوشی کا حصول ناممکن ہے۔ ایام گردش میں رہتے ہیں اور تقدیریں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ زندگی میں ٹھہراؤ کہاں، جو آج ہو رہا ہے وہ کل نہیں تھا اور آنے والے کل میں بھی نہیں ہوگا۔ زندگی رُکتی نہیں، آگے بڑھتی جاتی ہے اور ہم اس بہاؤ میں تنکے کی طرح بہتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے جس طرح دائمی خوشی کا حصول ناممکن ہے اسی طرح غم کی کیفیت بھی دائمی نہیں ہے، انسان مستقل ایک ہی کیفیت میں نہیں رہ سکتا۔ وہ مسلسل ایک ہی حالت میں رہتے رہتے بیزار ہو جاتا ہے۔ وہ اس کیفیت سے باہر نکلنا چاہتا ہے۔ خواہ چند لمحوں کے لیے ہی سہی وہ حالات سے فرار چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ خوابوں کی آغوش میں پناہ لیتا ہے۔ اپنی من پسند دنیا تخلیق کر لیتا ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں افلاس اور جہالت کا راج نہ ہو جہاں امن ہو شانتی ہو۔

لیکن خواب وقتی سہارا ہو سکتے ہیں لیکن حقیقی اور سچی خوشی کا ایک ہی راز ہے وہ اپنی ذات سے نکل کر دوسروں کے لیے کچھ کرنا، ان کی زندگیوں کو آسان بنانے کی کوشش کرنا۔ اگرچہ کہ یہ قدرے مشکل راستہ ہے۔

آپ جہاں ہیں اور جس مقام پر بھی ہیں جس حیثیت میں بھی ہیں یہ نہ سوچیں کہ آپ کو کیا ملا اور کیا نہیں ملا۔ آپ صرف یہ سوچیں آپ دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس دینے کو اور کچھ نہ ہو تو ایک مسکراہٹ ہی سہی۔ یقین کیجیے آپ کو ایسا سکون قلب ملے گا جو آپ کی روح تک کو سرشار کر دے گا۔

اس شمارے میں: اس شمارے میں اقرا الیاس، آسیہ مظہر اور افشاں علی کے مکمل ناول، انیلا طالب اور ندا احسنین کا ناولٹ، اُم اقصیٰ، حنا اصغر، عشاء بھٹی، اقرا خالد اور ریما نور کے افسانے اُمِ مریم اور سندس جبیں کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار طاہر محمود

تو ہے فہم بشر سے وراء الورا
کوئی تیری حقیقت کو پا نہ سکے

تیرے دست تصرف میں ارض و سما
تیرے لکھے کو کوئی مٹا ہ سکے

تیرے نور سے روشن ہیں شمس و قمر
ترے حسن کا پرتو ہے شام و سحر

تیرے محتاج ہیں سارے جن و بشر
تیرے آگے کوئی سر اٹھا نہ سکے

تو گداؤں کو پل میں کرے بادشاہ
ضامن سروری تیری ادنیٰ نگاہ

جس کو ٹھکرائے اس کو ملے نہ پناہ
تو جو پکڑے ت کوئی بچا نہ سکے

تیرے دم سے ہے قائم یہ بزم جہاں
یہ مکیں و مکاں یہ زمین و زماں

ذرے ذرے سے تیری قدرت عیاں
کوئی پردہ بھی جس کو چھپا نے سکے

تیرے در پہ سوالی ہے صبح و شام
تیرا سرمد ترا شاعر پرخطا

اللہ رے یہ حسن سفر کیسا لگے گا
معراج کی منزل پہ بشر کیسا لگا گا

یوں نخل عقیدت کا ثمر کیسا لگے گا
سجدوں سے میرے آپ کا در کیسا لگا گا

اک صاحب اسرائی کے تصور میں شب غم
گرتا ہوا دامن پہ گہر کیسا لگا گا

اس گلشن کونین کے گلشن میں پہنچ کر
مت پوچھ میرا داغ جگر کیسا لگا گا

جب لوٹ کے آؤں گا مدینے کے سفر سے
میں کیسا لگوں گا میرا گھر کیسا لگے گا

پلکوں پہ اگر گرد رہ طیبہ سجا لوں
لوگو! میرا دامان نظر کیسا لگے گا

بیمار الم آپ کا اے جان مسیحا
جب ہو گی شب غم کی سحر کیسا لگے گا

جس ہاتھ سے لکھوں گا محمدؐ کا قصیدہ
اس ہاتھ میں جبریلؑ کا پر کیسا لگے گا

جو افشاں ہلال آج ہے نعتوں کے افق پر
کل ہو گا مکمل یہ قمر کیسا لگے گا

ادارہ

جب برائی زیادہ ہو جائے

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

''لا الہ الا اللہ خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔''

اور (راوی حدیث) سفیان نے دس کا ہندسہ بنایا، (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا)۔

میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب برائی زیادہ ہو گی۔'' (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی)

(صحیح مسلم)

فتنوں کا نزول

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے محلوں میں سے ایک محل پر چڑھے پھر فرمایا۔

''تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ بے شک میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی جگہیں اس طرح دیکھتا ہوں جیسے بارش کے گرنے کی جگہوں کو۔'' (یعنی بہت ہوں گے بوندوں کی طرح مراد جمل اور صفین اور فتنہ عثمان اور شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے سوا بہت سے فساد جو مسلمانوں میں ہوئے)۔

(صحیح مسلم)

فتنوں کا بیان

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔

''تم میں سے کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟''

بعض لوگوں نے کہا۔

''ہاں ہم نے سنا ہے۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''شاید تم فتنوں سے وہ فتنے سمجھے ہو جو آدمی کو اس کے گھر بار اور مال اور ہمسائے میں ہوتے ہیں۔''

تو انہوں نے کہا۔

''ہاں۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''ان فتنوں کا کفارہ تو نماز اور روزے اور زکوٰۃ سے ہو جاتا ہے لیکن تم میں سے ان فتنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس نے سنا ہے جو دریا کی موجوں کی طرح امڈ کر آئیں گے؟''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لوگ خاموش ہو گئے، میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
''تو نے سنا ہے تیرا باپ بہت اچھا تھا۔''
سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ۔''
''فتنے دلوں پر ایسے آئیں گے ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک جیسے بوریئے کی تیلیاں ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں پھر جس دل میں فتنہ رچ جائے گا اس میں ایک کالا داغ پیدا ہوگا اور جو دل اس کو نہ مانے گا تو اس میں ایک سفید نورانی دھبہ ہوگا یہاں تک کہ اسی طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے، ایک تو خالص سفید دل چکنے پتھر کی طرح جس کو کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں، دوسرے کالا سفید مائل یا الٹے کوزے کی طرح جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی سمجھے گا، نہ بری بات کو بری مگر وہی جو اس کے دل میں بیٹھ جائے۔''
سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ پھر میں نے سیدنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی کہ۔
''تمہارے اور اس فتنے کے درمیان میں ایک دروازہ ہے جو بند ہے مگر نزدیک ہے کہ وہ ٹوٹ جائے۔''
(صحیح مسلم)

شیطان کا فتنہ ڈالنا

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔
''ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو دنیا میں فساد کرنے کو بھیجتا ہے، پس اس سے مرتبہ میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے کہ جو بڑا فساد ڈالے، کوئی شیطان ان میں سے آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا، (یعنی فلاں سے چوری کرائی، فلاں کو شراب پلوائی) تو شیطان کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا، پھر کوئی آ کر کہتا ہے کہ میں فلاں کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی تو اس کو اپنے پاس کر لیتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا ہے۔'' اعمش نے کہا کہ۔
''اس کو چمٹا لیتا ہے۔''
(صحیح مسلم)

فتنے مشرق کی طرف سے ہوں گے

سیدنا سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے۔
''اے عراق والو! میں تم سے چھوٹے گناہ نہیں پوچھتا نہ اس کو پوچھتا ہوں جو کبیرہ گناہ کرتا ہو، میں نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے۔
''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ فتنہ ادھر سے آئے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا جہاں شیطان کے دونوں سینگ نکلتے ہیں اور تم ایک دوسرے کی گردن مارتے ہو (حالانکہ مومن کی گردن مارنا کتنا بڑا گناہ ہے) اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی قوم کا ایک شخص مارا تھا اور وہ غلطی سے مارا تھا (نہ بہ نیت، قتل کیونکہ گھونسے سے آدمی نہیں مرتا) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔
''تم نے ایک خون کیا پھر ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھ کو آزمایا جیسے آزمایا تھا (طہ ۴۰)''

(صحیح مسلم)

فتنے میں حصہ لینا

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک کئی فتنے ہوں گے خبردار ہو، وہاں کئی فتنے ہوں گے، بیٹھنے والا ان میں سے چلنے والے (لوگوں سے) بہتر ہو گا اور بھاگنے والے (لوگوں سے) چلنے والا بہتر ہو گا، خبردار رہو، جب فتنہ اور فساد اترے یا واقع ہو تو جس کے اونٹ ہوں، وہ اپنے اونٹوں میں جا ملے اور جس کی بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں جا ملے اور جس کی (کھیتی کی) زمین ہو، وہ اپنی زمین میں جا رہے۔''

ایک شخص نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس کے اونٹ نہ ہوں اور نہ بکریاں اور نہ زمین ہو وہ کیا کرے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ اپنی تلوار اٹھائے اور پتھر سے اس کی باڑھ کو کوٹ ڈالے، (یعنی لڑنے کی کوئی چیز باقی نہ رکھے جو لڑائی کا حوصلہ ہو) پھر اپنے بچاؤ میں جتنی ہو سکے جلدی کرے، الٰہی! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، الٰہی میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، الٰہی میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔''

ایک شخص بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بتلایئے کہ اگر مجھ پر زبردستی کریں یہاں تک کہ مجھے دو صفوں میں سے یا دو گروہوں میں سے ایک لے جائیں پھر وہاں کوئی مجھے تلوار مارے یا تیر آئے اور مجھے قتل کرے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ اپنا اور تیرا گناہ سمیٹ لے گا اور دوزخ میں جائے گا۔''

(صحیح مسلم)

مسلمانوں کی لڑائی

سیدنا احنف بن قیس کہتے ہیں۔

''میں اس ارادہ سے نکلا کہ اس شخص کا شریک ہوں گا (یعنی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں شریک ہوں گا) راہ میں مجھ سے سیدنا ابوبکر ملے کہنے لگے کہ۔

''اے احنف تم کہاں جاتے ہو؟''

میں نے کہا۔

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''اے احنف! تم لوٹ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر لڑیں تو مارنے والا اور جو مارا جائے دونوں جہنمی ہیں۔''

میں نے عرض کیا یا کسی اور نے کہا کہ۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قاتل تو جہنم میں جائے گا لیکن مقتول کیوں جائے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔''

(صحیح مسلم)

☆☆☆

ابن انشاء

اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے

اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے

ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درماں ہے

ہم اہل محبت کو آزار جوانی ہے

ہاں چاند کے داغوں کو سینے میں بساتے ہیں

دنیا کہے دیوانا ...... دنیا دیوانی ہے

ایک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت

کیوں تم نے یہ غم دے کے پردیس کی ٹھانی ہے

سکھ لے کے چلے جانا دکھ دے کے چلے جانا

کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے

ہدیہ دل مفلس کا چھ شعر غزل کے ہیں

قیمت میں تو ہلکے ہیں، انشاء کی نشانی ہے

☆☆☆

ام مریم

اٹھارویں قسط کا خلاصہ

حسین حمدہ کو سلمان بٹ سے واپس چھڑا لایا ہے اور اب اس کے لئے دادی کے گھر نوکری کی سزا تجویز کی ہے۔

سلمان بٹ اسد کو ہیجڑوں سے اغوا کروا دیتا ہے جو اسد کو ہراسگی کے ساتھ تشدد کا بھی نشانہ بناتے ہیں۔

آیت انتقام میں اندھی ہو چکی ہے۔ معیز کو جلانے کی خاطر اس نے خود کو بھی داؤ پر لگا دیا ہے۔ شوبز جوائن کر کے وہ معیز کے ضبط کی آخری حد سے گزر جاتی ہے۔ معیز اسے طلاق دینے پر آمادہ ہو چکا ہے۔

ایشال معیز کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ سے ناواقف نہیں مگر اپنے لئے اس کا فیصلہ اسے سراسیمہ کر چکا ہے۔

اب آپ آگے پڑھئے

انیسویں قسط

صندلین کے حواس ذرا سنبھلے تو اس پر چڑھ دوڑی۔ چہرے پر برہمی کے شدید احساس نے آگ سی دہکا ڈالی تھی۔ آنکھوں میں جو تفکر اترا اس کو حمدہ نے صاف محسوس کیا اور خود حیران رہ گئی۔

''معاف کیجئے گا میم...... میں نے ایک جرنل بات کہہ دی۔ آپ شادی شدہ ہیں ماشاءاللہ......!''

اس کا انداز صاف جتلاتا تھا کہ اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

''اپنی شکل گم کرو۔ دفع ہو جاؤ......''

صندلین کا قہر و غضب کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گیا۔ حمدہ گہرا سانس بھرتی پلٹ کر کمرے سے نکل آئی۔

''حمدہ...... بچی ادھر آؤ......''

دادی نے اسے دیکھتے ہی پکار لیا۔ وہ مستعدی سے ان کے نزدیک آن ٹھہری۔ حسین کے محل کی نسبت یہاں کا ماحول حمدہ کو بہت بھایا تھا۔ خاص کر دادی کی مہربان صورت...... دربدر بھٹکنے سے بہتر تھا یہاں سر چھپا لیا جاتا۔ یہاں رہ کر سکون سے اپنے لئے کوئی بہتر راہ نکالی جاسکتی تھی۔

''جی دادی......؟''

شیر خان کی طرح وہ بھی ان کی فرمائش پر انہیں دادی کہنے لگی تھی۔

''صندل کیسی ہے......؟ بچی تو اپنی صورت دکھانے سے گئی مجھے...... شادی نے بھی اسے نہیں بدلا...... جانتی بھی ہے مجھ بڈھی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آنا محال ہے...... پھر بھی نیچے نہیں اترتی......''

دادی ملول تھیں۔ حمدہ کو ان پر ترس آیا۔

''صندل بی بی آپ کی پوتی ہیں......؟''

''ہاں بچی...... میں نے ہی پالا پوسا اسے، اولاد سے زیادہ پیاری ہے مانو...... مگر ضد پوری کروا کے بھی خوش نہیں نظر آتی میری بچی......''

دادی کی افسردگی میں فرق نہیں آسکا۔

''آپ بہتر ہے ان کا کمرا نیچے والی منزل میں سیٹ کروالیں۔ آپ سیڑھیاں چڑھنے کی زحمت سے بچ جائیں گی۔

اس مشورے پر دادی کے لبوں پر یاس زدہ مسکان بکھر گئی۔

''بچی تم نے اس کی طبیعت پوچھی تھی''

دادی کا انداز ایسا تھا گویا اس کا مشورہ کچھ بھایا نہ ہو۔

''ویسے تو ٹھیک ہیں مگر طبیعت کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہے۔ مجھے تو دوسرا معاملہ لگا۔''

دادی بڑی طرح چونک اٹھیں۔

''کون سا معاملہ بچی...... تم بہتر ہے پہلیاں بجھوائے بغیر بتادو مجھے......''

اب کے دادی ذرا سا جھلا گئیں۔

''مجھے لگتا ہے صندل بی بی کا پیر بھاری ہو گیا ہے۔ یعنی پریگنیٹ ہیں وہ......''

اس نے رازداری سے کہا۔ جہاں دادی کا چہرا کھلا وہاں شیر خان کی رنگت بھی تمتما اٹھی تھی۔

''ارے ہاں...... میرا تو دھیان ہی نہیں گیا اس طرف...... دادی صدقے قربان جائے میں ابھی جاتی ہوں بچی کے پاس...... تم ایسا کرو۔ بچی اس نوٹ بک سے ڈاکٹرنی کا نمبر ڈھونڈ کر اسے گھر بلاؤ...... حسین سے اگر کہو گی بھی تو وہ اگلے دنوں پہ ٹال دے گا اس کام کو بھی...... اللہ نے چاہا تو اسے خوشخبری کا ہی فون کروں گی اکٹھا ہی......''

دادی کا رنگ ڈھنگ ہی بدل گیا۔ ان کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ حمدہ ان کے حکم کی تعمیل میں لگ چکی تھی۔ جبکہ چائے کا کہنے آیا ہوا شیر خان عجیب سے احساسات لئے وہیں کھڑا تھا۔ ایسے گویا پتھر کا ہو گیا ہو۔

✦✦✦

وہ کچھ اس طرح بھی تقدیر بنا دیتا ہے
درد کی روح کو جاگیر بنا دیتا ہے
اک مسیحائی اتر آئی ہے شعروں میں مرے
کوئی الفاظ کو تاثیر بنا دیتا ہے
نقش کرتا ہے اجاگر میری آوازوں کے
بات کرتا ہوں تو تصویر بنا دیتا ہے
آنکھ موم ہے لیکن کوئی کرنے والا
ہدف دل کے لئے تیر بنا دیتا ہے
گھیر لیتا ہے نشانات قدم بھی فرحت
عشق کو حلقہ زنجیر بنا دیتا ہے

آذر سخت مضطرب ہو کر معیز کے پاس آیا تھا۔ ایشال نے اس کا فون رسیو کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ اس کے لئے کسی آزمائش سے کم نہیں تھا وقت۔

''السلام علیکم......''

معیز اپنا ریزیگنیشن لکھ رہا تھا جب اس سلامتی پہ سر اٹھانے پہ مجبور ہوا۔

''میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا آذر...... واپس چلے جاؤ...... اس لئے کہ میرا تم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

آذر کو دیکھتے ہی اس کی پیشانی شکن آلود ہوئی تو لہجہ زمانے بھر کی سرد مہری سمیٹ لایا۔ آذر کا چہرا کچھ اور پھیکا پڑ گیا۔

''دس از ناٹ فیئر معیز بھائی......''

وہ سخت روہانسا ہو کر یہی کہہ سکا۔ تب بھی معیز نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔

''ان باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ چلو جاؤ......''

معیز کا لہجہ و انداز ہنوز تھا۔ آذر کی آنکھیں نم ہوتی چلی گئیں۔

''مجھے ایسے سزا نہ دیں بھائی...... آپ میری آخری امید ہیں۔''

معیز نے جواباً اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔
''یہ باتیں اگر اپنی بہن کو سمجھائی ہوتیں تو حالات اس نہج پر نہ پہنچتے۔''
وہ رکھائی سے کہہ گیا۔ آزر ہونٹ کاٹتا پرامید نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔
''میں آپ لوگوں کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں کڑی سے کڑی شرط بھی......'' وہ کیسے ملتجی ہوا جا رہا تھا۔
''معذرت...... مگر ہر اعتبار تمہاری ماں، بہن کے جھوٹ اور بے اعتنائی کی بھینٹ چڑھ چکا۔''
معیز کا انداز ٹھہرا ہوا تھا۔
''آپ مجھے آزمائیں تو سہی...... ایک موقع تو فراہم کریں خدارا......''
وہ جیسے گڑگڑانے لگا۔
''زندگی اتنی بے مایا نہیں کہ اسے آزمائش کی نظر کر دیا جائے۔ اب کچھ نہیں بچا...... ہم کسی بھی صورت رسک لینے کی پوزیشن میں ہیں نہ اعتبار کرنے کی......''
معیز کا لہجہ برف ہو گیا سخت تر...... آزر بے بسی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔
''بھائی پلیز میری بات......''
''مجھے لگتا ہے تم نہیں سمجھو گے۔ ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں......''
وہ تلخ ہو کر کہتا اٹھ کر واقعی چلا گیا۔ آزر ہونٹ بھینچے جلتی آنکھیں بند کرتا سر ہاتھوں پر گرا چکا تھا۔

✦✦✦

ہم سے منزل درد کی کوئی بھی انجانی نہیں
آپ نے شاید ہماری خاک پہچانی نہیں
اے دل خود سر محبت کے مسائل میں بتا
کوئی ایسی بات جو ہم نے تری مانی نہیں
ٹھیک ہے یہ شہر کچھ چپ چاپ ہے پھر بھی یہاں
جو ہمارے دل میں ہے ایسی تو ویرانی نہیں
ہم بھلے سر مارتے جائیں در و دیوار پر
رات کیوں ایسا کرے گی رات تو دیوانی نہیں
مجھ کو کیا معلوم تھا سپنے بھی قیدی ہیں مرے
میں سمجھ بیٹھا تھا میں ایسا بھی زندانی نہیں

دادی کی کوشش رنگ لائی اور خدشہ درست ثابت ہو گیا۔ وہ واقعی پریگنٹ تھی۔ شک پہ یقین کی مہر لگی تو اس کی حواس بھی قائم نہیں رہ سکے۔ اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں وہ اوندھے منہ گری تھی ایسے کہ اٹھنے کی تاب باقی نہیں رہی۔ وہ تو دوہرے نکاح کے عذاب سے ہی نکل نہ پائی تھی۔ کہ یہ الگ مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ بچہ بھی کس کا...... اس خبیث شیر خان کا جس سے اتنی نفرت تھی اسے کہ جس دن سے اس نے صندلین سے زبردستی حق وصول کیا تھا وہ خود اپنے وجود سے گھن کھانے لگی تھی۔ اس پر مہاستم کہ اس بھیڑیئے کی نشانی اس کے بطن میں جگہ پا گئی تھی۔ وہ پاگل ہونے کے قریب کیسے نہ پہنچتی۔

''کیا ہوا بچی...... تمہیں خوشی نہیں ہوئی......؟ اللہ...... میں کیا کروں اس لڑکی کا...... یہ تو میری سمجھ سے باہر ہو چکی ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تھی طوفان کھڑا کیا ہوا تھا۔ ہر صورت حسین چاہیئے۔ اب شادی ہو گئی ہے تو اس کو کون سا غم چاٹنے لگا۔''

وہ جس طرح ٹوٹ کر روئی جیسے بلکتی دادی خود سراسیمہ نظر آنے لگتیں۔

''تم خوش نہیں ہو صندل حسین کے ساتھ...... اس نے تمہیں کچھ کہہ تو نہیں دیا......؟ صاف بات کرو میرے ساتھ......''

دادی کی ساری خوشی دھری رہ گئی تھی۔ ایک خوف ایک فکر ان پر ایسی سوار ہوئی کہ سارا جوش دھرا رہ گیا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دیں...... مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی...... خدارا اب چلے جائیں۔''

وہ اپنے بال نوچتی چیخ گئی۔ دادی اب کے خوفزدہ نظر آنے لگیں۔

''کیا ہو گیا ہے لڑکی کو...... کوئی بھوت پریت کوئی سایہ تو نہیں ہو گیا۔ بال کھول کر چھت پر بھی چلی جاتی تھی۔ اللہ رحم...... میں حسین کو فون کرتی ہوں...... اب تو اس سے بات کرنی ہی پڑے گی۔ حمدہ بچی مجھے حسین کا نمبر تو ملا کر دو......''

دادی اس کے کمرے سے تو نکل آئی تھیں مگر تفکر ختم نہیں ہوا۔ حمدہ نے فوراً تعمیل کی مگر حسین کا نمبر ناٹ رسپانڈنگ تھا۔ دادی جھلا گئیں۔

''ایک تو یہ لڑکا...... کبھی ٹائم پہ کام نہ آیا......''

''بچی تم ذرا صندل کا دھیان رکھنا...... مجھے تو اس کی فکر ہو رہی ہے بہت۔ دادی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ حمدہ سر ہلا رہی تھی۔

✧✧✧

کاٹی ہو جو ہجراں میں ریاضت نہیں جاتی
بے چین لب و لہجے کی عادت نہیں جاتی
رستوں سے تو میں خود کو چھڑا لایا ہوں لیکن
پیروں سے جو لپٹی ہے مسافت نہیں جاتی
خوشیوں کا سمندر بھی میسر ہو تو پھر بھی
افسردہ خیالات کی خصلت نہیں جاتی
خود سوزی کی کوشش سے یہ معلوم ہوا ہے۔
یہ سانس تو جاتی ہے محبت نہیں جاتی
کھل کر نہ برستا ہے نہ چھٹتا ہے یہ بادل
آنکھوں کی ترے غم سے شکایت نہیں جاتی

ماں بیٹی دونوں ایک دوسرے کے سامنے کب کی خاموش بیٹھی تھیں۔ چہروں پہ تفکر لئے آنکھوں میں خدشے لہراتے تھے۔ لب ایسے خاموش تھے گویا کچھ کہنے سے خوفزدہ ہوں کہیں انہونی کو ہونی کا سراغ نہ مل جائے۔ دروازے پر ہونے والی بیل نے دونوں کو کچھ اور سہما دیا۔ خوفزدہ نظریں چار ہوئیں

اور وہ ہمت جمع کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
''بابا ہوں گے...... میں دیکھتی ہوں۔''
''رہنے دو بیٹی...... کہیں چھپ جاؤ۔ تمہارا دروازے پر جانا ٹھیک نہیں۔ میں دیکھتی ہوں۔''
امی کی آواز بوجھل تھی۔ وہ اپنی جگہ کٹ گئی۔ شل ہو گئی۔ امی نے دروازہ بعد میں کھلا۔ پہلے تصدیق چاہی۔ بابا ہی تھے۔
''اسلام علیکم......''
''اسد کا کچھ پتا چلا......؟''
ان کی آنکھوں میں آس بھی بجھتی جارہی تھی۔ بابا نے سائیڈ پہ ہو کر اسد کو سامنے کر دیا۔ سوجا ہوا چہرا جگہ جگہ نیل...... امی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
''میرا شہزادہ...... کیا حال کر دیا ظالموں نے......''
اسد چپ چاپ اندر چلا آیا۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ اس پر نگاہ ڈالتے ہی جیسے زمین میں گڑھ گئی۔
''اسد......''
اس کا ہاتھ بے ساختہ دل پہ گیا۔
''سلمان نے اغوا کیا تھا تمہیں......؟''
تڑپ کر قریب آئی۔ اسے گلے لگالیا۔ زار و قطار روتے ہوئے ہاتھ بار بار چومے گئی۔ امی بھی آنسو صاف کر رہی تھیں۔
''کاش وہ خود پکڑتا۔ اس سے بڑھ کر تشدد کر لیتا مجھ پر مگر مجھے ایسے ذلت سے ہمکنار نہ کرتا......''
اسد نے ایک دم اسے پیچھے دھکیلا اور پھٹ پڑا۔
''اسد......''
جواب ایسا تھا کہ تینوں بھونچکے ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔
''اگر وہ بدمعاش نہیں تو پھر ہمارا دشمن کون ہے......؟ بول بیٹے......''
بابا بے قرار ہو اٹھے تھے۔
''ہم نے تو اس وجہ سے پولیس میں اطلاع نہیں کی کہ عزت کا معاملہ ہے۔''
''آپ دونوں میں سے کسی ایک کو بچالیں۔ یا بیٹی کو اپنے ہاتھوں مار دیں یا مجھے...... میں بتا رہا ہوں میں دوسری مرتبہ ایسی ذلت نہیں سہہ پاؤں گا۔''
اپنے بال ہاتھوں کی مٹھیوں میں دبا کر نوچتا ہوا اسد ہسٹریائی انداز میں جیسے چلایا۔ امی دل تھام کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔ بابا فکر مندی سے اسد کو دیکھ رہے تھے۔
''بیٹے...... جب تک آپ بتاؤ گے نہیں تمہارے ساتھ کیا ہوا ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں...... کیسے کوئی بھی فیصلہ کر سکتے ہیں......؟''
امی کی نسبت ان کے حواس قابو میں تھے جبکہ وہ تو بس سکتہ زدہ سی اسد کو دیکھ رہی تھی۔
''اگر سب کچھ جان کر بھی آپ کا انتخاب عمامہ کی بھلائی رہی تو پھر کیا ہوگا......؟''

اس کا انداز ہنوز تھا۔ اس کی ...

ہو گئے۔

"مجھے تم دونوں کی عزت اور زندگی عزیز ہے بیٹے...... تم دونوں ہی میری اولاد ہو۔" انہوں نے بہت تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ جواب میں اسد انہیں گھورتا رہا۔

"ٹھیک کہا آپ نے بابا...... ہم دونوں اولاد ہیں آپ کی آپ کو پورا حق ہے۔ انتخاب کا مگر مجھ سے حقیقت جاننے کے بعد بھی اگر مجھے دوبارہ وہ ایسی ذلت سے ہمکنار ہونا پڑ گیا تو یاد رکھیئے گا اس مرتبہ آپ میری مری ہوئی شکل ہی دیکھیں گے......"

اسد کا لب ولہجہ انداز سب کچھ بدل چکا تھا۔ وہ ازحد بدتمیزی و گستاخی سے بات کر رہا تھا۔ امی سہمی ہوئی نظروں سے ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے...... تم مجھے بتا سکتے ہو اب......"

بابا بدستور تحمل کا دامن تھامے تھے۔ اسد نے سر زور سے جھٹکا۔

"مجھے سلمان بٹ نے ہی کڈنیپ کروایا تھا مگر خواجہ سراؤں کی تحویل میں دیا۔ آپ سوچ نہیں سکتے جس طرح انہوں نے میری نظروں سے گرایا۔ مجھے زنانہ لباس پہنا کر اپنے جیسا حلیہ بنایا ایسی واہیات زبان میں مجھ سے بات کرتے رہے۔ صرف یہی نہیں میری فلم اور تصویریں بھی بنائیں۔ تا کہ آپ کی ضد کے نتیجے میں انہیں سوشل میڈیا پر ڈال دیا جائے۔"

ایک ایک لفظ چبا کر کہتا وہ تینوں کے لبوں کو سی کر رکھ گیا۔ عمامہ کچھ دیر سکتہ زدہ کھڑی رہی پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ خاصی دیر گزری وہ روتی رہی۔ دماغ جیسے ماؤف ہو چکا تھا۔ کبھی دل میں آتا سلمان سے بات کرے۔ اس پر دل کی بھڑاس نکالے مگر شاید اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا مگر ضبط جواب دے گیا۔ کچھ سوچ کر اس نے سلمان کا نمبر ملا ہی لیا تھا۔

"عمامہ بات کر رہی ہوں......"

وہ چھوٹتے ہی پھنکاری۔

"جانتا ہوں جان سلمان...... تمہارے فون کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ یقین تھا تم اعزاز بخشوگی۔ رضامندی دینے کو کال کی ہوگی۔ بھائی تو صحیح سالم مل گیا ہے نا تمہارا......"

جواباً اس کی بکواس شروع ہو چکی تھی۔ عمامہ ایک دم ٹوک گئی۔

"شٹ اپ......"

"مزاج اب بھی سوا نیزے پر ہیں......"

سلمان نے جواباً حیرانی کا شاندار مظاہرہ بڑے سکون سے کیا۔

"تم انسان نہیں ہو...... درندے ہو...... اور مجھے تو خود بھی نامرد ہی لگتے ہو جبھی تو اتنی رزیل حرکت کی ہے۔"

غصے میں بے قابو ہوتی وہ کچھ کا کچھ کہہ گئی۔ دوسری جانب چند لمحوں کو سکوت چھا گیا۔ پھر جو اس کی ہنسی بے قابو ہوئی تو قابو میں نہیں آ سکی۔

"اس کا مطلب سالا صاحب نے ہمارا کارنامہ گوش گزار کر دیا آپ کے...... دیکھو میری معصوم سی

ٹھہرا دی...... نامرد میرے جیسے نہیں ہوتے وہ تو ساری عمر اذیت کاٹتے ہیں اور تم جیسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ میں کتنا مکمل اور بھرپور ہوں یہ تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا۔ آج قسم کھاتا ہوں...... پناہ مانگو گی مجھ سے اور پناہ نہیں ملے گی۔ یاد رکھو...... ایک ٹیم تیار کروں گا اپنے بچوں کی وہ بھی تم اکیلی سے...... پھر پتا چلے گا کسی مرد کو بھول کر بھی ایسی بات نہیں کہتے۔''

وہ آپے سے باہر ہوتا ہوا اس کے کانوں سے دھواں نکال گیا۔ عمامہ نے خود پہ لعنت بھیجتے نہ صرف کال ڈسکنکٹ کر دی بلکہ فون ہی آف کر دیا۔ جانتی تھی اب وہ دل کی بھڑاس نکالنے کو پھر کال ضرور کرے گا۔

وہ سر تھامے بیٹھی تھی جب امی نے اندر قدم رکھا۔ عمامہ چونک اٹھی۔ ایسا پہلی بار ہوا کہ اسے ان کی سمت دیکھتے خوف محسوس ہوا۔ اسے لگا امی کوئی انہونی بات کہیں گی۔

''وہ دور اچھا تھا...... جب ماں باپ بیٹیوں کی پیدائش پر انہیں زندہ دفن کر دیا کرتے تھے......''

بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔ عمامہ کا سانس جہاں تھا وہیں اٹک گیا۔ وہ نمناک آنکھیں لئے انہیں دیکھتی رہی۔ ان کی مایوسی کس انتہا پہ تھی ابھی وہ اس نہج پر سوچنے کے قابل کہاں ہو سکتی تھی۔

''میرا بیٹا...... میری نسل کا امین...... وہ بار بار منہ سے موت کا لفظ نکال رہا ہے۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا عمامہ...... میرا دل بند ہو جائے گا۔ کچھ کرو......''

وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھیں۔ عمامہ سکتہ زدہ بیٹھی رہی۔

''تمہارے بابا کو میں جانتی ہوں...... وہ کبھی نہیں مانیں گے...... اب بھی نہیں مانیں گے۔''

وہ ہاتھ مل رہی تھیں آنسو تسلسل سے بہہ رہے تھے۔ عمامہ کا سکتہ نہیں ٹوٹا۔ اس کی ماں اس سے بیٹے کی عزت اور زندگی کی حفاظت مانگ رہی تھی۔ حالانکہ وہ اس پر قادر نہیں تھی مگر حالات کی نزاکت نے انہیں بہت شکستہ کر دیا تھا۔

''بیٹے...... وہ برا ضرور ہے...... مگر تم سے محبت بھی کرتا ہے۔''

امی نے بالآخر کھل کر مدعا بیان کر دیا۔ عمامہ کے لبوں پر زخمی مسکان اتر آئی۔

(ہاں محبت کرتا ہے)

اس کی سماعتوں میں کچھ دیر قبل کا سلمان کا پرعزم لہجہ اترا تو کرب وجود کی لہر ہر رگ میں سرایت کرتا چلا گیا۔ یہ کوئی بھی نئی بات نہیں تھی۔ بیٹے کے مقابل بیٹی کو قربان گاہ پر چڑھنا ہی تھا۔ انتخاب اس کا نہیں ہونا تھا۔ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

''بابا اپنے سے بات کرو...... صرف تم ہو جو اپنے باپ کو سمجھا سکتی ہو فورس کر سکتی ہو۔ میں مزید کوئی رسک نہیں لے سکتی میری بچی...... مجھے معاف کر دینا۔''

انہیں جانے کیا ہوا کہ اسے گلے لگا کر ایک دم رو پڑیں۔ عمامہ کے وجود میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔

''میری دعائیں تمہارا نصیب اچھا کر دیں گی میری بچی...... سمجھ لو تمہارے نصیب میں یہی لکھا تھا۔''

وہ اسے تھپک رہی تھیں۔ بہلا رہی تھیں۔ عمامہ اب بھی کچھ نہیں بولی۔ اس کی زبان اپنی حیثیت اپنی بے مائیگی کے احساس نے گنگ کر ڈالی تھی۔

عمامہ......
معاً ان کی آواز میں سرسراہٹ اتری۔اس کی خامشی نے انہیں وحشت زدہ کرڈالا تھا۔
''جی امی......''
وہ بول پڑی......اب وہ شاید مزید خاموش رہتی تو ماں سے جو محبت تھی وہ شبہات میں جا پڑتی۔
''تم نے جواب نہیں دیا......کیا تم......آمادہ نہیں ہو......؟''
وہ خائف ہو کر سوال کر رہی تھیں۔عمامہ خود اذیتی میں مبتلا ہوتی مسکرائی اور بہت حوصلے سے ان کا ہاتھ تھپک دیا تھا۔
''یہ تو حقیر سی زندگی ہے امی......آپ جان بھی مانگتی تو انکار نہیں کرسکتی تھی۔یہ زندگی اور جان دونوں آپ پر قربان......میں بابا سے بات کرلوں گی۔اب کبھی بھی سلمان کم از کم سلمان اسد کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔''
وہ بولی تو اس کی آواز بڑی معتدل تھی۔اندر کے سب طوفانوں سب کمزوریوں گلے اور شکوؤں سے پاک......آنکھیں نم ضرور تھیں مگر آنسوؤں کی طغیانی پر کنٹرول تھا مکمل۔
''عمامہ......''
ماں جو اس سے مانگنے آئی تھیں، سخاوت کے اس اعلیٰ مظاہرے پر آبدیدہ ایسے ہوئیں کہ جذبات پر کنٹرول نہ رہا۔بے ساختہ گلے لگ گئیں۔ہچکیوں سے رو پڑیں۔
''مجھے معاف کر دینا میری بیٹی۔میں خود غرض ہوگئی ہوں مگر......''
''ایسا مت سوچیں امی......ریلیکس ہو جائیں۔آپ ماں ہیں۔بہتر فیصلہ کیا......آپ کی جگہ میں ہوتی تو شاید نہیں یقیناً یہی کرتی۔دل پہ بوجھ نہ لیں میرے لئے زندگی قائم ہے۔راستے کھلے ہیں۔اسد کو سلامت رکھنا ہوگا۔آخر وہ ہماری نسل کا امین قرار پایا ہے۔''
اس کی آواز بار بار بھراتی تھی مگر وہ ہر بار سارے آنسو اندر اتار لیتی۔
''جیتی رہو میری بیٹی......تم نے حق ادا کر دیا......میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی ہمیشہ......''
انہوں نے ایک بار پھر اسے گلے لگا کر چوما......وہ زخمی انداز میں مسکرا دی۔امی کے جانے کے بعد بھی اس نے خود پر قابو پائے رکھا۔ابھی اسے بابا کا سامنا کرنا تھا اور جان سے پیارے باپ کی ہمت اسی کی ہمت سے بندھی تھی گویا۔

✧✧✧

ایک بار ہی چاہت کی سزا کیوں نہیں دیتے
زندہ ہوں تو مرنے کی دعا کیوں نہیں دیتے
اک آگ جو بجھتی نہ بھڑکتی ہے زیادہ
اس آگ کو دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے
بچھڑے ہوئے لمحے بھی کبھی لوٹ کے آئے
بچھڑے ہوئے لمحوں کو بھلا کیوں نہیں دیتے

دریا میں پکارے چلے جاتے ہو ہمیشہ
صحراؤں میں ساون کو صدا کیوں نہیں دیتے
دیکھو نہ کئی یار بہت خوفزدہ ہیں
پل بھر کو چراغوں کو بجھا کیوں نہیں دیتے

"یہاں ایک وزٹنگ کارڈ پڑا تھا...... کیا مصیبت ہے مل کر نہیں دے رہا...... یہ گھر ہے یا......"
وہ جھنجلا کر چیخا۔ اس وقت شکار کے مخصوص لباس میں تھا۔ بھوری بھدی جینز اس سے میل کھاتی مٹیالی سی شرٹ جس پہ ہلکے سبز رنگ کے دھبے بھی تھے۔ لانگ بوٹ البتہ بہت نفیس وضع کے تھے۔ دیوار سے لٹکی رائفل اتار کر کاندھے پہ ڈال چکا تھا۔ کیا شک کہ وہ اس حلیے میں بھی بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اماں نے نظر چرائی اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"چیخنے سے کیا چیز مل جاتی ہے۔ ابھی ڈھونڈ دیتی ہوں......"
وہ ادھر ادھر دوڑ کر تلاش گمشدہ مہم جاری کر چکی تھیں۔ چند لمحوں بعد کارڈ لا کر اس کے سامنے ڈال دیا۔
"یہ تو نہیں......؟"
"مہربانی...... یہی تھا......"
وہ نخرے سے کہتا کارڈ جیب میں ٹھونسا اٹھ کھڑا ہوا۔
"کہاں جا رہے ہو اب بچے......"
وہ پیچھے پیچھے تھیں۔ دل ہولا جا رہا تھا۔
"آپ کی پاک صاف اعلیٰ نصب بہو کو لینے بہر حال نہیں جا رہے ابھی...... تب تو بینڈ باجوں سے جائیں گے اگر گھی سیدھی انگلی سے نکل آیا۔ نہ نکلا تو اسلحہ کی گھن گرج کی سلامی میں رخصت ہوگی مرحومہ......"
وہ شانِ استغنا سے بولا اماں کا ہاتھ دل پہ جا پڑا سیدھا۔
"سلو...... وہ اس قسم کی لڑکی نہیں ہے۔ چھوڑ دو اس کا پیچھا میرے بچے......"
انہوں نے باقاعدہ آنسو آنکھوں میں بھر کے ہاتھ بھی جوڑ دیئے۔ وہ جھلس سا گیا۔ بُری طرح سے جھلا اٹھا۔
"آپ سچ بتائیں اماں...... آپ نے مجھے ایدھی کے جھولے سے تو نہیں اٹھایا تھا...... لگتا ہے اپنی رحم دلی کی وجہ سے ایسا ہی کر چکیں آپ......"
سوال گندم جواب چنا...... اماں ہونق رہ گئیں۔
"کیا کہہ رہے ہو بچے......؟"
انہیں غصہ آ گیا۔
"میری ماں ہوتیں تو ایسی بات کرتیں آپ...... والدین خاص کر ماں تو بیٹوں کی خواہش پر دنیا الٹ دیتی ہیں۔ آپ پہ بھی ابا کا اثر آنے لگا۔ بیٹے سے دشمنی پہ تل گئی ہیں......"
آنکھوں پر سن گلاسز چڑھاتا وہ بدمزگی سے کہہ رہا تھا۔ اماں نے سر تھام لیا۔

''بیٹے بات حق سچ کی ہے میں......''
''بات صرف اتنی سی ہے اماں کہ جو چیز مجھے اچھی لگ جاتی ہے وہ بس میری ہی ہونی چاہئے۔''
''وہ چیز نہیں ہے سلو...... بات سمجھو پھر اگر تم خود کو ذرا سا بدل لو تو......''
اماں نے بات کاٹی تو اس میں تو بہر حال صبر کا پارا تھا ہی نہیں۔
''میں اس کی خاطر خود کو کیوں بدلوں...... میں اسی طرح اسے حاصل کر کے دکھاؤں گا۔''
اس کے لہجے میں یکلخت پھنکار در آئی۔ اماں آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی تھیں۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔ جب ایک دم زناٹے سے دوسری گاڑی بھی گیٹ کے اندر آن ٹھہری۔
''کیسا ہے میرا ویر......؟''
سب سے چھوٹی والی بہن تھی اترتے ہی سب سے پہلے اس کے گلے کا ہار بنی اور یہ سب سراسر بہن کی گرمجوشی تھی۔ وہ سرد مہر کا سرد مہر تھا۔
''یہ لیجیے...... کہتے ہیں سفر پر نکلنے سے پہلے کالی بلی راستہ کاٹ لے تو بدشگونی ہوتی ہے۔ مجھ سے ملنا اتنا ضروری تھا......؟ سمجھ لو تمہارا کوئی بھائی نہیں۔ اگر تھا تو مر گیا......''
بہن کی خوش مزاجی دھری رہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
''اتنے رُوڈ کیوں ہو تم سلمان...... میکے کا مان ہو تم مگر...... کم از کم یہی سوچ لیا کرو کہ جب بھی آئیں ہم آئیں تم پھر بھی......؟''
یہ بدتمیزی سیدھی دل پہ لگی تھی مگر وہاں رتی برابر اثر نہیں تھا۔
''آپ بھی اس زحمت میں نہ پڑا کریں تو اچھا نہیں......؟''
اس کا انداز قطعی سنگدلانہ تھا۔ توہین آمیز تھا۔
''بہت صلہ دے رہے ہو ہماری محبتوں کا اولاد کی طرح پالا تھا تمہیں اور......''
وہ واقعی رو دی۔ اماں لب بستہ کھڑی تھیں۔
''آپ لوگ محبت کرتی تھیں یا کاروبار......؟''
وہ اسی بے حس نخوت زدہ انداز میں مسلسل سنگ باری کر رہا تھا۔
''بس کرو سلو...... خدارا گھر آئی مہمان سمجھ کر ہی معاف کر دو بیچاری کو......''
اماں کا ضبط جواب دے گیا۔ پھٹ پڑی وہ زہر خند سے ہنسا۔
''بہت خوب...... آپ نے پھر ثابت کیا۔ واقعی کسی کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا مجھے...... لگا کر رکھیں اپنی بیٹیوں کو سینے سے۔ میں اب یہاں تب آؤں گا جب آپ کی بہو کو لے کر آؤں جو میرے لئے معمولی اور آپ کے لیے خاص ہے۔ اسے بھی اپنی جیسی بنا دیجئے گا تا کہ وہ بھی میرا دماغ کھاتی رہے ساری زندگی...... مجھ سے دشمنی کا یہ بہترین بدلہ ہوگا۔''
وہ کلس کر کہتا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔
''اگر وہ اتنی ہی معمولی ہے تو اس بیچاری کا پیچھا چھوڑ دو۔ کیوں نہیں جان چھوڑتے......''
بہن کو غصہ آ گیا تھا۔ چیخ گئی۔ وہ بھی جواباً آتش فشاں بن کر بے قابو ہو گیا۔
''اتنا اس کا خیال ہے تو یہ گن لو اور سیدھا دل کا نشانہ لے کر خالی کر دو اسے چھوٹ جائے گا اس کا

بھی پیچھا اور تم سب کا بھی...... اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں اسے بچانے کا......"
آتشیں لہجہ شعلہ باز آنکھیں مگر لبوں پر بڑی سنگدلانہ مسکراہٹ۔
بہن جھلا کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ جنونی قہقہہ لگاتا گاڑی میں بیٹھا اور ہوا ہو گیا۔
ایاں وہاں کھڑی دہلتے دل کے ساتھ اس کیلئے ہدایت اور حفاظت کی دعائیں کتنی دیر تک مانگتی رہی تھیں۔

⁂

دشمنی دل سے ہوئی وابستہ
اک جہاں بھاگ پڑا دل کی طرف
کون جھپٹے گا بھلا پہلے رگ نازک پر
کون کس خانے پہ ٹوٹے گا مصیبت بن کر
وار پہلے کوئی کسی سمت سے کر جائے گا
اپنی اپنی کسی بے مائیگی ذات کے ہاتھوں میں پہلے لوگ کہاں چھوڑتے ہیں
اپنی اپنی کسی محروم کی محکومی ہمیں آئے ہوئے منحوس غلام
نیتوں کی مریضانہ روش میں جکڑے
بڑھ رہے ہیں مرے چاروں جانب
گھیرتے جاتے ہیں مظلوم دل آزردہ
شہر میں جرم ہے معصومی و پاکیزگی و سادہ دلی
اب تو حکمت کے سوا چارہ نہیں ہے کوئی
یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہمیشہ وہی قربانی دے جو سچا ہو
جھوٹ کو کیوں نہ لتاڑا جائے
کیوں نہ بھالا کوئی شیطان کے سینے میں اتارا جائے
کیوں نہ اس بار کٹیں سر سرِ میدان
یزیدوں کے مہارت کے ساتھ
کیوں نہ اب مشعلیں تاریکی کے سینے میں اتاری جائیں
کیوں نہ فرعون کی گردن میں شکنجہ ہو کسی موسیٰ کا
دشمن دل سے ہے وابستہ تو پھر بھی کیا ہے
دل تو وابستہ عداوت سے نہیں
دل تو مائل نہیں ہے بے دل کی طرف
وقت کو چاہئے کچھ دیر کو الٹا بھی چلے
کچھ تو مظلوموں کی تاریخ بھی بدلے آخر
وہ ابا کے پاس گیا۔ جھڑکیوں کے سوا کچھ نہیں ہاتھ آیا۔
"آج کے بعد قدم بھی نہ رکھنا یہاں...... میں تو اپنے مرحوم بھائی کے رشتے بچانا چاہتا تھا ساری

عمر اپنے بیٹے کو غلط سمجھتا رہا مگر آج پتا چلا میری غلطی تھی۔ وہ صحیح پہچانا تھا تم سب کو...... تم میرے بھائی پہ گئے ہوتے تو کبھی مجھے ایسے نہ ڈستے۔ ماں پہ ہو جبھی تو ڈس لیا اس ناگن کی طرح......"

"تاؤ آپ میری بات......"

"چپ کر جا آزر...... میری بیٹی فالتو نہیں کہ دار پر چڑھا دوں...... جو دھوکہ آیت نے دیا کافی ہے۔ اب مزید بے وقوف نہیں بن سکتا۔"

وہ غصہ میں کانپنے لگے۔

"بہتر ہے طلاق دے دو میری دھی کو ورنہ عدالت کا دروازہ تو کھلا ہے۔"

آزر حیران چہرے کے ساتھ پلٹ آیا تھا۔ کہاں جاتا وہ آیت کی اس حرکت نے اسے کہیں کا نہیں رہنے دیا تھا۔ ایشال سے تو کوئی گلہ نہیں تھا۔ اب ایک راستہ تھا جس پر چلنے کی ٹھان چکا تھا۔

"ایشال......"

کچھ دیر بعد ہی وہ اسے نظر آ گئی۔ کسی شہزادی کی آن بان کے ساتھ کالج کی سیڑھیاں اترتی ہوئی۔ اسے کچھ دیر دیکھتے رہنے کے بعد وہ لپک کر اس کے راستے میں آ گیا۔ ایشال کو اسے دیکھ کر سکتہ سا ہو گیا۔

"کیوں آئے ہو یہاں...... اگر اپنے لئے کچھ کرنا تھا تو اپنی بہن کو سمجھانے کا کر لیتے۔ سب بھائی کو غلط کہتے تھے مگر......"

اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ جبھی ہونٹ بھینچ لئے۔ آزر اسے ڈوبتی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"میں ہار گیا ایشال...... کسی نے میری نہیں سنی......"

اس کی آواز بوجھل تھی۔ بہت بوجھل۔ ایشال کو اس پر رحم نہیں آیا۔ اُلٹا مزید غصہ چڑھ گیا۔

"اپنی ناکامیوں کی داستان سنا کر میرے دکھ میں اضافہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تمہیں...... میرے غم کو کس بار میں جا کر غلط کر لیتا تھا۔"

آزر اسے دیکھتا رہ گیا۔ معالبوں کے گوشوں سے مسکراہٹ پھوٹ پڑی۔

"محبت کرتی ہو نا مجھ سے ایشل......"

اس کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا۔ ایشال نے اسے تلخ و ترش نظروں سے نوازا۔

"یہ کیسا بے ہودہ سوال ہے؟"

"یہی تو سب سے معتبر سوال ہے میری جان......"

وہ نہال ہو کر گنگنایا۔ ایشال نے اسے متحیر نظروں سے دیکھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو آزر...... ایسی باتوں کا نہ موقع ہے نہ محل پھر......"

وہ پھٹ پڑی۔ بس نہ چلا اس پر اندر کا سارا غبار نکال دے۔

"ٹھیک کہتی ہو...... ایک گزارش کر سکتا ہوں......؟"

وہ یاس زدہ ہو کر بولا تھا۔ ایشال اسے گھورتی رہی۔

"ایک کمزور اور بزدل مرد گزارش ہی پہ اکتفا کر سکتا ہے۔ اور مجھے ایسے مردوں سے نفرت ہے۔"

اس کا ہیجان آہستہ آہستہ راستہ بنا رہا تھا۔ آزر نے اسے بغور دیکھا۔ افسردگی سے دیکھتا رہا۔

"میں بزدل نہیں ہوں ایشال...... ہاں تمہیں کھونے سے ڈرتا ہوں بس......" اس کی آواز میں تھکاوٹ اتر آئی۔

"اب کھونے کو بچا ہی کیا ہے۔ آخر تم میرے پاس آئے کیوں ہو۔ محض میرا دل جلانے......؟"

اس کا انداز پھاڑ کھانے والا ہوگیا۔

"نہیں...... آخری خواہش پوری کرنے...... کرسکتی ہو......؟"

آزر کی آواز دھیمی ہوئی بالکل سرگوشی میں ڈھل گئی۔ ایشال اندر تک تھرا گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

"تم سمجھتی ہونا میں نے کچھ نہیں کیا۔ اپنے فادر اور بھائی سے پوچھنا میں نے انہیں منانے کی کوشش میں کتنی ڈانٹ اور سبکی برداشت کی۔ اپنی بہن اور ماں کا کیا ذکر کروں یہاں بھلا......"

"یہ باتیں اگر تم مجھے نہ بھی بتاتے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اہمیت ختم ہوچکی ہے ان کی......"

ایشال کی شکستگی اس کے لہجے اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

جدائی سے تو بہتر تھا

مجھے تم زہر دے دیتے

ہمارا کام ہوجاتا

تمہارا نام ہوجاتا

وہ بڑبڑائی۔ آنسو ہزار ضبط کے باوجود چھلک پڑے تھے۔ آزر بھونچکا رہ گیا۔

"کام تو ہمارا اب بھی ہوگیا...... کیا شک......"

اب متحیر ہونے کی باری ایشال کی تھی مگر اس نے کچھ کہنے سے گریز برتا۔ کم از کم اتنا تو ہوا تھا دل پر دھرا منوں بوجھ سرک گیا تھا۔ جو اس شخص کے سامنے غبار نکال کر سرک سکتا تھا۔

"اب جاؤ تم آزر......"

وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ گہرا سانس بھر کے بولی۔

"آخری خواہش پوری نہیں کرو گی ایشل......"

وہ اسے فدا ہوتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جواباً ایشال جھنجھلا گئی۔

"فضول باتیں مت کرو آزر...... اور ایک بات یاد رکھنا خود کو کبھی کوئی نقصان نہ پہنچانا...... اپنے لئے نہیں...... میرے لئے خود کو سنبھال کر رکھنا کہ میں نے امید نہیں چھوڑی۔ جب تک زندگی ہے جب تک ہمارا تعلق بحال ہے امید ختم بھی نہیں ہوسکتی۔ سن رہے ہو......؟"

وہ ایک دم مضبوط نظر آنے لگی۔ آزر کھل کر مسکرانے لگا۔

"میری ایشال کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

اس کا انداز عاشقانہ تھا۔ ایشال پہلی بار جھینپی۔

"شٹ اپ......"

اس کے چہرے پر گلابی رنگ پھیل گیا تھا۔ آزر اسے دیکھتا رہا۔

"تم نہ بتاؤ بھلے...... مگر میں جان چکا ہوں تم کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے......"

اس کی آواز میں گنگناہٹ اتر آئی۔

وہ کچھ اور جھینپ گئی۔
''آخری خواہش پوری نہیں کرو گی......؟''
اس کا انداز ہنوز تھا۔ ایشال ٹھٹھک گئی۔
''کیا تم سدھرو گے نہیں......؟''
''سدھرا ہوا تھا۔ اب تھوڑا سا بگڑنا چاہتا ہوں۔''
اس کا لہجہ معنی خیزیت سمیٹ لایا۔
''مجھے ڈراؤ نہیں......''
ایشا کچھ خائف ہوئی تب وہ ہنس دیا۔
''تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہاں البتہ اگر آج یہ پہلی اور آخری خواہش نہ مانی ایشال تو قسم کھاتا ہوں خودکشی کر لوں گا۔''
اس کی آواز ایک دم غراہٹ میں بدل گئی۔ ایشال واقعی سہم گئی تھی۔ اسے پریشان کن نظروں سے دیکھتی رہی۔
''آزمائش میں ڈال رہے ہو...... بہرحال بتاؤ...... کیا چاہتے ہو......؟''
وہ تذبذب کی کیفیت میں ڈولتی کہہ گئی۔ آزر نے جانے کب کا رکا ہوا سانس بحال کیا۔
''تھینکس اے لاٹ مائی لولی وائف......''
وہ چہک اٹھا تھا تو ایشال کے وجود میں حیا آلود بھونچال اٹھ کھڑا ہوا۔
''بے شرم...... وائف کب سے ہو گئی......''
اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو کر تپنے لگیں۔
''جب سے تیرے ابو نے نکاح پڑھوایا۔ چلو آؤ......''
اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ کھینچ لے گیا۔
''چھوڑو...... کوئی دیکھ لے گا۔ کہاں لے جا رہے ہو......؟''
وہ بٹپٹائی ہوئی بولی تھی۔ آزر ہنستا چلا گیا۔
''گھبراؤ نہیں میری جان...... بس دس منٹ گاڑی میں میرے ساتھ بیٹھ کر چائے کا ایک کپ پی لو...... دیکھو کیسی معصوم ہے آخری خواہش بھی......''
وہ اسے دیکھ کر آنکھ مار کر بولا۔ ایشال کے اوسان خطا ہو کر رہ گئے۔
''اتنے شریف نہیں ہو...... تم جتنے میں سمجھتی رہی''
وہ جھنجھلائی تو آزر کی ہنسی قہقہے میں بدل گئی۔

کہو اک دن کہ جو کچھ بھی
ہمارے پاس ہے سب کچھ تمہارا ہے
کہو اک دن......

وہ گنگناتا ہوا اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ ایشال کی کیفیت بہت گھبراہٹ کا شکار تھی۔ اس نے

اٹھایا تھا پھر اڈھاپ لیا تھا۔
''دس منٹ کا مطلب دس منٹ ہی ہونا چاہیے۔ دیکھو مجھے زیادہ تنگ نہ کرنا۔ نہ روز روز ملنے پر زور دینا...... سن رہے ہو......''
اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی وہ منت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آزر نے گہرا سانس بھرا اسے دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔
''بالکل بے فکر ہو جاؤ...... آج کے بعد میں کبھی تمہیں ایسے مجبور نہیں کروں گا۔ آخری خواہش کا مطلب آخری ہوتا ہے۔''
''آزر......''
''تم بیٹھو...... میں سامنے اسٹال سے چائے لے آؤں......'
وہ اس کی سنے بغیر چلا گیا۔ ایشال کا دل دھک دھک کرتا تھا۔ آزر کا رویہ اسے الجھا گیا تھا۔ سمجھ سے باہر تھیں اس کی باتیں۔ مخمصے میں مبتلا تھی۔ یہ جو کیا اس نے ٹھیک بھی کیا یا نہیں......''
''یہ لو جانِ آزر......''
وہ اس وقت چونکی جب آزر اس کے برابر سیٹ پر آن بیٹھا۔
''تھینکس......''
اس نے چائے کا مگ لے لیا۔ حالانکہ دل نہیں چاہ رہا تھا۔
''اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا تمہارے ساتھ آزر تو......''
''تو کیا......؟ پرواہ نہیں کرو...... جو کچھ وہ لوگ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔ وہ بھی ہرگز درست نہیں۔''
آزر کا لہجہ و انداز بدل گیا۔ ایشال حیران ضرور ہوئی مگر مصلحتاً خاموش رہی۔
''چائے کیوں نہیں پی رہی......؟''
آزر کی ساری توجہ اس پر تھی۔ وہ پھر چونک گئی اور مگ منہ سے لگایا۔
''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں ایشال...... کبھی میری طرف سے کسی بدگمانی کا شکار نہ ہونا۔ کوئی بھی اقدام ہو میرا چاہے وہ روایات سے ہٹ کر سہی مگر محبت کی پائیداری اور اپنے رشتے کی مضبوطی کی خاطر ہوگا یقین رکھنا۔''
اسے چائے سپ کرتے پا کر وہ بہت رواں اور مدھم آواز میں اسے ڈھارس دے رہا تھا۔ ایشال مسکرا دی۔
''تم دونوں بہن بھائی ایک جیسے ہو...... محبت کا راگ الاپنے والے...... اور شاید میں''
''...... اپنے بھائی پہ چلی گئی ہوں...... شاتی اور محدود......''
''میں تمہیں ٹھیک کرلوں گا۔ ڈونٹ وری......''
آزر نے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا۔
''مگر...... آیت تو نہیں ٹھیک کر سکی میری بھائی کو......''
وہ دکھ سے بھرنے لگی۔

''اس وقت بس اچھا سوچو..... اس لئے کہ ہم ایک ہو چکے ہیں۔ زندگی کا نیا سفر شروع کر چکے ہیں.....؟

آزر نے سرگوشی کی وہ چونک پڑتی اسے چونکنا چاہئے تھا مگر اس کا دماغ گہرے سیاہ غبار میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کچھ بولنے کی کوشش میں محض بڑبڑا سکی۔ اگلے لمحے اس کا سر ڈھلک کر آزر کے کاندھے پر ٹھہر گیا۔ آزر جس کے لبوں پہ کھیلتی پراسرار مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

✧✧✧

آزمائش کے نہاں خانوں میں
اپنے اعزاز کی تکمیل بھی پوشیدہ ہے
فطرتِ کون و مکاں
سود و زیاں کی پابند
آزمائش کی حدیں ختم نہاں ہوتی ہیں
خود پرستی کی بھی تکمیل نہیں ہے ممکن
زخم پر زخم کھاتے جاؤ
درد پر درد سجاتے جاؤ
خون پر خون بہاتے جاؤ
اپنے اس جرم کا اخفاء بھی
بدل دیتا ہے کردار بظاہر لیکن
وہ جو باطن میں ہے باطن ہی میں ہے
ہم ضرورت سے زیادہ بھی ہوں چالاک تو پھر بھی کم ہیں
ہم فقط باعثِ دلداری ہیں
آزمائش جو ہوئی ہے ایجاد
آزمانے کو بھی کچھ چاہئے
اس ہستی بے پایاں کو
راکھ میں پاؤں ڈبو لینا کوئی بات نہیں
بات آتش کی ہوا کرتی ہے
دور تک آگ بجھی ہے تو بجھی رہنے دو
پاؤں انگاروں کو سہتے ہیں تو پھر سہنے دو

کیا عذاب تھا۔ کسی پل قرار میسر نہیں تھا۔ وہ شدت پسند تھی۔ جبھی اس حال کو پہنچ گئی تھی۔ اور یہ شدت پسندی اب انتہا کو جا پہنچی تھی۔ یہ خیال ہوا احساس کہ وہ اس کمتر حقیر انسان کی بیوی قرار پائی ہے۔ سوہانِ روح تھا۔ اور حسین..... جس کی خاطر اس نے اتنے پاپڑ بیلے..... وہ پھر حصول سے باہر کا باہر تھا۔ یہ اس کے جنون وحشت اور دیوانگی کو بڑھا رہا تھا۔ اس پر ستم یہ کہ وہ پریگنٹ تھی۔

اور وہ بھی شیر خان کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ رونے سے مسئلے کا حل نہ نکلنا تھا نہ نکل سکا۔ وہ

باہر نکل سکی نہ اس مصیبت سے نجات کا کوئی راہ نکال سکی۔ وہ شیر خاں شیطان کا داروغہ بن کر ہر دم دراز ے پر پہرہ دیا کرتا۔

کیا حل تھا پھر اس کا......؟

اس کی وحشت پھر بڑھنے لگی۔ تب ہی دروازہ ناک کرتی وہ اندر آئی تھی۔

''آپ کے لئے جوس لائی ہوں......''

وہ بہت خوبصورت تھی مگر بہت مودب رہا کرتی۔ نوکرانی تو کیا وہ تو خود ملکہ لگتی تھی۔ مسحور کن حسن کی مالک۔ صندلین اسے دم بخود دیکھتی رہ گئی۔

(اگر یہ حسین کے پاس تھی تو کیا حسین اس کے حسن سے متاثر نہ ہوا ہوگا؟)

خیال تھا کہ سپولیا......اسے ڈستا چلا گیا۔

''کب سے حسین کے ہاں ملازمت کر رہی ہو تم......؟''

وہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمرہ کھنکاری۔

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا......وہ میرے کام سے خوش نہیں تھے جبھی یہاں منتقل کر دیا۔''

نپا تلا جواب۔ مگر صندلین مطمئن نہیں ہو سکی۔

''تو ایسی کیا مجبوری تھی کہ تمہیں فارغ نہیں کیا۔ ہمارے سروں پر لا دیا......؟''

صندلین کی پیشانی پر شکنیں صاف نظر آنے لگیں۔

''مجبوری وہ قرض تھا جو میں انہیں واپس نہیں کر سکی۔ وہ مجھے ایسے ہی ادا کرنا ہے۔''

حمرہ کے جواب دینے کے انداز میں تلخی تھی۔ صندلین ٹھٹک گئی۔

''کیسا قرض......؟''

''میری ماں بیمار تھیں۔ میں نے حسین صاحب سے رقم لی تھی۔''

''اوہ......''

صندلین نے گہرا سانس بھرا اور مزید کچھ کہے بغیر اسے واپس جانے کا اشارہ کر دیا۔ دروازہ بند ہوا تو اس نے منجمد نظروں سے کچھ دیر فروٹ کی ٹوکری میں پڑی چھری کو دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر چھری اٹھالی۔

(اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ اگر حسین نہیں تو کوئی بھی نہیں......تم تو بالکل نہیں کمتر گھٹیا انسان......)

اس نے چھری والا ہاتھ بلند کیا اس سے قبل کہ پیٹ میں کھونپ لیتی دروازہ کو اپنی ٹھوکر سے کھولتا ہوا شیر خان اندر گھس آیا۔

''رک جائیں بی بی......''

وہ دھاڑا تھا۔ صندلین کو کہاں توقع تھی اس کی آمد کی جبکہ شیر خان نے جھپٹا مار کر سب سے پہلے چھری پر ہی قبضہ کیا تھا۔

''تم انسان نہیں ہوسکتا......بزدل......''

وہ غرا اٹھا تھا۔ اس کا بازو موڑ کر پشت پہ لگا دیا چھری اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

''اپنے بچہ کو مارتا ہے...... یہ صرف تمہارا بچہ نہیں ہے......؟''
وہ اب بھی غرا رہا تھا۔ صندلین اس کے اس نئے روپ سے حواس کیسے سلامت رکھتی۔ غش کھا گئی۔
''ام اب خاموش نہیں رہے گا۔ بہت ہو گیا۔''
وہ صندلین کو وہیں ڈال کر چھری سمیت کمرے سے نکل آیا۔ سیڑھیاں پھلانگتا سرخ چہرے سے نیچے آیا تو سب سے پہلے دادی سے سامنا ہوا۔ جو فون کان سے لگائے جوش بھرے انداز میں بات کر رہی تھیں۔
''تو ذرا بھی نہیں بدلا میرے بچے...... حالانکہ اب گھر بار والا ہو گیا ہے۔ اور بتاؤ بھلا...... کتنے دن ہو گئے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتے اور تم سے بات نہیں ہو پاتی۔ اب خود کو بدلو بیٹے کچھ دن اور گزرے تو بچوں والے بھی ہو جاؤ گے خیر سے......''
دادی کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ شیر خان کو لگا قیامت اس گھر کی دہلیز پر آ کھڑی ہے۔
''تم باپ بننے والے ہو حسین مبارک ہو بیٹے...... صندل کا پیر بھاری ہو گیا ہے۔ بس جلدی سے آ جاؤ تا کہ اس خوشی کو باقاعدہ منایا جا سکے۔ وہ نہیں جانتا تھا حسین شاہ کا دوسری جانب ردعمل کیا تھا وہ اتنا ضرور جان چکا۔ اب وہ اب بات کو مزید مخفی نہیں رکھ پائے گا انجام چاہے کچھ بھی ہو۔
(جاری ہے)

آسیہ مظہر

شب سیاہ تھی اور آسمان سے اندھا دھند تیز بارش برس رہی تھی۔ ہر طرف سکوت کا سماں تھا۔ بس صرف بارش کا شور سنائی دے رہا تھا۔ یکدم بجلی زور سے کڑکی اور لحظہ بھر کائنات کے ہر ذرے کو روشن کر گئی تھی۔ بجلی کی اس چمک نے میلوں دور ایک ویران کمرے کو بھی روشن کیا تھا۔ جس میں ایک نفوس سجدے کی حالت میں جھکا ہوا تھا۔ اس نفوس نے بجلی کی اس چمک پر اپنا سر اٹھایا اور پھر خود اٹھتا ہوا اس کمرے کی واحد کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ بجلی ایک مرتبہ پھر کڑکی۔ اب کہ اس نفوس نے اپنا دایاں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا تھا۔ بارش کی بوچھاڑ اس کے کمزور اور لاغر ہاتھوں پر ہونے لگی تھی۔ بجلی نے ایک مرتبہ پھر چمک پیدا کی اور اب کہ اس نفوس کی آنکھیں دھندلی سی دکھائی دی تھیں۔ یہ نفوس کون تھا کوئی نہ جانتا تھا، پر اس کی آنکھوں میں کئی برسوں کا لاحاصل انتظار کسی پرچھائی کی مانند طلوع ہوا تھا۔ یہ نفوس کسی کا انتظار تھا، بجلی کی اس چمک نے یہ راز افشاں کر دیا تھا۔

"ملک حویلی" اپنی پوری شان وشوکت سے دھرتی کے کشادہ سینے پر براجمان دکھائی دے رہی تھی۔ حویلی کے اندرونِ خانہ پر نگاہ ڈالی جائے تو اس وقت سب کے سب ناشتے میں مصروف دِکھائی دے رہے تھے۔ جتنی یہ حویلی شاندار تھی اتنے ہی اس کے باسی شاندار تھے۔ اعلیٰ نسب وحیثیت کے مالک، دولت جن کے گھر کی باندی تھی اور اس حویلی کے سربراہ سرمد ملک تھے۔

"یہ ناصر صبح صبح کہاں چلا گیا؟" ذیشان ملک نے ریحانہ سے پوچھا تو وہ لاعلمی سے سر جھکا کر رہ گئی تھیں۔

"مجھے تو نہیں معلوم۔" وہ بولیں۔

مکمل ناول

''نہ وہ بتا کر گیا ہے''

''کہیں فضہ سے ملنے تو نہیں چلا گیا۔''

عائشہ نے بروقت چٹکلہ چھوڑا تھا۔

"دماغ نہیں خراب اس کا کہ فضہ سے ملنے چلا جائے۔' فرحان نے بیوی کو گھورتے ہوئے ٹوکا تو وہ سر جھٹک کر رہ گئیں۔

کیوں فضہ سے ملنے کیوں نہیں جا سکتا اس کی قانونی شرعی بیوی ہے، کوئی غیر تو نہیں ہے،، وہ طنزیا مسکرائیں تھیں،

عائشہ،، فرحان ملک کے لہجے میں اب، کہ سختی تھی، وہ جوابا نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئیں۔

''بابا جان آج ناشتے کے لئے نہیں آئے۔' ذیشان ملک نے، موضوع، بدلتے ہوئے اب کہ سرمد ملک کی بابت پوچھا، تھا،

"جی ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، آج اس لئے کمرے میں ناشتہ دے دیا ان کو۔'' ریحانہ نے، چائے کا کپ ذیشان ملک کو پکڑاتے ہوئے جواب دیا

''دوسروں کی طبیعت آئے دن خراب کرنے والے کی طبیعت اتنی جلدی خراب نہیں ہوتی۔' عائشہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں تھیں اور ان کی اس بڑبڑاہٹ کو پاس بیٹھی عانیہ، نے بغور سنا تھا کوئی اور سنتا تو قیامت ہی آجاتی۔

امی پلیز، عانیہ نے التجا بھرے لہجے میں جوابا انھیں گھورا تھا

تو ٹھیک ہی کہا ہے نہ،، وہ نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ ناشتے میں مصروف ہو گئیں، جبکہ، عانیہ نے ایک سکون بھری سانس ،خارج کی تھی،

''فرحان تم معیز اور نمرہ کو سکول چھوڑ دو، عانیہ میرے ساتھ کالج چلی جائے گی، مجھے سائیٹ پر جانا ہے تو اس کا کالج بھی اسی رستے پر پڑتا ہے۔' ذیشان ملک آفس جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

ٹھیک ہے بھائی،، فرحان بھی ان کی تقلید میں اٹھ کھڑے، ہوئے

ریحانہ ہم بابا جان کی طعبیت کا، پوچھ کر آتے ہیں آپ، غفور کاکا کو کہیے گاڑی نکالیں،

گھر سے نکلتے وقت وہ دونوں ہر روز کی طرح سرمد ملک کے کمرے میں جانا نہیں بھولے تھے۔

عائشہ سب کچھ جاننے کے باوجود کیوں بحث، کرتی ہو،، ریحانہ نے اب کے اپنا رخ سخن، عائشہ کی طرف موڑا تھا،

ریحانہ بھابھی آپ، بھی سب کچھ جاننے کے باوجود ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں جبکہ آپ جانتی بھی ہیں کہ بابا جان غلط ہیں۔' عائشہ تو ریحانہ کے رویئے پر حیرت کم ساکت زیادہ رہ گئی تھیں۔

''عائشہ تمہیں، اچھے سے خبر ہے، اس گھر میں بابا جان کا فیصلہ پتھر پر لکیر ہوتا ہے، اور جو ان کے فیصلوں کے خلاف جاتا، ہے اس کا، کیا حشر ہوتا ہے،،

مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے،، وہ طنزیا مسکرائی تھیں

فضہ تو چلیں پرائی ہے مگر بابا جان اپنے خون کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی کر رہے ہیں، صرف اس وجہ سے، کہ وہ لڑکی ہے،، عائشہ نے اپنے اصل دکھ کی وجہ بتائی تھی،

معیز نمرہ تم لوگوں کا ناشتہ ہو گیا تو اپنے اپنے بیگ لے کر جلدی آؤ، آگے لیٹ ہو رہے ہو،، عانیہ نے ان دونوں کو یہاں سے اٹھایا تھا،

امی پلیز اب ختم کر دیں اس بات کو، آپ تو

خیال کیا کریں،،

تم تو چپ ہی کرو، یہاں تمہاری جنگ کے لیے میں ہلکان ہو رہی ہوں اور تم مجھے ہی سنا رہی ہو، جب سے، تم پیدا ہوئی ہے بابا جان کی نفرت کا شکار رہی ہو وہ ہمیشہ سے ہی میری اور میری بیٹی کو کانٹوں پر گھسیٹتے آئے ہیں۔' عائشہ آنسو پیتے ہوئے زور زور سے بولنے لگی تھیں۔

ریحانہ نے عانیہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا اشارہ کیا وہ بے بسی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

''اچھا چھوڑو، ان باتوں کو۔' ریحانہ نے اسے دلاسہ دینا چاہا تھا۔

''کیسے چھوڑو بھابھی، کیا میں نہیں جانتی بابا جان کس بات کا بدلہ لے رہے ہیں۔''

''چھوڑو عائشہ چلو آؤ صفورا کی طرف چلتے ہیں، کافی دنوں سے آنے کا کہہ رہی تھی۔' ریحانہ نے اپنی تایا زاد سہیلی کا نام لیا تھا اور عائشہ اس کے ساتھ جانے کے لئے اٹھ گئی تھیں، ریحانہ نے ان کے اٹھنے پر شکر ادا کیا تھا۔

✧✧✧

''مجھے نہیں بڑھانی، کوئی، ڈیمانڈ، میں نے ایک دفعہ کہہ دیا کہ میں آپ کا سیریل نہیں کروں گی تو کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں میرے۔'' عبیرہ شہزاد نے آج اس پروڈیوسر کو کھری کھری سنا ڈالی تھیں۔

''دیکھئے میڈم آپ کو منہ مانگی قیمت ملے گی پلیز انکار مت کیجئے۔' پروڈیوسر منمنایا تھا۔

''مائی فٹ، جب آپ کو کہہ دیا نہیں سائن کروں گی تو نہیں کروں گی۔ پلیز جائیے آپ ورنہ مجھے مجبوراً گارڈز کو بلوانا پڑے گا۔' وہ اب

اور ایک اور بات، آئندہ میں بھی آپ کسی بھی سیریل میں کام نہیں کروں گی۔ جو چیپ خبریں آپ نے اخبار والوں کو دی ہیں نا اپنی گھٹیا ذہنیت ہی دکھائی ہے۔ عبیرہ شہزاد کو آپ جیسے چھوٹے موٹے چوہوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہ میرے مداحوں میں ان گھٹیا حرکتوں سے کوئی کمی آئے گی۔، انڈر اسٹینڈ، اب، آپ، جاسکتے ہیں،،

پروڈیوسر اتنی حوصلہ افزائی پر منہ چھپاتا بھاگ نکلا تھا۔

''گھٹیا لوگ۔۔ 'وہ غصے سے تھوک کر بڑبڑائی تھی۔

''ارے بے بی کام ڈاؤن، ریلیکس۔۔ '' نشو نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے رام کرنا چاہا تھا۔

''نہیں نسیم یہ لوگ جب تک سچ نہ سنیں چین سے نہیں بیٹھتے۔ آج اوقات یاد دلائی ہے آئندہ بھٹکے گا بھی نہیں یہاں۔'' وہ ایک موٹی سی گالی دے کر گویا ہوئی۔

''اچھا بے بی مٹی پاؤ، میں جوس لے کر آتا ہوں۔ 'نسیم عرف نشو اس کو ریلیکس کرنے کے لئے اورنج جوس لینے کچن کی جانب بھاگا تھا جبکہ وہ اپنے براؤن سلکی بالوں کو جوڑے کی شکل میں ترتیب دے کر موبائل کی جانب متوجہ ہوگئی تھی جہاں کسی کی کال آرہی تھی۔

''وہاج ملک کالنگ۔۔ 'کا لفظ جلتا بجھتا دکھائی دے رہا تھا۔

''ہیلو وہاج کیا ہوا؟''

''عبیرہ تم کہاں ہو؟'وہاج نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔

''گھر میں، کیوں؟'' وہ بولی۔

پک کرنے آرہا ہوں۔' وہاج تیزی سے بولا اور فون کٹ گیا۔ وہ اس کی کال آنے پر، سیدھی، ہو بیٹھی تھی۔ وہاج ملک ایک ایکٹر تھا اور اس، کا بہترین، دوست بھی، اور اسی، کے ساتھ آج کل ایک مووی میں بطور ہیرو کام کر رہا تھا۔ وہ فون سننے کے بعد، اٹھ کھڑی ہوئی، حالانکہ، دل تو اس کا جانے کا نہیں تھا، پروڈیوسر کے ساتھ مغز ماری نے اسے، اچھا خاصا تپا دیا تھا، مگر مجبوری تھی وہ وہاج کا کہا ٹال نہیں سکتی تھی، اس لیے تیزی سے واش روم میں گھس گئی تھی کیونکہ اس کے تیار ہونے کے لئے آدھا گھنٹہ تو کم از کم اس کے لئے بہت کم تھا اس لئے اس نے تیزی سے اپنی تیاری شروع کر دی تھی۔

✦✦✦

''بابا جان یہ سائٹ ایریا میں تیار ہونے والی بلڈنگ کی تفصیلات ہیں آپ چیک کرلیں۔''

ذیشان نے ریڈ فائل ان کی جانب بڑھاتے ہوئے تابعداری سے کہا تھا انہوں نے سر محض اثبات میں ہلاتے ہوئے فائل تھام لی تھی۔

''تمہاری فیکٹری کا کام کیسا جا رہا ہے؟'انہوں نے پوچھا۔

''جی بابا جان کافی اچھا جا رہا ہے، شیرازی سنز اینڈ کمپنی والے ٹوکیو والی سپلائز میں بطور پارٹنر کام کرنا چاہ رہے ہیں میں آپ سے اسی سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔''

''ہوں، میں چند دنوں میں تمہیں آگاہ کر دوں گا کہ کیا فیصلہ کرنا ہے۔''

''جی بابا جان۔''

''یہ عانیہ کے پیپرز ابھی ختم نہیں ہوئے

"جی معلوم نہیں، شاید لاسٹ یا سیکنڈ لاسٹ پیپر ہو۔" ذیشان ملک نے لاعلمی کا اظہار کیا تو سرمد ملک بھڑک اٹھے۔

"معلوم نہیں، یہ کیا جواب ہے ذیشان، یعنی کہ اس گھر کی بیٹی کیا کر رہی ہے کہاں جا رہی ہے معلوم نہیں، سوئے پڑے ہو کیا سب۔" سرمد ملک تو باقاعدہ چلانے لگے تھے۔

"معذرت بابا جان، میں ابھی عانیہ سے کنفرم کرتا ہوں۔" ذیشان ہڑبڑا کر بولے تھے۔

"رہنے دو، بات کرتا ہوں، اس سے تو میں خود ہی پوچھ لوں گا۔"

اور ذیشان ملک جانتے تھے ان کا پوچھنا کیا پوچھنا تھا۔ اس لیے فقط خاموشی اختیار کر کے رہ گئے تھے۔

،،تم جاؤ اور عانیہ کو بھیجو میرے پاس،،

جی بابا جان،، ذیشان ملک یہ کہ کر کمرے سے باہر نکل آئے تھے،

,عانیہ کہاں ہے، باباجان بلا رہے اسے،، نیچے لاونج میں موجود عائشہ اپنا، دل تھام کر رہ گئیں تھیں

اللہ خیر اب کیا کر دیا میری بچی نے،،

،، میں جاتی ہوں تایا ابو لاونج کی سیڑھیاں اترتے ہوئے عانیہ بولی تھی

اور اگلے ہی لمحے وہ سرمد ملک کے کمرے کے آگے کھڑی تھی،

اس نے ڈرتے ڈرتے دروازے پر دستک دی اور اندر چلی آئی

اسلام علیکم بابا جان،،

واسلام آو، آو، تمہارا ہی انتظار ہو رہا تھا لڑکی، یہ آج کل کن ہواؤں میں اڑ رہی ہو ہے لیکن ہم نے اچھے اچھوں کو سیدھا کر دیا ہے پھر تمہاری کیا اوقات، کالج کا بہانہ کر کے سیر سپاٹے کیئے جا رہے ہیں۔ ہمارے خاندان کا نام مٹی میں ملایا جا رہا ہے مگر میں ایسا قطعی نہیں ہونے دوں گا۔"

سرمد ملک جاہ و جلال کے باعث اس سمے کسی ظالم بادشاہ سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ غرور ان کے انگ انگ سے جھلک رہا تھا۔

بابا جان کیا کہ رہے آپ، ہم میں سمجھی نہیں،، اس کی جان پر بن آئی تھی،

لڑکی یہ ہوشیاری کسی اور کو دکھانا سرمد ملک کے آگے نہیں چلے گی، کل سی ویو پر سر عام پھر رہی تھی کس کی اجازت سے،، وہ گرجے تھے،

"باباجان قسم لے لیں میں خود وہاں نہیں گئی تھی۔ وہ تو ردا لے کر گئی تھی مجھے، اس کی فرینڈ کی سالگرہ تھی۔" عانیہ نے روتے ہوئے کئی جواز دے ڈالے تھے مگر یہاں کوئی سنوائی نہ تھی۔

''بس لڑکی، بہت ہو گئے ڈرامے، تمہارا آج سے کالج جانا بند، بس بہت ہو گی عیاشی،، اور اب کے اس کے پیروں سے زمین کھسک گئی تھی،

ب۔۔بابا،،

' بس اب ایک اور لفظ نہیں، ہم نے کہہ دیا تو بس کہہ دیا۔ اب ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" ان کا انداز اٹل تھا۔ اور عانیہ بے بسی سے آنسو پیتی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ دروازے کے باہر اسے ریحانہ کھڑی ملیں لیکن وہ منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگ گئی۔ ریحانہ نے دکھ بھری نگاہوں سے اس کی جاتی پشت کو گھورا تھا۔

✦✦✦

بلوایا۔" وہ اس کی گاڑی میں بیٹھتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ "بندہ کم از کم وجہ تو بتا دیتا ہے۔"

وہاج مسکرانے لگا تھا۔

"ہاں اب ہنس لو، مگر یار، دیکھو، میں تمہاری کوئی سوکالڈ فین نہیں ہوں جو تمہاری اس مسکراہٹ پر مر مٹوں گی، اس لئے کام کی بات بتاؤ کیوں بلوایا ہے اور ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ارے میڈم عبیرہ شہزاد جی دھیرج رکھیے، آپ تو ہوا کے گھوڑے سے بھی زیادہ کی اسپیڈ رکھے ہوئے ہیں۔" وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہمہ تن گوش ہوا تھا۔

"مسٹر نعیم وارثی نے ارجنٹ بلوایا ہے۔"

"کیوں؟" وہ چونکی تھی۔

"یار تم جانتی ہو نا جو فلم ہم نے سائن کی ہے وہ کتنا بڑا پروجیکٹ ہے۔ اگر سمجھو یہ فلم ہماری کامیاب ہو گئی تو ہم لولی ووڈ چھوڑ کر بالی ووڈ، ہولی ووڈ تک جا پہنچیں گے۔" وہ فرط مسرت کے باعث کھلا اپڑ رہا تھا۔

"ہوں یہ تو ہے۔" وہ بھی سر دھنتے بڑبڑائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے جو خواب میں نے دیکھا ہے اس کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔" اک دلکش مسکراہٹ نے عبیرہ کے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔

نعیم وارثی، ایک بہت نامور پروڈکشن ہاؤس کا مالک تھا۔ بڑے بڑے منجھے ہوئے اداکار نعیم وارثی کے پروڈکشن کے لئے کام کرنے کے خواہش مند تھے مگر نعیم وارثی ایک الگ نیچر کا انسان تھا جس کا بس ایک ہی چیز پر فوکس تھا اور وہ تھا محنت، وہ زیادہ تر نیو ٹیلنٹ کو اپنے ڈراموں میں کاسٹ کرتا تھا۔ اس نے کی دھڑکن بنا دیئے تھے جن میں سے ایک وہاج بھی تھا۔ وہاج کا پہلا سیریل نعیم وارثی نے ہی پروڈیوس کیا تھا اور آج وہاج ملک کئی کامیاب اور ہٹ سیریل کا مالک تھا۔

عبیرہ شہزاد کی نعیم وارثی سے پہلی ملاقات ایک شوٹ پر ہوئی تھی اور وہیں نعیم وارثی نے عبیرہ شہزاد کو فلم کی آفر دے ڈالی تھی۔ نعیم وارثی کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جو سفارش کو نہیں محنت اور قابلیت کو مانتے ہیں۔ اس لئے عبیرہ نعیم وارثی کے ساتھ کام کرنے میں بہت ریلیکس تھی کیونکہ نعیم وارثی عام پروڈیوسرز کی طرح اپنے ساتھیوں یا کاسٹ ہیرو ہیروئن پر بلاوجہ حکم نہیں چلاتا تھا۔

وہ دونوں اگلے آدھے گھنٹے میں نعیم وارثی کے بنگلے پر موجود تھے۔

نعیم وارثی نے خوش دِلی سے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔

"سر خیریت تھی، اتنا ارجنٹ بلوانے کی وجہ؟" وہاج نے اورنج جوس کا سِپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں خیریت ہی تھی، بس یہ کہنے کے لئے بلوایا تھا کہ جو رائٹر پہلے میری فلم کا اسکرپٹ لکھ رہا تھا وہ کچھ ذاتی مسائل کی بناء پر کانٹریکٹ ادھورا چھوڑ کر ابروڈ چلا گیا ہے اور اب نیا اسکرپٹ رائٹر آ گیا ہے۔ اس لیئے بلوایا ہے کہ تم دونوں اس سے مل لو، تا کہ رائٹر تمہیں اور تم رائٹر کو سمجھ لو۔" وہ آخر میں دھیمے سے مسکرائے تھے۔

"ٹھیک ہے سر ہم مل لیں گے۔" عبیرہ نے مسکراتے ہوئے جواباً اثبات میں سر ہلایا۔

XX عبیرہ تم بہت ہی الگ قسم کی لڑکی ہو، اتنے اسکینڈل کے باوجود بھی اپنی دھاک

بیٹھائے ہوئے ہو مجھے ایسے لوگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں جو خوف وہراس کو اپنے پاس بھٹکنے بھی نہیں دیتے اور حوصلے سے ہر میدان پار کر جاتے ہیں۔"

"سر یہ آپ کا، بڑا پن ہے کہ آپ ایسا سوچتے ہیں ورنہ یہ دنیا اور اس کے لوگ تو پتا نہیں کہاں کہاں تک اپنی گندی سوچ کا کچرا دوسرے پر انڈیلتے نظر آتے ہیں۔" وہ کچھ تلخی سے بولی تھی۔

" صحیح کہا تم نے، یہ دنیا کسی کو خوشی سے جینے نہیں دیتی۔' وہ افسردہ ہو گئے۔

"او کے سر، اب ہم چلتے ہیں، مجھے اپنی ایک ریلیٹیو کی والدہ کو ہسپتال دیکھنے بھی جانا ہے۔"

وہاج اجازت لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے ہی عبیرہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"ہوں، او کے بیٹ آف لک اب شوٹ پر ہی ملاقات ہوتی ہے۔"

وہ دونوں نعیم وارثی کے گھر سے نکل آئے تھے،

❖❖❖

یہ حیات اِک
راز ہے
گہرا یا تال جیسا
روشنی کی جستجو میں
دربدر پھرتا
زندگی کا رازدار ہے

سیاہ اماوس جیسی شب آج بھی حسبِ معمول یہاں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ روشنی تو جیسے برسوں بیت گئے تھے روٹھ گئی تھی۔ اب تو اندھیرے ہی اس کے جیون ساتھی تھے۔ اور اب شاید اس کے اندر روشنی کی تمنا بھی ماند پڑ چکی تھی۔

ہاں کبھی گزرا ماضی یاد آتا تو اِک ہلکی سی مسکان اس کے چہرے کو چھو جاتی مگر صرف چند لمحوں کے لئے، پھر وہی دکھ، انتظار، کرب کے سائے، اس کے پورے وجود کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی اپنے زیر سایہ کر لیتے۔

لاحاصل انتظار کا یہ باسی کون تھا، ابھی تک راز ہی ٹھہرا تھا۔

❖❖❖

"فضہ ایسے کب تک چلے گا۔ ارے ایسے تو تم اس بڈھے کے لئے اور میدان صاف کر رہی ہو۔' چاندنی بیگم نے سر پر ہاتھ مارتے جیسے اس کی عقل کو کوسا تھا۔

"واہ اماں، تو کیا میں واپس اسی پاگل خانے چلی جاؤں اور گھٹ گھٹ کر مر جاؤں۔" اس نے اماں کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"نہ رے، تو کیوں گھٹ گھٹ کر مرنے لگی، ارے تو چاندنی بیگم کی بیٹی ہے۔"

"ہاں بھی باباجان کی ایک دھاڑ پر دم دبا کر بھاگ آئی تھی۔" فضہ نے پچھلا واقعہ دہراتے ہوئے بے ساختہ ہنستے ہوئے چاندنی بیگم کو دیکھا تھا۔

"چل ہٹ۔' چاندنی بیگم کے تاثرات یکدم بدلے تھے۔

"اب بتا، ہو گی نہ تیری چھٹی ایویں ہی بھڑکیں مارے جا رہی ہے، ہونہہ۔' فضہ نے طنزیہ نگاہوں سے چاندنی بیگم کو دیکھا تھا۔

"تو چاندنی بیگم کو جانتی نہیں ہے کس شے کا نام ہے اس سرمد ملک کو تو میں ایسا تگنی کا ناچ نچواؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔' چاندنی بیگم کے لبوں پر اب کہ ایک پراسرار مسکراہٹ چمکی تھی۔

"کیا کرے گی تُو؟" فضہ نے شوقِ اشتیاق سے پوچھا۔
"بس وقت آنے پر بتاؤں گی۔' وہ ٹال گئی تھی۔
"ہونہہ۔۔" فضہ نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔
"اور ہاں اب جیسا میں بولتی جاؤں، ویسا ہی کرتی جانا۔' اور پھر وہ دنوں آگے کا لائحہ عمل طے کرنے لگی تھیں۔

✧✧✧

کچھ ادھورے خوابوں کی
بھرپائی ہمیں تھکا ڈالتی ہے
کہ وقت ایک ستم سا ہے
جو ہمیں ان دیکھی
بیڑیوں میں جکڑ دیتا ہے
اور ہمارا بلبلاتا وجود
ادھورے خوابوں کی
تلاش میں
وہیں کہیں سسک کر رہ
جاتا ہے

وہ کمرے میں آتے ہی زار و قطار روئی تھی۔ خوب اپنی قسمت پر ماتم کیا تھا۔ پوری زندگی خوف و ہراس کی ان دیکھی بیڑیوں میں جکڑی کٹی تھی۔ حق کیا ہوتا ہے یہ تو اسے سرے سے ہی نہیں پتا تھا۔ تعلیم حاصل اس نے کیسے کی وہ اور اس کا خدا ہی جانتا تھا۔ پر اب کیا، ہوگا۔ بچپن تو جیسے تیسے کٹ گیا مگر اب یہ زرخیز خواب جو چند دنوں سے اس کے ساتھ جڑ گئے تھے، ان کا کیا ہونا تھا۔ کیا وہ بھی اس کی طرح خوف و ہراس کی بیڑیوں کی نظر ہو جائیں گے؟ اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ ایسے کئی سوالات اسے پوری رات سونے نہ دیتے تھے۔ شعور کی جس سیڑھی پر وہ قدم رکھ چکی تھی وہ اسے ایسے ہارتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا اور اسی شعور نے عانیہ کو ایک نئی راہ سُجائی تھی۔ اک امید کا ٹمٹماتا ہوا دیا جیسے قمقمے پر جل اٹھا تھا اور عانیہ کو امید کا دیا ناصر ملک کی صورت جگمگاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔
مجھے ناصر چچا سے بات کرنی چاہیے وہ ضرور میری ہلپ کرے گئے،، اور اگلے ہی لمحے میں وہ ناصر کے کمرے میں موجود تھی روئی روئی آنکھیں بکھرے بال، اجڑی حالت دیکھ کر ناصر کے دل کو کچھ ہوا تھا،
عانیہ تم، کیا ہوا میری جان، کیوں رو رہی ہو کیا، ہوا،،
"ناصر چچا پلیز بابا جان کو سمجھائیں، یہ میرا آخری سمسٹر ہے مجھے پیپرز دینے دیں۔" وہ اپنی درخواست ناصر ملک کے پاس لے کر آئی تھی اور ناصر ملک اسے روتے دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے۔
"عانیہ رونا بند کرو۔" اس کے آنسوؤں نے یکدم کسی اور کی یاد دِلا دی تھی۔ اف یہ ماضی اور اس کے عذاب۔۔۔۔
"میں ضرور بابا جان سے بات کروں گا اور تم ضرور ایگزیمز دو گی۔" انہوں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔
"سچ چچا جان۔۔" اِک امید، آس تھی اس کی آنکھوں میں، ناصر ملک نظریں چُرا گئے تھے۔
کیونکہ جب جب عانیہ کو دیکھتے انہیں کسی اور کا چہرہ بڑی شدت سے یاد آ جاتا۔
"سچ چچا کی جان، اب رونا بند کرو اور جاؤ ایگزیمز کی تیاری کرو۔' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا سر تھپکا تھا۔ وہ اِک مسکراہٹ چہرے پر سجائے ممنون نگاہوں سمیت ان کے

کمرے سے نکل گئی تھی اور پیچھے وہ کسی ان دیکھے دکھ بھرے شکنجے میں جکڑ کے رہ گئے تھے۔ تلخ زندگی کے کئی باب پھر سے کھلنے کو بے تاب ہوئے تھے لیکن انہوں نے سختی سے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا کیونکہ ایک دفعہ پھر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتے تھے۔

نہیں بابا جان اس بار عانیہ نہیں قطعی نہیں، وہ گزرا عذاب میں اس کے سر پر قطعی مسلط نہیں، ہونے دوں گا، یہ میرا وعدہ ہے اپنے آپ سے،''

✧✧✧

"بے بی اس چھچھورے بندر کا پھر فون آیا تھا۔' نسیم عرف نشو اس وقت عبیرہ کے سر پر ناریل کا تیل لگا رہا تھا جب اچانک وہ یہ ذکر چھیڑ بیٹھا۔

"کس کا فون؟" وہ غنودگی سے یکدم جاگ اٹھی تھی۔

"ارباب کاظمی کا۔"

اور عبیرہ کا یہ نام سن کر حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''تم نے اس گھٹیا شخص کا فون اٹھایا کیوں؟" وہ نشو پر بھڑک اٹھی۔

"بے بی مجھے، کیا پتا تھا وہ، ہوگا، اس کمینے نے نمبر بدل کر فون کیا تھا۔'' نشو اپنی صفائی دینے لگا تھا۔

"اچھا چھوڑو، کیا کہا اس نے۔"

"وہی پرانا مطالبہ۔۔"

اور عبیرہ گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

"بے بی آپ کیوں اس معاملے کو سیریس نہیں لیتیں، اس شخص کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔"

''میں اس کی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرنے والی، جو کرنا چاہتا ہے کرلے، مگر میں ہرگز اس کا مطالبہ پورا نہیں کروں گی۔"

"بے بی آپ جانتی ہیں وہ کتنے اثر و رسوخ والا بندہ ہے۔"

"ہاں تبھی اتنے عرصے سے فقط دھمکیاں ہی دیئے جا رہا ہے۔' وہ طنزاً ہنسی تھی۔

"پھر بھی بے بی ہمیں محتاط رہنا چاہیئے۔"

''ہوں، اب اس کا کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔'' وہ سنجیدگی سے اس معاملے پر غور و فکر کرنے لگی تھی۔

✧✧✧

''مجھے پتا تھا تم ضرور وکالت کرنے آؤ گے۔' سرمد ملک نے جیسے طنزیہ نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''آخر یہ تمہارا پرانا کام ہے۔'' وہ مزید بولے تو ناصر ملک لب بھینچ کر رہ گئے۔

"بابا جان آپ عانیہ کو پیپرز دینے دیں، یہ اس کا آخری سمسٹر ہے۔' ناصر ملک نے ہمت کرتے ہوئے دوبارہ بات شروع کی تھی۔

"ہرگز نہیں، بس جتنا پڑھا لیا غنیمت سمجھے وہ۔۔"

''پلیز بابا جان ایسا اس کے ساتھ مت کریں۔'' ناصر ملک کو لگا کہ آج پھر وہ اسی جگہ آ کھڑے ہوئے ہیں جہاں پچیس برس پہلے کھڑے تھے۔

''تم ہماری بات سے اختلاف کر رہے ہو ناصر ملک۔'' انہوں نے دبنگ لہجے میں انہیں ٹوکا تھا۔

'' گستاخی معاف بابا جان۔۔'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولے۔

''میں وعدہ کرتا ہوں میں عانیہ کو خود کالج چھوڑنے اور لینے جاؤں گا۔"

"ناصر ملک کیوں پرانے زخم ادھیڑ رہے ہو،

ایسے وعدے تم پہلے بھی کر چکے ہو۔' سرمد ملک مسکرائے تھے۔

"بابا جان اس مرتبہ کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ پلیز ایک مرتبہ اور مجھ پر بھروسہ کرلیں۔' منت بھرا انداز، شکستہ لہجہ، کیا نہیں تھا ان نگاہوں میں۔۔۔

"ٹھیک ہے ایک مرتبہ پھر تمہیں آزما لیتے ہیں۔ مگر یہ ہماری بے وقوفی ہے مگر کیا یاد کرو گے جاؤ دی اجازت۔۔" سرمد ملک یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے جبکہ ناصر ملک مدھم سا مسکراتے عانیہ کو یہ خوشخبری سنانے سرمد ملک کے پیچھے نکل گئے تھے۔

✧✧✧

صبح وہ کالج جانے کے لیے نیچے آئی تو آگے لاؤنج میں ریحانہ بیگم، ذیشان، ملک کے ساتھ کسی بحث میں مصروف تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر یکدم خاموش ہوگئیں۔

"کیا ہوا، تایا ابو۔۔' اس نے کچھ تشویش سے ذیشان ملک سے پوچھا تھا۔

"ارے کچھ نہیں عانیہ بیٹا، یہ بس تمہاری، تائی امی کو سیاست کا دورہ پڑ گیا ہے بس اسی پر بحث و مباحثہ جاری ہے۔' ذیشان ملک ہلکے پھلکے ہو کر مسکرائے تھے۔

"تم کالج کے لئے لیٹ ہو رہی ہو، جاؤ ناصر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔' ریحانہ بیگم کے، لہجے، میں کچھ ایسا تھا جو عانیہ کو کھٹکا تھا لیکن وہ ذہن جھٹکتی خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی تھی۔

"ریحانہ بیگم آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے کہ موقع محل دیکھ کر بولا کریں، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔' ذیشان ملک غصے سے گویا ہوئے تھے۔

"اتنا عرصہ ہو گیا موقع محل ہی تو دیکھتی آرہی ہوں ذیشان صاحب، اب تو ان گزرے دفن ہوتے رازوں کا بوجھ تو میری سانسوں کو روکنے لگا ہے۔' وہ تلخ زدہ ہنسی ہنسیں۔

"ریحانہ سانسیں بے شک آنی بند ہوجائیں، پر ان رازوں پر ہمیشہ کی طرح پردہ ہی رہنا چاہیئے، یہ پردہ داری ہم پر فرض ہے۔' ذیشان ملک بولے۔

"جی، وہی تو کر رہی ہوں، پر انسان ہوں، کبھی کبھی شدت سے کوئی ان دیکھا سا احساس جاگ اٹھتا ہے جو کچوکے لگاتا رہتا ہے۔"

"تم طنز کرو یا کچھ اور، ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، یہ بابا جان کا حکم ہے اور ہم ان کے حکم کی سرتابی نہیں کر سکتے۔' ذیشان ملک نے سمجھانے کے انداز میں انہیں ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

وہ فقط مسکرا کر رہ گئی تھیں۔

"ارے بھائی صاحب آپ ابھی تک آفس نہیں گئے، فرحان تو کب کے چلے گئے ہیں۔' عائشہ آتے ہوئے بولیں تو ریحانہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہی ہوگئیں۔

"جی بھابھی بس جا ہی رہا تھا، دراصل مجھے آج آفس لیٹ پہنچنا تھا تو اس وجہ سے سوچا ذرا اپنی شریکِ حیات سے ہی کوئی بات چیت کرلی جائے۔' وہ مسکراتے ہوئے ریحانہ کو دیکھ کر بولے، ریحانہ نگاہیں جھکا گئی تھیں۔ عائشہ ان کی بات پر مسکرانے لگیں۔

"ہوں، نیک کام کیا آپ نے۔"

"عائشہ مجھے معیز کی سکول کی کچھ چیزیں لینے جانا ہے اگر تم نے بھی کوئی خریداری کرنی ہے تو چلی چلو۔" ریحانہ بیگم نے سرے سے ہی یہ ٹاپک بدل دیا تھا۔

"ہاں بھابھی، مجھے بھی چند چیزیں لینی ہیں۔"

''اچھا تیار ہو جاؤ، میں ڈرائیور کو کہتی ہوں گاڑی نکالے۔''
عائشہ فوراً تیار ہونے کمرے میں چلی گئیں جبکہ وہ بھی بازار جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں، ذیشان ملک ان کی باتوں کے درمیان ہی اُٹھ کر چلے گئے تھے۔
''ہاں ذیشان ملک صحیح کہا آپ نے، مجھے اس گھر میں رہنے کا کچھ تو خراج ادا کرنا ہی ہے۔''
اک کرب تھا جو ان کی آنکھوں میں نمی کی صورت جھلکا تھا جسے وہ بڑی بے دردی سے چھپا گئی تھیں۔
کیونکہ جو وعدہ سرمد ملک نے ان سے لیا تھا اس کی پاسداری ان پر اپنی جان سے بھی زیادہ لازم تھی۔

✦✦✦

دشتِ وفا کا وہی پرانا پنا
پھر سے پلٹ آیا ہے
وہی باتیں، وہی یادیں تیری
ہمیں ہر پل ستائے رکھتی ہیں
بس ہمارا ہر آن دل جلائے
رکھتی ہیں
وہی امید انتظار کے جگنو
بند مٹھی میں سمائے لگتے ہیں
پر آنکھیں کھولنے پر سہانے
خواب لگتے ہیں
تم کیا جانو میں کیا جانو
یہ ان دیکھا عشق کا رستہ
پر تم ہمراہی ساتھ ہوتے ہو
تو ان دیکھا رستہ لگتا ہے اپنا
دیکھو نا پھر سے وہی
دشتِ وفا کا وہی پرانا پنا
• پلٹ آیا ہے

بوسیدہ ڈائری پر لکھی یہ نظم انہیں ہمیشہ ہی کسی کی یاد شدت سے دلا دیتی تھی۔ وہ رنگ خوشبو سے مہکتا نفوس کبھی انہیں بہت دلعزیز ہوا کرتا تھا۔ شوخی جس کے، انگ انگ سے پھوٹتی تھی۔ جس کے لبوں سے مسکان، شبنم کے قطرے کی مانند ہمہ وقت ٹپکتی تھی۔
وہ جس کی نگاہیں لو دیتی دکھائی دیتی تھیں اور ان نگاہوں میں انہیں اپنا عکس دیکھائی دیتا تھا۔ وہ نفوس اب کہاں تھا؟ ان کی آنکھیں یکدم مسکراتے مسکراتے بھر آئیں تھیں۔۔
محبت ایک بہت مضبوط جذبہ ہوتی ہے جو دو انسانوں کے درمیان ایک پُل کا کام کرتی ہے۔ ان کے دکھ سکھ، ان کی غمی خوشی ایک دوسرے کی جانب جانے والے راستوں پر چلتی دکھائی دیتی ہے مگر ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ ان کے پُل کا ایک سرا ٹوٹ گیا تھا۔ ان کی خوشیاں غم میں اور سکھ دکھ میں بدل گئے تھے۔ وہ اکیلے ہی اس محبت کے راستے پر کھڑے رہ گئے تھے۔
وہ قسموں، وعدوں، وفاؤں کی ڈور، پل بھر میں توڑ دی گئی تھی اور اتنی جلدی توڑی گئی تھی کہ وہ اس ٹوٹی ڈور کو دیکھ بھی نہ سکے تھے۔
ان کیساتھ ایسا کھیل کس نے رچایا تھا۔
قسمت نے یا اپنوں نے
وہ آج تک اس سوال کا جواب نہ ڈھونڈ پائے تھے
جب محبت کمزور پڑ جائے تو انسان آدھا ویسے ہی ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹا ہوا انسان سوائے خاموش رہنے کے اور کچھ نہیں کر پاتا۔ اس کی ہمت ماند پڑ جاتی ہے اور محبت کے ستم نے انہیں ہی توڑ ڈالا تھا۔ کمزور کر ڈالا تھا کہ وہ مرتی محبت کا

ماتم بھی نہ، منا پائے تھے۔
محبت کی مردہ کہانی ہر روز کسی نہ کسی صورت ان کے اندر جنم لیتی تھی اور پھر وہ کتنے کتنے دن ان کرداروں کو سلجھاتے گزار دیتے تھے۔۔۔۔

✧✧✧

''عانیہ تمہاری رات والی گفتگو نے تو میرا دل دہلا دیا تھا۔ یقین کرو میرا، اگر مجھے اس بارے میں علم ہوتا تو میں ہرگز تمہیں برتھ ڈے پارٹی میں نہ لے کر جاتی۔'ردا اس کے دوبارہ کالج آنے پر خوش تھی مگر رات کو جو اس کی عانیہ کے ساتھ فون پر گفتگو ہوئی تھی اس سب کی ذمہ دار وہ اپنے آپ کو سمجھنے لگی تھی اس لئے وہ بار بار عانیہ سے معافی مانگ رہی تھی۔
''ردا پلیز اب ایسے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ مت کرو، اس سب میں تمہارا کوئی قصور نہیں، قصور شاید کسی کا بھی نہیں، لیکن کبھی کبھی ہم بناء قصور کے بھی سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ بنا غلطی کے بھی ہمیں ساری زندگی ان دیکھے گناہوں کے کفارے ادا کرنے پڑتے ہیں۔'وہ کھوئی کھوئی سی بولی تھی۔
''میں نہیں جانتی تھی تمہارے گرینڈ فادر اتنے سخت ہیں'وہ اب کے حیرت سے پوچھنے لگی۔
''چھوڑو ان سب باتوں کو، یہ بتاؤ مس مدیحہ لغاری کا کل کون سا لیکچر ہے کیونکہ آج تو وہ لیو پر ہیں۔'عانیہ نے موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا تھا۔
''بتاتی ہوں، پہلے آؤ چل کر کینٹین میں کچھ کھا لیتے ہیں، قسم سے صبح تمہاری ٹینشن کیوجہ سے صبح سے ناشتہ بھی نہیں کر پائی۔'ردا کپڑے جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ہاں احسانِ عظیم کیا ہے تم نے مجھ پر''
عانیہ نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ مسکرادی۔
''تم جانتی ہو ردا فراز احسان بھی کسی کسی پر کرتی ہے'یہ کہتے ہوئے ردا نے بڑے اسٹائل سے فرضی کالر جھاڑے تھے۔
''اب ڈرامے بازیاں بند کرو اور سیدھی چلو، مجھے آکر مس نعیمہ کے نوٹس بھی تیار کرنے ہیں۔'عانیہ نے اسے ڈپٹا تھا۔
''چلو جی چلو، ہم چلتے ہیں'' وہ اس کا ہاتھ پکڑتے آگے بڑھ گئی تھی۔

✧✧✧

'اماں تیری منصوبہ بندی اس مرتبہ ٹھنڈی کی ٹھنڈی ہی ہے، میں ناصر کو بیسیوں فون کر چکی ہوں مگر وہ میری کال ہی ریسیو نہیں کر رہے'چاندنی بیگم اس وقت باہر صحن میں بچھے تخت پر بیٹھیں پان تیار کر رہی تھیں جب فضہ دھڑام سے ان کے قریب آکر بولی تھی۔
''ارے اٹھا لے گا، کیوں اتاولی پڑ رہی ہے۔ وہ جو اس کا بڈھا کھوسٹ باپ ہے نا عزت کے معاملے میں بڑا کٹر ہے جلد ہی تجھے آکر لے جائے گا'چاندنی بیگم نے پان کی تازہ گلوری منہ میں دبالی تھی۔
''تیرے یہ دلاسے پچھلے پندرہ دن سے سن رہی ہوں'فضہ نے باقاعدہ ناک چڑھاتے جواباً کہا تھا۔
'' کچھ دن اور سن لے۔''
''ہاں سن سن کر یہاں ہی تیری دہلیز پر بوڑھی ہو جاؤں، نہ بابا نہ، میں چلی واپس'فضہ نے باقاعدہ ڈر کے مارے ہچکی لی تھی۔
''عقل کی اندھی بھینس، تو تو قسم سے کہیں سے بھی میری اولاد نہیں لگتی، کم بخت اب کچھ ایسا ویسا کیا نا قسم سے زندہ زمین میں گاڑھ دوں گی۔اس دفعہ تو یہ بازی میں نے جیتنی ہی جیتنی

ہے۔"

"ہاں جیسے بابا تیرے حکم کے غلام ہیں نا، آئی بڑی شیخ چلی کی دادی' آخری جملہ وہ دل میں ہی کہہ پائی تھی۔

"ارے غلام نہیں ہے تو بنے گا، تو بس دیکھتی جائیں کرتی کیا ہوں۔ بس آئندہ ایسی بیوقوفی کی باتیں مت کیجیو۔"

اور فضہ نا چاہتے ہوئے بھی ایک مرتبہ پھر چاندنی بیگم کی باتوں پر یقین کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

✦✦✦

مانچسٹر میں اس مرتبہ معمول سے ہٹ کر قدرے زیادہ برف باری پڑی تھی۔ پچھلا پورا ایک ہفتہ مسلسل برف باری پڑنے سے نظامِ زندگی درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بھی ایک ہفتے سے گھر میں مقیم تھی۔ سکولز، کالج، یونیورسٹیاں بند کردی گئی تھیں۔ ایک ہفتہ گھر میں رہ رہ کر وہ حد درجہ بور ہو چکی تھی۔ اب انسان بھلا کہاں تک فیس بک، سوشل ویب سے دل بہلائے، جب تک ایک انسان کسی دوسرے انسان سے بات چیت نہ کر پائے اسے چین نہیں پڑتا۔ یہ انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ ایک اکیلا انسان جلد ہی ایک پرآسائش زندگی سے بھی جلد اوب جاتا ہے کیونکہ فطرت ہے کہ انسان اکیلا رہنا پسند نہیں کرتا، اور اس نے تو زندگی کے تیئس برس اکیلے گزار دیئے تھے مگر کہاں تک، اب وہ اس تنہائی سے تھکنے لگی تھی۔ صبح کا پورا وقت یونی میں گزار کر وہ آدھی رات تک پارٹ ٹائم جاب کرتی مگر جب کچھ وقت کے لئے گھر لوٹتی تو اس کا دل جیسے بند ہونے کو آجاتا۔ اگر زندگی فقط پیسہ، آرام و آسائش کا نام تھی تو اسے نہیں چاہیئے تھی۔ وہ رشتوں کو تلاشتی تھی اور کبھی کبھی سوچتی کوئی اس سے سب کچھ لے لے، دولت، آرام و آسائش پر بس ایک مخلص رشتہ دے دے۔ مگر دل کی سب خواہشیں کہاں پوری ہوتی ہیں۔

✦✦✦

کبھی تم اظہار کر پاؤ تو کر دینا
میرے ان چھوئے جذبوں کو
امر کر دینا
اپنے دل کے سب جذبوں کو
مجھ پر عیاں کر دینا
بس فقط دو لفظ میری
حیاتِ محبت کے لئے
گنگنا دینا
میں یہ نہیں چاہتی
میری تعریفوں کے انبار لگا دینا
بس میرے دردِ دل کی دوا
کر دینا
میں چاہتوں کی تمنائی نہیں چاہتی
پر میری چاہتوں کو فرار مت ہونے دینا
اور اِک آخری پیام
مجھے اپنے آپ سے جدا مت ہونے دینا

کیا محبت کو بھولنا آسان ہوتا ہے؟ کہ محبت ہوئی اور پھر بس ختم شد۔۔۔۔ کیا ایسی محبت ہوتی ہے۔۔۔؟ نہیں محبت تو ایک بہت مخلص جذبہ ہوتی ہے، جو اپنے ہر چاہنے والے کو کبھی دھوکہ نہیں دیتی۔۔۔ یہ تو ہر مشکل میں ساتھ نبھاتی ہے۔ مگر پھر بھی کیوں لوگ محبت کو الزام دیتے ہیں کہ محبت کھوٹی، ہے۔ محبت جھوٹی ہے، یہ رنگ بدلتی ہے مگر درحقیقت انسان رنگ بدلتے ہیں، ان کے رویئے محبت کو مجرم بنا دیتے ہیں اور محبت ہمیشہ ہی ہر وار بڑے صبر سے اپنے اوپر سہہ لیتی ہے۔

ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی اور وہ ٹیرس میں

رکھی ایزی چیئر پر محوِ استراحت وہی بوسیدہ ،ڈائری اپنے سینے سے لگائے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ اب یہ ڈائری ہی تو ان کی قیمتی متاع تھی۔ ان کی گزری محبت کی واحد نشانی، باقی سب کچھ تو وہ لٹا چکے تھے، حتیٰ کہ زندگی بھی۔ بس سانس تھی جو چل رہی تھی۔ احساس تو محبت کے ساتھ ہی اسی دن مر گیا تھا۔

شرفو کھڑکیاں دروازے بند کرنے آیا تو صاحب کو ٹیرس پر ایسے بیٹھے دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"صاحب بیمار پڑ جائیں گے آپ۔' اس نے انہیں کمبل اوڑھاتے ہوئے کہا تھا اور اسے پتا تھا اب وہ چاہے جتنا مرضی بول لے، صاحب نے جواب نہیں دینا اس لئے وہ ٹھیک سے کمبل اوڑھاتے ہوئے وہاں سے پلٹ آیا تھا۔

❖❖❖

"میں ذرا لائبریری جا رہی ہوں کچھ بکس واپس کرنی ہیں' اس کے ہاتھ میں پانچ چھ بڑی بڑی کتابیں تھیں جنہیں وہ سنبھالنے میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

"یہ بانو قدسیہ کی 'حاصل گھاٹ '' تم نے پڑھ لی؟' ریحانہ نے ان میں سے ایک کتاب کی بابت پوچھا۔

"جی پڑھ لی، اچھی ہے۔ بڑی امی ڈرائیور کو بولیئے نا جلدی گاڑی نکالے، اس سے پہلے کے بابا، جان آ جائیں۔ "اسے جانے کی جلدی تھی۔

"ہوں، میں بھی چلتی ہوں، کچھ کتابیں مجھے بھی لینی ہیں۔' ریحانہ بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوئیں۔

"اچھا چلیں۔" ریحانہ کو کتابیں پڑھنے کا شروع سے ہی ازحد شوق تھا، وہ جہاں بھی بک سینٹر ہوتا ضرور جاتیں لیکن شادی کے بعد اب معمولاتِ زندگی ہی اتنے پیچیدہ ہو گئے تھے کہ کتابیں پڑھنے کا وقت ہی نہ ملتا۔ لیکن اب بھی وہ کوئی نہ کوئی کتاب جب شاپنگ کرنے جاتیں، ضرور خریدتی تھیں۔

"اور بے فکر رہو، بابا آج زمینوں کے سلسلے میں بہاولپور گئے ہوئے ہیں، شام تک ہی لوٹیں گے۔"

"تب ہی تو آج مجھے اور میری بچی کو سکون کا سانس میسر ہے' عائشہ کچن سے نکلتے ہوئے بلند آواز بولی تھیں۔

"امی پلیز آہستہ بولا کریں، نوکر سب یہیں موجود ہوتے ہیں" عانیہ کو درحقیقت ان کا ایسا بولنا برا لگتا تھا۔

"اگر ہم اچھا بھی بولیں گے تو بابا جان نے ہمیں کوئی انعام نہیں دے دینا، ان کی نظروں میں ہمارے لئے کوئی وقعت نہیں ہے۔ برا لگے گا، ہونہہ۔' عائشہ سے جھٹک کر رہ گئیں۔

"پلیز عائشہ کبھی تو موقع محل دیکھ لیا کرو" ریحانہ نے جیسے انہیں گھورا تھا کیونکہ گھر میں بابا جان کے اس وقت خاص ملازم موجود تھے جو ان کو ہر پل کی خبر سے آگاہ رکھتے تھے۔

"چلو عانیہ "انہوں نے یہ کہہ کر چادر اوڑھی اور بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

پیچھے عانیہ نے بھی ان کی تقلید کرتے ہوئے قدم بڑھا دیئے تھے۔

"ہر کوئی مجھے ہی سمجھا تا پھرتا ہے' عائشہ نے غصے سے پاؤں پٹخے تھے۔

❖❖❖

"آہا ہمارے نصیب تو آج چمک اٹھے ہیں، عبیرہ شہزاد صاحبہ ہمارے غریب خانے پر بذاتِ خود تشریف لے آئی ہیں۔' ارباب کاظمی

باہیں پھیلائے بیٹھے مرشتے تو تھا۔

"شٹ اپ، تمہاری جرات کیسے ہوئی یہ گھٹیا نوٹس بھیجنے کی' وہ چلاتے ہوئے بولی تھی۔

"ارے آپ ہمارے محبت نامے کو گھٹیا کہہ رہی ہیں" وہ حیرت کی اداکاری کرنے لگا۔

"تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ یہ نوٹس بھیج کر تم مجھے ایسے زیر کرلو گے، بھول ہے تمہاری ارباب کاظمی، عبیرہ اسی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرتی نہیں ہے، تم نے میری پراپرٹی پر Stay لے کر اچھا نہیں کیا، تم کیا سمجھتے ہو یہ بنگلہ تم چھین کر مجھے حاصل کرلو گے۔ بھول ہے تمہاری، عبیرہ شہزاد کے پاس بنگلوں کی کمی نہیں ہے۔' وہ یہ کہہ کر رکی نہیں تھی، لیگل نوٹس پرزے پرزے کرکے اس کے منہ پر مار گئی تھی۔

"اس چڑیا کا کچھ اور سوچنا پڑے گا، یہ دن بدن پر نکالتی جارہی ہے" غصے واہانت سے ارباب کاظمی کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"اس بےعزتی کا بدلہ تو میں بہت اچھے سے لوں گا عبیرہ شہزاد" وہ غصے سے بڑبڑایا تھا۔

✦✦✦
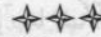
"تم اور تمہاری ماں ایسی گھٹیا حرکتیں کرکے کچھ بھی حاصل نہ کر پائے گی' ناصر ملک زہرخند لہجے میں بولے تھے۔

"ناصر آپ غلط سمجھ رہے ہیں" فضہ نے لاتعلقی کا ڈرامہ کیا۔

"یہ بہانے اس کے سامنے بنانا جو تمہیں جانتا نہ ہو۔ پتہ ہے فضہ بیگم میری زندگی کا سب سے سیاہ دن کون سا تھا۔" وہ لحظہ بھر رکا تھا۔ 'جس دن میں نے تم سے شادی کی تھی، وہ میری زندگی کی سب سے بڑی فاش غلطی تھی۔"

"ناصر آپ سنیں تو۔۔"

"تمہیں بہت جلد طلاق کے پیپرز مل جائیں گے، آئندہ یہاں فون مت کرنا" یہ کہہ کر انہوں نے فون کاٹ ڈالا تھا۔

"ارے کوئی بات نہیں، تو دیکھتی جا، بازی ابھی بھی ہمارے ہاتھ میں ہے' چاندنی بیگم نے اسپیکر پر اُن کی پوری گفتگو سن کر ایک شاطر سانس بھری تھی۔

"اماں اگر سچ مچ ناصر نے طلاق بھجوادی تو۔۔" وہ کسی خدشے کے تحت لرز اٹھی تھی۔

"تیرے منہ میں خاک کم بخت کبھی شُب شُب بھی بول لیا کر' چاندنی بیگم نے ایک زور کا دھموکا اس کی پیٹھ پر جھڑا تھا۔ وہ بلبلا کر رہ گئی تھی۔

چاندنی بیگم کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلتی،،

✦✦✦

وہ کل رات سے پریشان تھی، کیونکہ کوئی اس کا پیچھا کرتے ہوئے اس کے گھر تک آپہنچا تھا۔ وہ کل رات تانیہ کے گھر سے واپس آرہی تھی کہ کوئی اس کے پیچھے لگ گیا تھا، مگر گھر کی گلی مڑتے ہوئے وہ واپس لوٹ گیا تھا۔

"کون تھا؟ کیوں میرا پیچھا کررہا تھا؟'

ایسے کئی سوالوں نے اسے پوری رات سونے نہ دیا تھا، رات کو دو دفعہ اٹھ کر اس نے گھر کے سب کھڑکی دروازوں کو چیک کیا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔ ایسے انجان ملک میں جہاں اس کا اپنا کوئی نہ تھا، وہ کیسے ایسی مشکلات کا تن تنہا مقابلہ کرسکتی تھی۔

کیا اس کی زندگی ایسے ہی ڈر ڈر کر گزرنی تھی؟

کیا اس کی زندگی میں کوئی امید کا دیا جلانے والا کبھی نہ آئے گا؟

کیا اس زندگی میں بہار کبھی دستک نہ دے پائے گی؟

رات شدت سے ڈھونڈتی رہی تھی۔ مگر جواب لاحاصل ہی رہے تھے۔

✦✦✦

رازِ دل اب کیسے کھولیں تم پر
ہم سب جانتے ہیں کہ
تم سب جانتے ہو
وہ ہمارے دل کی کیفیت
وہ نرم احساس کی
نرم گرم سنسناہٹ
وہ امرجل گھولتے
میٹھے نغمے
وہ شوخی دلبرائیں
باتیں ہاں ہم جانتے
ہیں تم سب جانتے ہو

کئی برس بیت گئے تھے مگر احساس دل ابھی تک زندہ تھا۔ باقی تو سب امیدیں ہیچ لگتی تھیں لیکن وہ پرانی محبت کی ایک امید اب بھی باقی تھی۔

بھلا محبت اتنی آسانی سے کہاں پیچھا چھوڑتی ہے۔

'میری زندگی سے تو محبت کو کھرچ کر نکال دیا پر دل سے کبھی نہ نکال پاؤ گے۔'' فقط یہی ایک جملہ تھا جو اس نفوس کے خشک زدہ لبوں پر مسکراہٹ لے آتا تھا، تلخ مسکراہٹ۔۔۔

'میری پاکیزہ محبت کو گدھلے پانی سے دھونے والو تم آج بھی ناکام ہی ہو، اور ہمیشہ رہو گے کیونکہ محبت کو کبھی تمہارا گند غلاظت زدہ نہیں کر پائیگا۔ وہ پاکیزہ تھی اور پاکیزہ ہی رہے گی۔ نفوس اب وہیں اس کھڑکی کے پاس کھڑا اس کی سلاخوں کو گھورے جا رہا تھا، کہ اچانک اس تہہ خانے سے ملحقہ راہداری میں کوئی ہل چل

ٹک ٹک ٹک۔۔۔

قدموں کی چاپ اب واضح سنائی دینے لگی تھی۔

✦✦✦

''محبت'' احساس کا نام ہے۔ محبت کا جذبہ اس کے بنا ایسا ہے۔ جیسے ایک پیاسا سمندر کے قریب تو کھڑا ہو۔ لیکن اپنی پیاس نہ بجھا سکتا ہو۔ محبت کا جنم ہی احساس سے ہوتا ہے۔ جو محبت احساس سے خالی ہو وہ محبت ہے ہی نہیں بس، چھل ہے دھوکہ ہے فریب ہے۔ وقت گزاری کا ذریعہ ہے۔''

آج پھر انہیں پرانی محبت کی یاد شدت سے تڑپا رہی تھی۔ بوسیدہ ڈائری کا پنا ہوا کے زور سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اور ڈائری ان کی گود میں پڑی تھی۔ اور خود وہ کسی اور دنیا میں پہنچے ہوئے تھے۔ وہ اردگرد کے ماحول سے قطعی لاتعلق ہو بیٹھے تھے۔ جیسے انہیں اپنی اس موجودہ دنیا کا احساس تک نہ ہو۔ شرفو چائے لے کر ان کے کمرے میں آیا تو صاحب کو آج پھر ایسی حالت میں دیکھ کر آبدیدہ سا ہو گیا۔

'صاحب میرے بس میں ہوتا تو میں فوراً سے بیشتر آپ کے درد کا درماں بن جاتا مگر میں بے بس ہوں۔ صاحب آپ کی ایسی حالت دیکھ کر بھی میں کچھ نہیں کر سکتا''۔ وہ دل گرفتی سے سوچتا ہوا ان کے قریب آیا اور ان کے دائیں کندھے پر ہلکے سے اپنا ہاتھ رکھا۔

''صاحب چائے''۔ مگر صاحب کی محویت نہ ٹوٹی تھی۔

''صاحب'' اس نے اب کے کندھے کو ہلکا سا ہلایا تو وہ چونک کر سیدھے ہوئے۔

''شرفو تم آؤ، کوئی کام تھا''۔ انہوں نے

...پوچھا تو شرفو کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"صاحب ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو آپ نے چائے کا کہا تھا"۔

"اوہ، اچھا، ہاں چائے کا کہا تھا"۔ وہ تب دماغی حالت میں بڑبڑائے تھے۔

"یہ چائے"۔ شرفو نے اور کچھ کہے بغیر چائے کا کپ انہیں تھمایا تھا۔ جسے انہوں نے میکانکی حالت میں پکڑ لیا تھا۔

"صاحب کیوں ہر روز اپنے بھولے ہوئے ماضی کو کریدتے ہیں"۔ وہ ان کے قریب ہی نیچے زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا تھا۔

"شرفو وہ ماضی بھولا ہی کب ہے۔ وہ تو میرے حال کے ساتھ تاحیات جڑا رہے گا۔ بھلا وہ ماضی کوئی بھلانے والا تھا"۔ وہ ہلکا سا مسکرائے تھے۔ اور شرفو کو ان کی اس مسکراہٹ کے پیچھے ہلکورے لیتا درد دکھائی دے گیا تھا۔

"صاحب ماضی بھول جانے والا ہی ہوتا ہے۔ بجھی چنگاری کو پھر سے ہوا دینا اپنے ہاتھ جلانے کے مترادف ہوتا ہے۔ بھولی بسری یادوں کو اور وہ یادیں جو صرف درد کا باعث بنے ان کو بھلا دینا ہی عقل مندی ہے"۔ شرفو نے ہولے سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔

وہ جواباً خاموش رہے اور پھر ان کی خاموشی کا دورانیہ اتنا طویل ہو گیا کہ شرفو وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ تہہ جمی ٹھنڈی چائے کا کپ بھی لے جانا نہ بھولا تھا۔ بوسیدہ، پنوں والی ڈائری پھر سے اپنی داستان سنانے لگی تھی۔ اور داستان گو بھی خاموشی سے اس کی داستان کا لفظ، لفظ اپنی سماعتوں میں اتارنے لگا تھا۔

☆☆☆

اس دن والا واقعہ تقریبا، اسے بھول بھال گیا تھا۔ وہ پورے دو دن اس خوف کے باعث گھر سے نہ نکلی تھی۔ مگر پھر آہستہ، آہستہ اس کا ڈر ختم ہو گیا۔ اور اسے ختم ہونا ہی تھا۔ کیونکہ ایسے چھپ جانے سے ہر مسئلہ حل ہو جاتا تو ہر کوئی اپنے آپ کو سات پردوں میں چھپا لیتا۔ یونی سے دو دن کی چھٹی کے بعد آج وہ یونی جانے کے لیے نکلی تھی۔ تانیہ کی کال آئی تھی کہ وہ بس سٹاپ پر ہے وہ بھی وہی آجائے۔ وہ جلدی، جلدی گھر لاک کرتی فائل ترتیب دیتی باہر نکل آئی۔ اس کے گھر سے مین روڈ کا فاصلہ دس منٹ کا تھا۔ اس کے گھر کے بلکل سامنے پارک تھا۔ اور پارک کی دوسری جانب مین روڈ۔ پارک کے رستے سے مین روڈ کا رستہ پانچ منٹ کا تھا۔ وہ پارک والے رستے پر مڑ گئی۔ وہ تیز، تیز قدم اٹھاتی تقریباً بھاگنے والے انداز میں پارک کی پتھریلی، روش پر، چل رہی تھی۔ صبح کا وقت تھا۔ اس لیے پارک میں اِکا دُکا لوگ ہی موجود تھے۔ ابھی اس نے چند گزوں کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک اسے لگا کہ وہ کسی کے نظروں کے حصار میں ہے۔ اس احساس نے ایکدم اس کا دل بند کر دیا تھا۔ وہ ایکدم بغیر پیچھے دیکھے تیز تیز بھاگنے لگی تھی۔ دو دفعہ وہ گرتے گرتے بچی۔ مگر اس نے پارک سے باہر آ کر ہی سانس لیا تھا۔ تیز، تیز بھاگنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول گیا تھا وہ ہانپنے لگی۔ مگر پھر جلد ہی خود پر قابو پالیا۔ کیونکہ وہ تانیہ کو ایسی سچویشن کا کیا جواب دیتی کہ کسی ان دیکھے احساس سے وہ ڈرنے لگی ہے۔ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ ایسی باتیں بتا کر تانیہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خود کو کمپوز کر کے وہ بس اسٹاپ کی طرف چل دی۔ آگے تانیہ کھڑی تھی۔

تھی کہ مجھے آج بھی اکیلے جانا ہوگا''۔
وہ اس کے آتے ہی شروع ہوگئی تھی۔ اور ہادیہ نے شکر ادا کیا تھا کہ وہ اپنے چہرے کے تاثرات نارمل کرنے میں کامیاب رہی تھی۔
''سوری تانیہ وہ راستے میں مارگریٹ آنٹی مل گئی تھی۔ اس لیے دیری ہوگئی''۔ اس نے بات بنائی۔
''اچھا چلو آؤ۔ دیکھو بس آگئی''۔
وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے بس کی جانب چل دی۔ جبکہ ہادیہ ابھی تک اس احساس کے زیر قید تھی۔ اور اس احساس نے ایک دفعہ پھر اس کو خوفزدہ کر دیا تھا۔

✧✧✧

عانیہ نے بابا جان کی طرف سے ملنے والی اجازت پر شکر ادا کیا تھا۔ ورنہ، پچھلے دنوں تو اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ اس کا یہ لاسٹ سیمسٹر تھا۔ اور وہ چاہتی تھی کہ وہ یہ امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرے۔ کیونکہ اسے واثق یقین تھا کہ بس اس کی تعلیم حاصل کرنے کی جستجو یہی تک تھی۔ کیونکہ آگے تو اس کی زندگی کے تمام فیصلوں کی ڈوریں، بابا جان کے ہاتھ میں تھیں۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک ریحانہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔
''عانیہ۔ انہوں نے پکارا تو وہ چونکی تھی۔
''جی تائی امی آپ آیئے''۔ وہ سیدھی ہوئی۔
''پڑھ رہی تھی''۔ وہ پوچھنے لگی۔
''جی کل سیکنڈ لاسٹ پیپر ہے تو اس کی تیاری کر رہی تھی''۔
''اچھا۔ میں یہ کہنے آئی تھی کہ اگلے ہفتے ہم سب ناران جارہے ہیں۔ تو تم بھی ہمارے ساتھ جارہی ہو''۔ ریحانہ نے اسے آگاہ کیا تھا۔
''ذیشان بابا جان کے کسی کام کے سلسلے میں جارہے ہیں۔ تو بابا جان نے مجھے بھی ساتھ جانے کا کہا ہے۔ تو میں نے سوچا تمہیں بھی ساتھ لے چلوں۔ تھوڑا گھوم پھر لیں گے۔ اور ویسے بھی اب تم پیپر کے بعد فری ہوگی''۔
''بابا جان نے مجھے ساتھ جانے کی اجازت دی''؟
''ہاں دی ہے تو تبھی کہہ رہی ہوں۔ اب اتنے سوال مت کرو۔ اور اچھے سے پیپر کی تیاری کرو۔ پرسوں شاپنگ پر چلیں گے''۔
ریحانہ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں تھیں۔ جب کہ وہ دوبارہ کتاب میں گم ہوگئی۔ مگر ذہن بار، بار پھر اس سوچ کی جانب بھٹک رہا تھا۔ وہ بچپن سے سوچتی چلی آرہی تھی۔ کہ بابا جان صرف اس کے ہی معاملے میں ہی کیوں سخت رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ معیز اور نمرہ بھی تو تھے ان کے ساتھ تو بابا جان کا رویہ نارمل ہے تو پھر اس کے ساتھ کیوں؟
بابا جان ایسا برتاؤ کرتے تھے۔ ایسی سوچیں ہمیشہ کی طرح اس کے دماغ کے اندر پلتی رہیں۔ مگر، نوک زبان پر لانے کی جرات تک نہ تھی۔ وہ سر جھٹک کر دوبارہ سے کتاب پر جھک گئی۔

✧✧✧

نعیم وارثی کے گھر سے واپسی پر وہاج اسے ڈنر کی غرض سے فائیو سٹار ہوٹل لے آیا تھا۔ ہوٹل کے وسیع و عریض ہال میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہلکا ہلکا رومینٹک میوزک بج رہا تھا۔ وہاج نے ایک نسبتاً کارنر والی ٹیبل کو بک کیا تھا۔ اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے نشستوں پر براجمان تھے۔
''عبیرہ ایک بات پوچھوں''؟

ہوئے محو استفسار تھا۔
"ایک چھوڑ ہزار پوچھو"۔ وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔
"نہیں ایک ہی پوچھنی ہے"۔ وہ دھیمے سے مسکرایا۔
"اب کہہ بھی دو۔ وہاج"۔ وہ منمنائی تھی۔
"تم اس بورنگ لائف سے گھبراتی نہیں ہو"۔
"مطلب"۔ وہ ناسمجھی سے اسے تکنے گئی۔
"آئی مین فیملی کی طرح رہنا؟ تم نہیں چاہتی۔ تمھارا گھر ہو۔ شوہر ہو۔ بچے ہو۔ تم مکمل ایک گھریلو لائف گزارو"۔
وہ اصل مدعا پر آیا تھا۔
"وہاج میں اتنی لمبی مسافت طے کر آئی ہوں۔ کہ اپنی زندگی کا یہ حصہ کہیں بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔ اب چاہ کر بھی میں پیچھے نہیں مڑ سکتی"۔ یہ کہتے ہوئے اچانک اس کے لہجے میں درد چھلکا تھا۔
"عبیرہ یہ فقط تمہاری سوچ ہے ورنہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ تم پڑھی لکھی ہو۔ خوبصورت ہو۔ تمھیں کوئی بھی اپنا سکتا ہے"۔
اس نے اپنا خیال پیش کیا۔
"خوبصورت"۔ وہ اس بات پر طنزاً مسکرائی تھی۔
"وہاج۔ میری خوبصورتی کو داد دینے کے لیے ہزاروں لوگ تالیاں تو بجا سکتے ہیں پر عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ میں ایک ایکٹر ہوں اور ہمارے معاشرے کے مردوں کو ہمیشہ ایک عزت دار عورت کی چاہ رہی ہے۔ مرد چاہے خود عزت دار ہو نہ ہو لیکن بیوی اسے ہمیشہ عزت دار اور باحیا ہی چاہیے ہوتی ہے"۔
آخر میں وہ کچھ تلخ ہو گئی تھی۔

سوچ کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ تو پھر ہم زندگی کی ہر خوشی سے منہ موڑ لیتے ہیں کیونکہ اس دنیا کے لوگ کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے"۔ وہ ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔
"اس لیے تو اپنی سوچ کے مطابق زندگی جی رہی ہوں۔ نہ کوئی دنیا کا ڈر ہے نہ پرواہ"۔
وہ اب کے لاپرواہ انداز میں بولی تھی۔
"خیر تم بہتر اپنی زندگی کا فیصلہ کر سکتی ہو۔ مگر میں ایک دوست ہونے کے ناطے ہمیشہ تمھیں مخلصانہ مشورہ دوں گا اور تم ہر مشکل وقت میں مجھے ہم قدم پاؤ گی"۔
"میں جانتی ہوں"۔ وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔
"اور سناؤ اس کمینے ارباب کاظمی نے پھر کوئی لپڑا تو نہیں ڈالا"۔
"میں ایسے گھٹیا لوگوں کو منہ نہیں لگاتی۔ تم جانتے ہو۔ مجھے نوٹس بجھوایا تھا اس کمینے نے مگر میں نے بھی ایسے کھری کھری سنائی کہ یاد کرے گا کہ عبیرہ شہزاد سے پالا پڑا ہے"۔ وہ نخوت سے سر جھٹک کر بولی تھی۔
"مگر پھر بھی تم ہوشیار رہنا۔ ایسے لوگوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ کب کوئی گھٹیا چال چل دیں"۔ وہ اسے خبردار کرتے ہوئے بولا تھا۔
"عبیرہ شہزاد ایسے لوگوں سے نمٹنا اچھے سے جانتی ہے"۔ اتنے میں بیرہ آڈر لے آیا تھا۔ تو وہ دونوں اس جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

✦✦✦

"اماں تیری سب چالیں الٹی پڑ رہی ہیں۔ مجھے دو ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ مگر ناصر لینے نہیں آئے۔ اور اب تو انہوں نے طلاق کی دھمکی بھی دے ڈالی ہے۔ اگر سچ مچ اس نے طلاق دے

"اے کمبخت تیرے منہ میں خاک۔ بس ہر وقت اس دو من کے کھوپڑے میں ایسے منحوس خیالات ہی سوچا کر۔ ارے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ تیرا سسر ہے نہ عزت کے معاملے میں بڑا کٹر ہے۔ اس لیے تو ایسا تو بھول ہی جا"۔

چاندنی بیگم نے پان کی گلوری منہ میں دباتے ہوئے بڑے شاطرانہ انداز میں کہا تھا۔

"تو اور کیا سوچوں تیرے اس ڈربہ نما مکان میں"۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

"کم بخت مت بھول۔ اس ڈربہ نما مکان میں ہی تو نے اپنی اس موئی جوانی کی پچیس بہاریں دیکھی ہیں"۔

چاندنی بیگم نے اس کی کمر پر دو دھموکے جڑے تھے۔ وہ بلبلا کر رہ گئی تھی۔

"اماں عمر تو تیری اتنی ہو چکی ہے مگر ہاتھ ابھی تک کسی پہلوان کی مانند ہے"۔

اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"چل موئی ماں کی صحت دیکھ کر جلتی ہے"۔ چاندنی بیگم نے اسے گھوری ڈالی۔

"مگر ایک بات مجھے کھٹک رہی ہے کہ یہ ناصر تجھے لینے ابھی تک کیوں نہیں آیا"۔ تمام باتیں چھوڑ کر چاندنی بیگم اب سنجیدگی بھرا انداز اپنائے سوچ رہی تھی۔ کیونکہ اس دفعہ ہی ایسے ہوا تھا کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی ناصر اس کو لینے نہیں آیا تھا۔ اور حمد ملک اس بات پر اتنے خاموش کیوں تھے۔ یہ بات ہی چاندنی بیگم کو کھٹک رہی تھی۔

✧✧✧

قدموں کی چاپ نزدیک سنائی دے رہی تھی۔ اور پھر یکدم دروازے کے سامنے ماند پڑ گئی۔ اندھیرے میں ڈوبے نفوس نے اس ... جیسے یہ روزمرہ کا کوئی معمول ہو۔ وہ ساکت چپ بیٹھا رہا۔

اچانک دروازے کی کنڈی کھلی۔ اور اس کی چرچراہٹ اس ساکت سمے میں حشر برپا کر گئی تھی۔ دروازہ مکمل واہ ہو گیا تھا۔ اور باہر سے آتی مدھم روشنی ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ مگر اس ساکت چھپے نفوس کو روشن نہ کر سکی تھی۔ نفوس دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ساکت ہی رہا۔

"مت اندھیروں کو اتنا دوست بنائیں کہ روشنی ملنے پر آپ اسے دیکھ ہی نہ سکیں"۔

کھانے کی ٹرے دیوار کے ساتھ رکھی تپائی پر رکھتے ہوئے وہ شخص بولا تھا۔ مگر نفوس ہمیشہ کی طرح جامد و ساکت ہی رہا۔

"کھانا کھا لیجیے گا اور دوائی بھی یاد سے ہی لیجیے گا۔ کل بھی آپ نے دوائی نہیں کھائی۔ وہ شخص دوسری جانب سے ہمیشہ کی طرح چپ پا کر خود سے ہی گویا ہوا۔ اور پھر ایک افسردہ سی نظر ڈالے باہر نکل گیا۔ کنڈی مقفل ہونے کی آواز نے ساکت سمے میں عجیب سا ساز پیدا کر دیا تھا۔ اندھیرے میں ڈوبا نفوس اب بھی اندھیرے کی کھوج میں سرگرداں تھا۔

✧✧✧

جب تم کبھی ہم
سے ملو
تو کہنا نہیں
بس سوال کرنا
اور دعوے سے کرنا
کہ میرے بغیر
تمہاری زندگی کا
ہر اک لمحہ
کیسا گزرا
جان کنی کا وہ

عذاب کیسا تھا
جو تم نے سہا
جدائی کا وہ زہر
کیسا تھا
جو تم نے کئی برس
گھونٹ گھونٹ پیا

آسمان پر گہرے بادل چھائے تھے۔ تیز ہوا چاروں اور سرسراتی ہوئی اٹکھیلیاں کرتی گھوم رہی تھی۔ اس کے مدھم، مدھم جھونکے درختوں اور پودوں سے کھیل رہے تھے۔ وہ بھی اس موسم میں شرفو کے لاکھ سمجھانے پر ان سنی کرتے ہوئے قریبی پارک میں چہل قدمی کے لیے نکل آئے تھے۔ پارک بچوں اور بڑوں سے بھرا پڑا تھا۔ کچھ خوشگوار موسم کا تاثر تھا کہ وہ بھی اس موسم کی شوخی دیکھے کسی من چلے دیوانے کی مانند یہاں چلے آئے تھے۔ ماضی کا درد کچھ سمے کے لیے جیسے بھول گیا تھا۔

مگر کچھ اور حسین پل یادوں کے پردے پر لہراتے ہوئے امڈ آئے تھے۔ اور یہ حسین پل یاد کرتے ہوئے ہلکی نمی ان کی آنکھوں کی زمیں کو بھگونے لگی۔

”مجھے بارش کا موسم بہت لبھاتا ہے۔ مگر آپ تو بہت بورنگ ہیں۔ بڈھی روح لگتے ہیں۔ اب بھلا بارش سے بھی کوئی خار کھاتا ہے۔ یہ تو رحمت ہوتی ہے۔ جو ہم پر کسی خزانے کی مانند برستی ہے“۔ وہ روٹھی، روٹھی سی سیدھی ان کے دل میں اتر رہی تھی۔

”میں نے کب کہا مجھے بارش نہیں پسند۔ بس یار مجھے بارش کی وجہ سے، گھر میں، قید ہونا اچھا نہیں لگتا۔ تم تو جانتی ہو نہ آزاد پرندہ ہوں میں“۔ وہ ہلکے سے شرارت بھری مسکان لبوں پہ سجائے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

وہ ان کی نظروں کی بے باکی سے اب کچھ پزل سی ہو رہی تھی۔

”کیا ہوا تم گھبرا کیوں رہی ہو“۔ وہ اس کی گھبراہٹ کا حظ اٹھاتے ہوئے انجان بن کر پوچھنے لگے۔

”پلیز شاہ ویز ایسے مت کریں“۔ وہ نظروں کی تاب سے گھبرا رہی تھی۔

”ابھی خود ہی کہہ رہی تھی کہ آپ بڈھی روح ہیں۔ اب ہم جوانوں والے چونچلے کرنے لگے ہیں تو بھی آپ گھبرا رہی ہیں“۔ وہ معصوم بن کر گویا ہوئے تھے۔

”بہت بدتمیز ہیں آپ“۔ وہ ان کی چھیڑ خانیوں تنگ آ کر وہاں سے اٹھ کر ہی چلی گئی تھی۔

اچانک ایک فٹ بال ان کی ٹانگ سے ٹکرایا اور وہ ماضی کے سفر سے حال میں لوٹے۔

”انکل میرا بال“۔ ایک چھ سالہ بچہ ان کے قریب آ کر بال مانگنے لگا تھا۔

”لے جاؤ“۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔ اور پارک سے باہر نکل آئے تھے۔

”تمہارا ماضی میری آخری سانس تک میرے ساتھ ساتھ رہے گا“۔ وہ نم آنکھوں سے ہنسے تھے۔ مگر اس ہنسی میں بھی دکھ کے لامتناہی سلسلے چھپے تھے۔

✦✦✦

ذیشان ملک تو ناران آتے ہی بزنس میں مصروف ہو گئے تھے۔ جب کہ انہیں گھومنے پھرنے کا پورا چارج ملا تھا۔ وہ آزادی کے ساتھ بہت سی جگہیں گھوم سکتی تھیں۔ معیز اور نمرہ تو کافی ایکسائیٹڈ ہو رہے تھے۔ سبز پوش بلند و بالا پہاڑ اور ان کے درمیاں سے بل کھاتے پانی کے چشمے یہاں کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے

نظاروں کو دیکھ کر ششدر تھیں۔ انہیں یہاں آئے دوسرا دن تھا۔ وہ سرمد ملک کے ذاتی کاٹیج میں ہی رہائش پذیر تھے۔

ذیشان ملک تو رات کو آتے اور فجر کے وقت چلے جاتے۔ ان کا، ساتھ یہاں پر اتنا ہی تھا۔ معیز اور نمرہ ٹورسٹ بچوں کے ساتھ ''جھیل سیف الملوک'' دیکھنے کے لیے گئے تھے۔ جب کہ وہ دونوں شاپنگ کی غرض سے یہاں کے مقامی بازار میں آئی تھیں۔

''اف توبہ ہے بچوں کے ساتھ تو بندہ ٹھیک طرح سے انجوائے بھی نہیں کر سکتا۔ اب بندہ سیر، کرے یا انہیں دیکھے۔ کہ کب کوئی شرارت کرے کہ کرے''۔

ریحانہ بچوں کے چلے جانے سے کافی مطمئن ہو گئی تھیں۔

''یہ تو ٹھیک کہا آپ نے اور معیز اور نمرہ گھر میں بابا جان کی وجہ سے شریف بنے پھرتے ہیں ورنہ پورے کے پورے آفت کا پرکالا ہیں''۔ وہ بھی جواباً ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''عائشہ کا فون آیا''؟

''ہاں امی نے کیا تھا۔ آپ اس وقت کچن میں تھیں۔ خیریت معلوم کر رہی تھی۔'' وہ بولی۔

''چلو میں دوبارہ کر لوں گی''۔ باتوں باتوں میں ہی وہ ایک دوکان میں داخل ہوئیں تھیں۔

جہاں کشمیری شالوں کی کافی ورائٹی تھی۔ مری کاغان، ناران اور، کشمیر کے تقریباً سب ہی علاقے کڑھائی اور دستکاری میں مشہور ہیں۔ مگر ناران کی دستکاری ملک بھر میں اہمیت کی حامل ہے۔

''یہ دیکھو بلیک اور گرے امتزاج کی شال کیسی ہے''۔ ریحانہ نے اسے متوجہ کیا تھا۔

''خرید لوں''۔

''جی آپ پر سوٹ کرے گی''۔

''تم بھی کچھ پسند کر لو''۔

''جی میں نے بیگ پسند کیا ہے۔ کاؤنٹر پر چلتے ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

''عانیہ تم کچھ پریشان ہو''۔ وہ دونوں دکان سے باہر نکلی تو ریحانہ نے فوراً پوچھا۔

''نہیں بڑی امی''۔ وہ فوراً ٹال گئی تھی۔

''مجھ سے جھوٹ مت بولو عانیہ''۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

وہ نظریں جھکا گئی۔

''تم جب سے یہاں آئی ہو پریشان لگ رہی ہو۔ کوئی بات ہوئی ہے کیا''؟

''نہیں بڑی امی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس مجھے یہ پریشانی لاحق ہے کہ کیا بابا جان مجھے آگے پڑھنے کی اجازت دیں گے یا نہیں؟''

اس نے اپنے اندر کی پریشانی بیان کر ڈالی تھی۔

''عانیہ ابھی بھی اللہ نے ہی مدد کی ہے نہ آگے بھی وہی مدد کرے گا۔ اس لیے سب معاملات اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ بہتر سنوارنے والا ہے''۔ ریحانہ نے ہمیشہ کی طرح اسے تسلی دی تھی۔ اور وہ اب کچھ مطمئن سی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسے اپنے اللہ پہ کامل یقین تھا۔ کہ وہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔

''اب چلو۔ کمالی ریسٹورنٹ چلتے ہیں۔ سنا ہے وہاں کا، پلاؤ بہت مشہور ہے''۔ ریحانہ نے اس کا بازو کھینچا اور وہ ان کے ساتھ کھنچتے ہوئے چلی گئی تھی۔

✦✦✦

وہ شوٹ سے تھکی ہاری سیدھی بیڈ پر گری

تھی۔ جب، نشواس کے کمرے کا دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر آیا۔

''بے بی لگتا ہے آج بہت تھک گئی ہیں۔ پاؤں کا مساج کر دوں''۔

نشو نے ہمیشہ کی طرح اپنی خدمات پیش کیں۔

''نہیں۔ تم ایسے کرو ایک بلیک کافی میرے روم میں لے آؤ۔ اور مجھے تم سے کچھ بات بھی کرنی ہے''۔ وہ اب کے بیڈ پر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

''جی غلام ابھی حاضر ہوتا ہے''۔ یہ کہہ کر وہ فوراً روم سے باہر نکل گیا تھا۔

وہاج کی باتوں نے اسے تھوڑی دیر کے لیے اسٹریس کر دیا تھا۔ اور اس کی زندگی میں یہ ایک ایسا موضوع تھا جو اسے اندر سے کئی دنوں تک توڑے رکھتا تھا۔ وہ کئی کئی دن کمرہ بند کیے گوشہ نشین ہو جایا کرتی تھی۔ کچھ ماہ قبل اس کی اپنی کولیگ ثمرہ سے بھی جھگڑا ہوا تھا۔ وہ اتنی شدت اختیار کر گیا تھا کہ بات کردار تک آ پہنچی تھی۔ اور کئی، دن تک ٹی وی اور اخبار والے اسے مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرتے رہے۔

بات بے حد، معملولی تھی۔

ثمرہ اس کے سیریل کی سیکنڈ ہیروئن تھی۔ مگر وہ اس سیریل کی پروڈیوسر بھی خود تھی۔

اور وقت کی بے حد پابند عبیرہ شہزاد شوٹنگ پر کچھ لیٹ پہنچی تھی۔ کیونکہ اس کا ڈرائیور چھٹی پر تھا۔ اور خود وہ اتنی رش ڈرائیو کرتی تھی کہ کئی دفعہ موت کے منہ سے بچ کر نکلی تھی۔ اور اس دن بھی رش ڈرائیو کی وجہ سے اس کا، ٹریفک والوں سے لپڑا ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ شوٹنگ پر کچھ لیٹ پہنچی۔ اور پھر بات اتنی آگے بڑھ گئی تھی کہ اس دن شوٹنگ منسوخ کرنی پڑ گئی تھی۔

''تمہارے جیسی چیپ کے ساتھ میری جوتی بھی کام کرنا پسند نہیں کرتی''۔ عبیرہ غصے میں آگ بگولہ ہو گئی تھی۔

''تم خود کیا ہو۔ جس کا نہ گھر ہے نہ خاندان اور نہ کردار''۔ اور یہ تین لفظ اسے برچھی کی مانند لگے تھے۔

''اگر اتنی باکردار ہوتی تو آج کسی کی بیوی بنی ہوتی ہر جگہ اسکینڈل نہ چلتے تمہارے۔ آئی مجھے چیپ کہنے والی''۔

ثمرہ بکتی جھکتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اور ارد گرد کھڑے کیمرہ مین، لائن پروڈیوسر نے سمجھ لیا کہ ثمرہ اب گئی کہ تب۔ مگر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ جب عبیرہ شہزاد وہاں سے کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے وہاں سے نکل گئی۔

فیمس ڈرامہ کوئین اندر سے کتنی ٹوٹی ہوئی تھی یہ کوئی نہ جانتا تھا۔ کیمرے کی اسکرین پر کرداروں کو نبھاتی خود کتنے الجھے کرداروں میں قید تھی یہ کسی کو خبر تک نہ تھی۔ میک اپ کے اندر چھپے چہرے پر کرب کے کتنے داغ تھے یہ کوئی نہ جانتا تھا۔ کسی کو یہ ان گنت داغ دکھائی نہ دیتے تھے۔ مگر رات کے پچھلے پہر وہ اپنے کرب کے ان داغوں سے آشنا ہوتی تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑے کئی لمحے بیت جاتے مگر اس کے کرب کے یہ داغ نہ مٹتے دکھائی دیتے اور شکست خوردہ احساس اسے بکھیر کر ریزہ، ریزہ کر دیتا۔

اگر اس سمے کوئی عبیرہ شہزاد کو دیکھ لیتا۔ تو وہ دن کے اجالے میں چہکتی دنیا کو جوتی نوک پر رکھنے والی عبیرہ شہزاد کو فقط سراب سمجھتا فقط نظر کا دھوکہ۔۔۔۔۔۔۔

نشو کافی ٹیبل پر رکھ کر اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

''بے بی'' نشو نے اس کے پیر کا انگوٹھا

ہلایا۔ وہ چونکی تھی۔

٭٭٭

تم اک مدھم چنگاری کو
کبھی یہ سوچ کر مت دھتکارنا
کہ یہ بس کچھ دیر
بعد اپنی موت آپ
مرجائے گی
یا ان دیکھی، فضاؤں
کی ہلکی، پھونک سے
بجھ جائے گی
کبھی یہ غلطی، غلطی
سے بھی مت کرنا
کیونکہ بھڑکتی ہوئی
آگ کی بنیاد یہی
ہلکی سلگتی بجھتی چنگاری
ہے۔
کیونکہ یہ تاک میں
ہر وقت رہتی ہے
کہ کب کوئی وقت
اس کا ہو
اور وہ بھڑک اٹھے
اور پھر سب کچھ جلا کر
راکھ کر دے
سیاہ راکھ۔۔۔۔

سیاہ تارکول کی سڑک دور تک سنسان تھی۔ بس ارد گرد درختوں کے گرے زرد پتے ہوا کے زور پر سرسرا رہے تھے۔ اس سڑک پر کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مگر سوائے ایک شخص کے جو دور سے خراماں، خراماں چلتا آرہا تھا۔ زرد پتے اس کے کالے چرمی بوٹوں کے نیچے کچل کر عجیب سا ساز برپا کر رہے تھے۔ اس شخص نے گلے کے گرد سیاہ رنگ کا مفلر لپٹا ہوا تھا۔ جب کہ سر پر ہم رنگ پی کیپ تھی۔

پولو کی، سفید رنگ کی، ہاف بازوں والی شرٹ کے نیچے نیلے رنگ کی جینز پہنے دور سے دیکھنے والوں کو کسی امیر اور اونچے گھر کا فرد دکھائی دیتا تھا۔ مگر قریب سے دیکھنے والوں کو دور سے دیکھنے والوں کی سوچ پہ شک ہوتا۔ کیونکہ اس کی سرمئی رنگ کی آنکھوں میں کچھ ایسا تاثر ہوتا جو لوگوں کو اس سے خوفزدہ کر دیتا تھا۔ اور دور سے نظر آنے والا شاندار بت قریب آنے پر چکنا چور ہو جاتا تھا۔

اسرار کی دھند میں لپٹا وہ شخص اپنے دیکھنے والوں کے دلوں میں ان گنت کہانیاں چھوڑ جاتا تھا۔

٭٭٭

''شاید میرا وہم ہوا کیلے رہ رہ کر لگتا ہے۔ میں نفسیاتی مریضہ بنتی جا رہی ہوں''۔ آج سنڈے تھا۔ اس لیے اس کے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔ وہ کافی کا مگ لیے بالکونی میں چلی آئی۔۔ لندن کا موسم آج کل کچھ خوشگوار ہو گیا تھا۔ برف باری کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اس، لیے لندن میں چند گھنٹوں کے لیے کبھی کبھار دھوپ نکل آتی تھی۔ وہ ایزی چیئر پہ بیٹھے اس دن والے واقعے کو سوچنے لگی۔ کہ کون ہو سکتا ہے۔ جو اس اپنی نظروں کے حصار میں ہر وقت رکھتا ہے۔ مگر چند لمحوں بعد وہ خود ہی اپنے خیال کی نفی کرنے لگتی۔

''شاید یہ میرا الوژن ہے اور کچھ نہیں''۔ اس نے اپنے آپ کو مطمئن کیا تھا۔

اچانک ہی ڈور بیل بجی تھی۔

''اس وقت کون آ گیا''۔

وہ مگ وہی تپائی پر رکھ کر نیچے چلی آئی تھی۔ کی ہول سے جھانک کر دیکھا تو کوئی نظر نہیں

آیا۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو باہر کوئی نہیں تھا۔ شاید کسی بچے کی شرارت تھی۔ یہ سوچ کر وہ واپس پلٹی ہی تھی کہ اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا تھا

اس نے نیچے دیکھا تو چونک گئی۔ سرخ گلابوں کا بکے اس کے پاؤں کے نیچے پڑا تھا۔ اس نے فوراً اٹھایا تھا۔

''یہ کون رکھ گیا''۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بکے کو الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی کہ شاید بھیجنے والے نے اپنا نام پتہ لکھا ہو۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اب بکے دیکھ کر حیران تھی۔ کہ کون تھا جو ایسے بکے اس کے دروازے پر رکھ کر چلا گیا تھا ۔ یہاں تو وہ تانیہ کی فیملی کے علاوہ کسی کو جانتی تک نہ تھی۔ اور نہ یہاں سوسائٹی میں اس کی کسی کے ساتھ اتنی کلوزنس تھی کہ کوئی اسے ایسے تحفے دیتا۔ وہ تعجب میں پڑ گئی۔ کہ ایسے کون اسے بکے دے سکتا ہے۔ اگر تانیہ دیتی تو وہ گھر آ کر دیتی مگر ایسے۔۔۔۔۔۔۔

وہ پریشان سی دوبارہ بکے دیکھنے لگی کہ شاید دیکھنے والے نے اپنا نام لکھا ہو۔ اور تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے وہ نام نظر آ گیا تھا۔

''یور ڈریمر''۔ بکے کے کارنر پر ایک چھوٹی سی چٹ کے ساتھ چپکایا گیا تھا۔

''یہ کون تھا''۔ وہ حیران تھی۔ اور پھر چند لمحوں کے سوچ بچار کے بعد وہ بکے اندر لے کے چلی گئی تھی۔

چند گز کے فاصلے پر دو آنکھوں نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کا پیچھا کیا تھا۔

✧✧✧

''اماں بس بہت ہو گیا۔ میں واپس اپنے گھر جا رہی ہوں''۔ چاندنی بیگم حسب معمول تخت پر محو استراحت تھی۔ اور پاندان سے میٹھا پان نکال، نکال کر کھا رہی تھی۔ جب اندر سے ،فضہ جلتی، بھنتی اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

''نہ تجھے آج پھر کاہے کا دورہ پڑ گیا''۔ چاندنی بیگم نے ذرا بھی اس کی بات کو سیریس نہیں لیا۔

''مجھے اب اور شیخ چلی کے منصوبے کے ساتھ نہیں رہنا۔ ادھر میرا گھر ٹوٹ رہا ہے اور ادھر تو آرام سے پان ڈکار رہی ہے۔ مجھے جو مل رہا ہے، بہت ہے۔ بہت کی چاہ میں جو تھوڑا ہے مجھے وہ نہیں گنوانا۔ میں جا رہی ہوں اور خبردار مجھے اب روکنے کی کوشش کی تو''۔ وہ وارننگ دیتی واپس کمرے میں چلی گئی تھی۔

''اے کم بخت اس کے دماغ میں بھوسا بھرا ہے۔ میرے کیے کرائے پہ پانی پھیرے گی یہ لڑکی۔ خیر چاندنی بیگم کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلتی۔ اس بدذات بڈھے سے سب کچھ ایسے چھینوں گی کہ سڑک پر نہ لا چھوڑا تو چاندنی بیگم نام نہیں میرا''

چاندنی بیگم کا لہجہ اب کہ پراسرار حد تک تاثرات کی بھٹی میں جل اٹھا تھا۔

''برسوں پہلے سرمد ملک تو نے بازی کھیلی تھی ۔ تب بساط بھی، تیری، تھی اور مہرے، بھی، مگر اب یہ بازی چاندنی بیگم کھیلے گی اور تجھے مات ہو گی سرمد ملک تجھے''۔ غصے کی شدت سے چاندنی بیگم کا چہرہ ان گنت بلوں سے بھر گیا تھا۔

✧✧✧

اے میرے ہمدم
اب وہ گزری
محبت کے، قصوں
کی نگری
تیری جدائی کی
داستانیں ہر پل

سناتی ہے، مجھ کو
کہ میرے شیشہ دل
میں اک دراڑ
سی ڈھلنے لگتی ہے
ادھوری محبت کے
ادھورے قصے
شدت سے میرے
من کو ہلا دیتے ہیں
مجھے تڑپا دیتے ہیں
اے میرے ہمدم
اگر کبھی اس محبت
کا اختتام نہ لکھا
گیا ہو۔ تو لوٹ آنا
اے میرے ہمدم
تم لوٹ آنا

''برسوں گزر گئے اور وہ حسین پل کی یادیں بس ماضی میں قید ہو گئیں۔ مگر میں تو اب تک تمہارے، فسوں سے باہر نہیں نکل پایا۔ عمریں گزر گئیں مگر وہ گزرا ہوا وقت آج بھی میرے لیے اسی جگہ ٹھہر گیا ہے۔

میرے لیے تو وہ سمے بیتا ہی نہیں۔ میں تو آج بھی اسی وقت میں جیتا ہوں۔ مگر، دیکھو تم اس وقت کی قید سے، نکل کر، دور کسی پرندے کی مانند، اُڑاری، بھر، گئی اور مجھے اکیلا اس قفس میں چھوڑ گئی''۔

''اب باقی عمر کا قفس ہجر میں کیل کی مانند گڑ گیا ہے۔ اور میں چاہتے ہوئے بھی اس قفس سے رہائی لے نہیں پا رہا۔ تم ایسی سنگدل تو نہ تھی''۔

ڈائری کے پنے آج پھر گزرا ہوا ماضی دوہرا رہے تھے۔ اور وہ دیوانہ شخص اس ماضی کی قید میں جکڑا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ کہ کہیں سے آزادی کا کوئی پروانہ ملے۔

''مجھے کیوں اکیلا چھوڑ گئی رابی''؟ اک شکوہ اس دیوانے شخص کی لبوں سے سرسراہٹ کی مانند نکلا تھا۔ اور ہوا کی سرگوشی میں ہی دم توڑ کر رہ گیا تھا۔

❖❖❖

''تمہیں اب کوئی حتمی فیصلہ کر لینا چاہئے آخر کب تک ایسے زندگی گزارو گے''۔ وہ اور فرحان آپس میں بیٹھے تھے۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی ایک ٹینڈر سائن ہوا تھا۔ بزنس ڈیلنگ ختم ہونے پر ناصر، فرحان کے کیبین میں چلے آئے تھے۔

''کیا مطلب فرحان بھائی''؟

وہ ناسمجھی کے عالم میں گویا ہوا تھا۔

''میں، فضہ والے واقعے کی بات کر رہا ہوں ناصر''۔

''فرحان بھائی میں اس بات پر خود کو کوس رہا ہوں کہ کونسی منحوس گھڑی تھی جب میری آنکھوں پر محبت کی پٹی بندھی تھی اور میں، فضہ کو بیاہ کر لایا تھا۔ حالانکہ آپ سب نے مجھے منع کیا تھا اور آج میں اپنی اس من مانی کا کیا بھگت رہا ہوں''۔

وہ یکدم آبدیدہ سا گویا ہوا تھا۔ کیونکہ پچھلے کچھ دنوں سے چاندنی بیگم اپنے مطالبے کے لیے اسے طرح، طرح سے ٹارچر کر رہی تھی۔ اور وہ اس صورتِ حال کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہا تھا۔

''پریشان مت ہو تم فضہ سے بات کرو۔ وہ اصل میں چاہتی کیا ہے''۔ فرحان اپنے چھوٹے بھائی کی ایسی ٹوٹی پھوٹی حالت دیکھ کر افسردہ ہو گئے تھے۔

''بھائی جان اس کا وہی مطالبہ ہے کہ بابا جان والی آبائی حویلی اور اسٹیل مل اس کے نام کر دی جائے''۔

"واٹ؟اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟"

فرحان تو مطالبہ سن کر ہی بھڑک اٹھے تھے۔

"بس یہی کچھ چاہتی ہے وہ"۔

"تم اس سے بات کرو، اسے سمجھاؤ کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا"۔ فرحان نے اسے سمجھایا۔

"میں بہت دفعہ سمجھا چکا ہوں اس عورت کو مگر اس کا حساب وہی ڈھاک تین پات، اور اب سچ پوچھیں تو میں تھک گیا ہوں اس ڈرامے سے۔ میں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ میں اسے طلاق دے ہی دوں"۔ یہ کہتے ہوئے اس کا انداز شکستہ سا تھا۔ جیسے وہ اعصابی اور جسمانی جنگ کے بیچ پھنس گئے ہوں اور کوئی نکلنے کا راستہ نہ سوجھ رہا ہو۔

"بابا جان ایسا ہونے نہیں دیں گے"۔ فرحان نے جیسے اسے یہ باور کرایا تھا۔

"جانتا ہوں۔ اس لیے تو وہ اتنا کھل کر وار کر رہی ہے اور یہی شہ اسے مضبوط کر رہی ہے اور مجھے کمزور"۔ وہ بولے۔

"ہوں میں بابا جان سے بات کرتا ہوں۔ بلکہ تم میرے ساتھ ہی اس مسئلہ کو بیان کرنا۔ تاکہ بات کھل کر واضح ہو جائے" فرحان ملک نے جواباً اسے تسلی دی تھی۔ اور وہ محض سر ہلا کر رہ گئے تھے۔ کیونکہ یہ مسئلہ اتنا چھوٹا نہ تھا جتنا وہ سمجھ رہے تھے

✦✦✦

"بس آپا ملک کے حالات تو مت پوچھیں ہر روز اک نئی قیامت یہاں کے لوگوں پر ٹوٹتی ہے۔ لوگوں کے دلوں سے اللہ کا خوف ختم ہو گیا ہے۔ ایسے ایسے کام کرتے ہیں کہ انہیں مسلمان کہنے پر شرم آتی ہے"۔

عائشہ اس وقت لندن اپنی بڑی بہن یاسمین سے محو گفتگو تھی۔ اور بات گھریلو موضوع سے ہٹ کر ملکی حالات پر چل نکلی تھی۔

"ہاں یہاں ہر روز ٹی وی نیوز یہی کچھ دکھاتے ہیں۔ کسی نے غربت سے تنگ آ کر بیوی بچے مار ڈالے اور خود خودکشی کی، پیسوں کی خاطر باپ نے بچی کو بیچ ڈالا۔ توبہ ان لوگوں کے پتہ نہیں ضمیر کہاں جا سوئے ہیں"۔ یاسمین دکھ سے گویا ہوئیں تھیں۔

"بس آپا غربت چیز ہی ایسی ہے۔ مگر یہ ایک طرف یہاں کے تو حکمران اور اثر رسوخ والے لوگ بھی ایسے گھناؤنے کام کرتے ہیں کہ بندہ سنے تو شرم سے ڈوب مرجائے"۔

"ہاں بس اللہ ہی ایسے لوگوں کو ہدایت دے"۔

"آمین"۔

"اور سناؤ۔ عانیہ کے پیپرز ختم ہو گئے۔ آگے کیا ارادہ ہے اس کا"؟

یاسمین نے اب کے عانیہ کے بابت پوچھا۔

"آپا اب کیا بتاؤں۔ مجھے تو عانیہ کا کچھ نہیں پتہ"۔

عائشہ یکدم افسردہ سی بولی تو یاسمین چونک گئی۔

"کیا مطلب عائشہ کچھ پتہ نہیں"۔ انہوں نے نا سمجھی کے عالم میں بات دہرائی تھی۔

"آپا عانیہ کی زندگی کے سارے فیصلے بابا جان ہی کرتے ہیں۔ اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ بابا جان عانیہ کو ناپسند کرتے ہیں"۔

اور پہلے دنوں ہونے والی ساری باتیں عائشہ نے یاسمین کو کہہ سنائی تھیں اور یاسمین دکھ سے کچھ لمحے تک کچھ بول ہی نہ پائی تھی۔

"بابا جان عانیہ کو اتنا بے اعتبار سمجھتے ہیں"۔

"میری بچی کا تو جینا ہی دوبھر ہے نہ وہ اپنی مرضی سے سانس لے سکتی ہے نہ جی سکتی ہے"۔

عائشہ اب کے بھرائی آواز میں بولی تھی۔

"اچھا تم تو مت روؤ"۔ یاسمین نے چھوٹی

بہن کو تسلی دی تھی۔

"کیسے نہ روؤ آپا، میری بچی کا جینا ہی دو بھر ہے، ایک لمحہ آج دن تک، سکون کا اسے میسر نہیں آیا، پتا نہیں میری بیٹی کس کا بھگتان بھگت رہی ہے۔ پتا نہیں بابا جان اس سے اتنی سخت نفرت کیوں کرتے ہیں۔ ان کے بیٹے کی بیٹی ہے۔ ان کا اپنا خون ہے مگر انہوں نے تو ایسا بیر باندھا ہوا ہے کہ شکل کجا بات کرنے کے بھی روادار نہیں۔ آج تک میں نے انہیں عانیہ کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے نہیں دیکھا"۔ عائشہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"اچھا تم اب رونا بند کرو۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ بھانجی کی تکلیف جان کر یاسمین خود بھی آبدیدہ ہو گئی تھی

"آپ سنائیں تانیہ اور حماد کیسے ہیں"؟

"فٹ فاٹ۔ دونوں کے آج کل ایگزامز چل رہے ہیں۔ اس لیے دونوں مصروف ہیں"۔ یاسمین جواباً بولیں۔ "ہوں"۔

"اچھا عائشہ اب فون رکھتی ہوں مجھے کہیں جانا ہے۔ پھر بات ہوتی ہے"۔

"او کے آپا۔ اللہ حافظ"۔ عائشہ نے بھی جواباً کہتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔ مگر کافی دیر تک وہ عانیہ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی تھیں۔

✧✧✧

ساون کا موسم در آیا ہے
پہلی پہلی ہواؤں کے
پیغام سرگوشیوں کی
مانند ہمارے کانوں میں
سرسراتے ہیں
اکھیاں چھم چھم برستی ہیں
چین اک پل میں آتا ہے
بے قراریوں کے دیئے رات بھر
جلتے ہیں
اپنا عکس دھندلا نظر آتا ہے
در پر نہ کوئی آہٹ ہے
بس میرے اندر کا ساون
ہر سو نظر آتا ہے
اور تیرے عشق کا روگ
ہر آن مجھ کو تڑپاتا ہے

میرا گلہ نصیب سے نہیں ہے نہ مجھے اپنی چاہت کا کوئی ملال ہے۔ بس اک خلش ہے کہ اگر ہمارے نصیب میں جدائی تھی تو ہمارا ملنا کیوں طے تھا۔ نہ ہم ملتے نہ محبت میں جھگڑتی۔ مگر آہ۔ اگر وقت ساتھ دے تو لوگ دغا کر جاتے ہیں اور اگر لوگ ساتھ دے تو وقت ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ مگر میری اور تمھاری کہانی میں ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔ مگر جو ہوا بہت برا ہوا۔ تم مجھ سے دور چلے جاتے تمھارے بن میں ہنسی خوشی رہ لیتی۔

کوئی شکوہ شکایت نہ کرتی۔ مگر ہمارے درمیان یہ تو طے نہیں ہوا تھا۔ تم دنیا ہی چھوڑ جاؤ گے۔ قسمت میں تو ہمارا ملاپ لکھا تھا مگر ایک شخص نے ہماری قسمت کو اپنے ہاتھ لے لیا اور ہماری محبت کو مار دیا"۔

اس کمرے کی واحد کھڑکی میں کھڑا وہ نفوس سیاہ آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سے کرب کا سایہ تھا۔ لاحاصل محبت، تمنا، ادھورا ملن اور کئی بے درد رنگ اس کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ اور ہر روز کی طرح ساکت سکوت اس نفوس کی نوحہ گری سننے میں مگن تھا۔

✧✧✧

"محبت سب سے پہلے اعتبار کی امید ہم سے لگاتی ہے اور جب یہ امید ٹوٹ جاتی ہے تو محبت جیتے جی مرجاتی ہے"۔ وہ اس کی کسی بات پر بولی تھی۔

"اچھا تمہارا بڑا تجربہ ہے محبت کے سمجھنے میں"۔

شاہ ویز شرارت سے جواباً اس کی بات پر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"محبت بھلا سمجھنے کی چیز کہاں ہوتی ہے۔ یہ تو اپنے اسرار کی سب رمزیں حل کر کے ہمارے ہاتھ میں تھما دیتی ہیں کہ جاؤ میری نگری کے سب دروازے تم پر کھلے ہیں۔ جاؤ اور مجھے حاصل کرو"۔

وہ دھیمے دھیمے بولتی اس سے سیدھا شاہ ویز کے دل میں اتر رہی تھی۔ بار بار چہرے کو چھوتی کالی لٹیں ہوا کے دوش پہ اس کے سفید چہرے کا لمس محسوس کر رہی تھیں۔ جب کہ غزالی آنکھیں سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ اور اس حسن کی دیوی کو شاہ ویز بے خودی سے تکتا جا رہا تھا۔

وہ اچانک اس کی نگاہوں کا گرم لمس اپنے چہرے پر محسوس کرتے چونکی تھی۔ وہ بے خود سا اسے ہی تکتا جا رہا تھا۔ بارِ حیا سے اس کی پلکیں جھک گئیں تھیں۔

"رابی کیوں ایسا کر کے تم میرے دل کا چین و قرار لوٹ لیتی ہو"۔ وہ مخمور لہجے میں اس کی کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے بولا تھا۔ وہ اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔

"پلیز شاہ ویز لوگ دیکھ رہے ہیں"۔ اس نے کنفیوز ہوتے ہوئے نگاہیں اٹھائی تھیں۔

"یار ایک تو تم لڑکیاں بھی نہ۔ محبت جیسا کارنامہ تو سر انجام دے لیتی ہیں مگر اظہار محبت پر دنیا دستور کے ڈراوے دینے لگتی ہیں"۔ جھنجھلا کر بولا تھا۔

"کیونکہ لڑکیاں، لڑکوں جیسی نہیں ہوتیں اس لیے"۔ وہ دلیل سے بولی

"اب تم سے کون جیتے"۔ وہ ہار مان گیا تھا۔

اور پھر دونوں اپنی اپنی کلاسوں کی جانب چل دیئے تھے۔

(باقی اگلے ماہ)

مزاجِ عاشقی والے

انیلا طالب

خدایا رحم کن بر من
جو درد تم محسوس کرتے ہو وہ پیغامات ہیں۔
انہیں غور سے سنو۔
مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ
"تمہیں اوزان کی فکر کرنی چاہیے آخر وہ تمہارا بیٹا ہے"
فالس سیلنگ میں لگی لائٹس کمرے کی چھت پر جگمگا رہی تھیں جب خولیہ نے ماسٹر بیڈ روم میں بیٹھے راکنگ چیئر پہ جھولتے ایشم کو مخاطب کیا۔

جب سے انہوں نے بے ہوش میں اوزان کو ایلف کا نام لیتے سنا تھا تب سے وہ بہت پریشان تھیں اس کے حوالے سے، اگرچہ وہ یہ بات ایشم سے نہ کہہ پائیں تھیں مگر دبے دبے لفظوں میں وہ انہیں اوزان کی جانب متوجہ کر رہی تھیں۔
بیٹا تو تمہارا بھی ہے۔
ایشم نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔
مجھے سمجھ نہیں آتا تم مجھے کیا باور کرانا چاہتی ہو کیا میں اس کے حقوق پورے نہیں کرتا اسے پیسے

ناولٹ

نہیں دیتا یا اس کا خیال نہیں رکھتا؟
آخر تمہیں مجھ سے کس قسم کی شکایت ہے بتا دو آج۔
ایشم نے نیوی بلیو تھری پیس کے ساتھ پہلی پہنی گئی سرخ رنگ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔
"میں چاہتی ہوں تم اسے پورا پورا وقت دو تا کہ اس کا دل ہمارے ساتھ لگے اس کا دھیان ہمیں میں لگا رہے......"
خولیہ نے انہیں ایک بار پھر لیپ ٹاپ میں مصروف دیکھ کر اپنی بات پر زور دیا۔
اتنا مذہبی تو وہ کبھی نہیں تھا جتنا اب بن گیا ہے کلبز کی عمر کا لڑکا جب مسجد جانے لگ جائے تو

ضرور کھٹکا پیدا ہوتا ہے، آخر کیا چیز ہے جو اسے مسجد لے جاتی ہے؟

اس نے تو غموں میں پریشانی دور کرنے کیلئے دوسروں کو شراب پیتے دیکھا ہے پھر کیوں یہ شراب تک کو چھوتا نہیں؟؟ اسے سکون آتا ہے تو رونے میں وہ بھی اندر ہی اندر۔ خاموشی سے، دوسروں چھپا کر۔

حولیہ نے فکر مندی سے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

''مجھے تو افسوس ہو رہا ہے اس پہ کیا بنے گا اس کا؟''

''کیسے یہ دنیا کے ساتھ چل سکے گا؟''

''اگر اس کی یہ حالت ہی رہی تو پاؤں میں گھنگرو ڈال کر ناچے گا ایک دن یا میرے خیال سے کسی دن قونیہ میں مولانا روم کے مزار پہ رقصِ درویشاں میں شامل ہو جائے گا۔''

انہوں نے ایشم کو اوزان کے مستقبل کی تصویر دیکھا کر ڈرانا چاہا تھا۔

''دیکھو حولیہ میرے پاس مستقبل کے اندیشوں میں گھلنے کیلئے کوئی وقت نہیں ہے۔''

ایشم رکنگ چیئر سے اٹھ کر فور پوسٹر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئے تھے لیپ ٹاپ کو اپنی ٹانگوں پہ رکھتے نیم دراز ہوئے وہ آہستگی سے بولے یوں جیسے انہیں سمجھانا چاہ رہے ہوں۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی انقرہ سے ریجنل مینیجر کی کال آئی تھی وہاں بھی ہماری برانچ کو ترقی کیلئے بہت سے آئیڈیاز پر کام کرنے کی ضرورت ہے ادھر گلاطہ برج والے ریسٹورنٹ میں بھی ہم نئے پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں تم جانتی ہو نا۔ آس پاس سمندری غذاؤں کے کتنے ریسٹورنٹ ہیں۔ ہر وقت مقابلہ بازی کی فضا قائم رہتی ہے۔ ہر روز نت نئے مینیو بنانا، لوگوں کی پسند کا خیال رکھنا اور بجٹ کا خیال رکھنا ہوٹل مینیجر پر ہی نہیں پھینکا۔ میں نے، میں خود ذاتی طور پر بھی ان کاموں میں دلچسپی لیتا ہوں۔''

''تم بھی بیکار کی سوچوں میں مصروف رہنے کی بجائے اچھے کاموں میں مصروف رہا کرو۔ استنبول میں ہونے والی پینٹنگز کی نمائش کو اپنے وجود سے سجایا کرو۔ پہلے کی طرح فیشن شو دیکھنے جایا کرو۔'' وہ مسکرائے مگر حولیہ چاہ کر بھی مسکرا نہ سکیں۔

''مجھے اب ان چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔'' انہوں نے اپنا ٹرینچ کوٹ اتار کر سٹینڈ پہ لٹکایا۔

''مجھے لگ رہا ہے میں ڈپریشن کی مریضہ ہو گئی ہوں، تھینکس گوِنگ ڈنر پارٹی ہو یا کوئی اور گیٹ ٹو گیدر۔ میں ان سب سے اکتا گئی ہوں۔''

کانوں میں پہنے گئے بیش قیمت ایئر رنگز اتار کر وارڈ روب میں پڑے جیولری باکس میں رکھتے حولیہ شکستگی سے کہہ رہی تھیں۔

''تم ماں بیٹا سدا کے ڈپریشن کے مریض ہو۔''

طنزیہ مسکراہٹ سے ایشم نے دل میں سوچا۔ مگر کہا کچھ نہیں۔

''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں''

''کہیں آ جایا کرو۔ گھومو پھرو۔''

''دل بدل جاتا ہے۔ بندہ فریش ہو جاتا ہے۔''

ایشم نے ٹانگیں پھیلائیں اور لیپ ٹاپ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے وہ تھک گئے تھے۔

''میں بھی سوچ رہی ہوں کہ کسی فرنیچر شو روم کا چکر ہی لگا آؤں۔''

سرخ رنگ لیس اپ میکسی کے ساتھ ہائی

ہیل ڈالے حولیہ لکڑی کے فرش پر چلتے ہوئے سامنے والی دیوار پہ لگی بیش قیمت پینٹنگ کو دیکھنے لگیں۔ بالکل لاشعوری طور پہ۔ جہاں چیتے کے منہ میں دبوچی ہوئی ہرن کی تصویر ان کی اپنی بے بسی حالت کو ظاہر کر رہی تھی۔

✧✧✧

''یہی وہ لڑکا ہے جو تمہیں اوزگن سے ملوانے لے گیا تھا؟''

گھبرا کر اپنی طرف آتی ایلف کو دیکھتے استلہ نے کھا جانے والے تیوروں سے اسے گھور۔

''جی بالکل۔ مگر ہوا کیا ہے؟'' وہ ذرا بھی ان کی حالت نہ سمجھ رہی تھی۔

''لیکن مام......

کچھ بتائیے تو سہی، آخر ہوا کیا ہے؟''

وہ بضد ہوئی تو استلہ نے سختی سے کہا۔

''آئندہ تم اوزان سے کوئی بات نہیں کرو گی اور نا ہی اس سے ملو گی، جانتی نہیں تم ان کے خاندان کو۔

دور رہو، اس سے بھی اور اوزگن سے بھی۔

وہ اچھا تو ہے مگر ہے تو اوزان کا دوست ہی......''

''مام...... مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ اوزن سے اتنی نفرت کا اظہار کیوں کر رہی ہیں؟ آخر کیا بات ہے آپ اس کے خاندان کو جانتی ہیں؟ کیا وہ اچھے لوگ نہیں ہیں؟''

وہ حیرانی سے پوچھنے لگی تو استلہ نے جلدی سے بات سنبھالی۔

''دیکھو، جو لڑکا ایک نوجوان لڑکی کو بغیر کسی رشتہ کے ڈھیروں گفٹس بھیجے کیا وہ خاندانی ہوسکتا ہے؟ نہیں ناں...... کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟''

''کیا رشتہ ہے تمہارا اس احمق سے تعلق رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں میں اس چیز کو ذرا بھی اچھا نہیں سمجھتی کہ تم اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھو۔''

آئے تین جو اتنے ڈھیر سے گفٹس دیکھ کر خوش ہو رہی تھی استلہ کی بات پر افسردہ ہوگئی۔

''دیکھیں مام! اس نے میری اتنی مدد کی، میں کیسے اس سے تعلق توڑ دوں......؟''

ایلف نے سرد آہ بھری۔ ''میں تو ساری زندگی اس کا شکریہ ہی نہیں ادا کرسکتی اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اس سے رابطہ ہی نہ رکھوں حالانکہ یاد کریں آپ نے ہی مجھے کہا تھا کہ اوزان سے بات کرلو اس کی کال ڈس کنیکٹ مت کرواور اب پتا نہیں کونسا سانپ سونگھ گیا ہے آپ کو گفٹس دیکھ کر......''

اس کی باتوں میں تلخی گھل گئی تھی۔

استلہ نے کچھ دیر سوچ کر کہا:

''میں تو اور بھی اتنی باتیں کرتی ہوں وہ بھی تو مانو......؟ صرف اوزان والی بات ہی کیوں مان رہی ہو؟ اور ویسے بھی میں ہی اب کہہ رہی ہوں کہ آج کے بعد اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا تم نے۔''

ایسا غصہ ان کی دونوں بیٹیوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ''مجھے آپ نے عجیب موڑ پہ لا کھڑا کر دیا ہے مام!''

ایلف کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اور وہ اتنی سی بات پر ہی افسردہ ہوتے کمرے سے نکل گئی۔

''اس کی سالگرہ ہے آج۔ کیا آپ کو اس پہ ترس نہیں آیا؟''

''سارا دن ہمارے لئے وہ کپڑے سلائی کرتی رہتی ہے آرڈر پورا کرنے کیلئے اس کی راتوں کی نیند ادھوری رہ جاتی ہے سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ نے اس کا دل توڑ دیا۔''

ایلف کے کمرے سے نکلتے ہی آئے تن نے ماں کو غلطی کا احساس دلانا چاہا۔

''جب تم کچھ جانتی نہیں ہو تو پھر بولتی کیوں ہو درمیان میں۔'' استلہ نے اسے بھی کھری کھری سنادی تھی۔

''میں ماں ہوں کچھ غلط نہیں کروں گی تمہاری بہن ہونے سے پہلے وہ میری بیٹی ہے، مجھے تم سے زیادہ اس کا خیال ہے، جو جو بھی گفٹس بھجوائے ہیں اوزان نے۔ سب سنبھال دو۔ مجھے نظر نہ آئیں یہ۔''

اسے باتیں سنا کر ہدایت دیتے وہ بھی کمرے سے نکل گئیں تھیں۔

''اتنے پیارے گفٹس...... پتا نہیں مام کو کیوں نہیں پسند آئے۔'' آئے تن نے سیمو اسٹک سے بنی ٹوکریاں دیکھتے ناسمجھی سے سوچا تھا۔

''مام کو بھی اب ہی موڈ خراب کرنا تھا آپا کا۔'' آئے تن نے صندوق ڈریسنگ ٹیبل پر ٹکا دیا اور ٹوکریاں بھی۔

''اتنی خوشی تھی آپا صبح سے، برباد کر دیا ہے سب مام نے۔''

اسے افسوس ہوا۔ سارا کمرہ سرخ غباروں اور سرخ پھولوں سے بھرا ہوا تھا مگر خوشیاں کہاں تھیں؟

ترکی کی سرخی مائل مٹی میں

یا پھر

نیلے آسمان کے ایک چھت تلے زمین پر بستے لوگوں کیلئے کم از کم اس گھر میں تو خوشیاں نہیں تھیں۔

❖❖❖

گرم گرم پنیر...... گلا ہوا ذائقے دار گوشت، شملہ مرچ زیتون اور تازہ پارسلے سے سجا پیزا کھاتے ہوئے اوزگن نے پوچھا۔

''یار آیا نہیں کوئی SMS یا کوئی رسپانس۔ ایلف کی جانب سے؟''

فورس سے Kasarli Pide (ترکی پیزا) کھاتے اس کی نظریں اوزان پر جمی ہوئی تھیں۔ جو فلیس جیکٹ پر مفلر لپیٹ کے بیٹھا بلا کا حسین لگ رہا تھا۔

''نہیں آیا۔ مگر مجھے لگ رہا ہے کہ جلد آجائے گا۔''

''تمہیں اتنا یقین کیسے ہے......؟''

وہ اس کے اعتماد پر حیران ہوا تھا۔

''میرا دل کہہ رہا ہے وہ کرے گی رابطہ۔''

اوزان کا اعتماد ہنوز قائم تھا۔

''دل......'' اوزگن نے طنزیہ لہجے میں کا۔

''دل اگر سچ بولنے لگ جائے تو دنیا کے تمام لوگ دل سے ہی پوچھنے لگ جائیں۔ دل ہمیشہ سچ نہیں بولتا اوزان!''

وہ جیسے اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔

''اہل دل کی باتیں اہل دل کو ہی سمجھ آتی ہیں اوزگن'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''دل کی باتیں ان لوگوں کو ہی سمجھ آتی ہیں جو صاف دل ہوں اور جن کے دل کے دروازے کھلے ہوں۔ جہاں کا دروازہ ہی بند ہو اس گھر میں بھی بھلا کبھی کوئی آیا ہے؟''

''اچھا بس بس!'' اوزگن نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ ''اپنا فلسفہ مجھ پہ مت جھاڑو۔''

اتنا کہتے ہی اس نے کولڈ ڈرنک کا کین ہونٹوں سے لگایا اور غٹا غٹ پی گیا۔

''اتنی سردی میں پتا نہیں کیسے کولڈ ڈرنک پی لیتے ہو تم''

اوزان کہے بغیر نہ رہ سکا۔

''کیوں! سردی میں کولڈ ڈرنک پینے پر پابندی ہے؟''

اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''نہیں تو''

اوزان بات بدل گیا، اچھا چلو یہ بتاؤ رزلٹ کب آرہا ہے ہمارا؟''

''آجائے گا جب آنا ہوا''

اوزگن صوفے سے اٹھ کر بیڈ پر آگیا کپکپاتے وجود کو کمفرٹر سے ڈھک کر وہ بے نیازی سے بولا۔

''کلیئر کر جائیں گے انشاءاللہ۔''

''ویسے مجھے تو لگ رہا ہے تم فیل ہو جاؤ گے کیونکہ تم ان دنوں عجیب وغریب چکروں میں پڑے ہوئے تھے آگے جو اللہ کو منظور ہوگا۔ ہوگا تو وہی۔''

اس نے ریموٹ اٹھا کر LCD آن کیا۔

''میں اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہوں یاد کرو یونیورسٹی کا سب سے ہونہار سٹوڈنٹ رہا ہوں میں۔ میرے شوریک پر پڑے تین سوا ایوارڈ اور سرٹیفکیٹ اس بات کے گواہ ہیں۔''

اوزان نے اسے یاد دلایا۔

''میں کب تمہاری صلاحیتوں کا انکاری ہوں، میرا مطلب تو یہ ہے کہ پیپرز کے دنوں میں تم اپ سیٹ تھے۔ پیپرز کا کیا حال کیا ہوگا تم نے؟''

وہ مسکرا کر پوچھنے لگا۔

''سچ بتاؤ کہیں تعشق کی خصوصیات تو نہیں لکھ آئے اس پہ ویسے اگر تم نے لکھے ہوتے نا یہ آدابِ عشق تو آئی سویئر تم ضرور دوسروں کا علم بڑھانے کا ذریعہ بنتے۔''

آخر میں اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''یار آہستہ۔''

اوزان نے ڈر کر ہاتھ جوڑے۔

''کہیں چھت نہ گرا دینا مجھ پہ، اکلوتی اولاد ہوں میں اپنے ماں باپ کی۔''

''تُو تو ایسے کہہ رہا ہے جیسے میں کوئی لاوارث ہوں۔''

اوزگن نے زور سے کشن پھینکا تو اوزان کشن کو ہاتھوں میں کیچ کرتے بولا:

''میں بھی تمہارا ہی دوست ہوں، سب جانتا ہوں۔''

دونوں ہنستے مسکراتے بیڈ پر چھلانگیں لگاتے رگ پر سے پھسلتے چھت سے لٹکتے ہاتھوں سے بنے Mosaic لیمپوں کو چھیڑتے زندگی سے بھرپور قہقہے لگا رہے تھے۔

''کون جانتا تھا کہ اوزان کیلئے لوحِ محفوظ پہ آگے کیا لکھا جا چکا ہے۔''

''اور کوئی نہیں تو اوزان......''

''اگر جانتا ہوتا''

''تو کھیلنے کودنے کی بجائے مسجد کے نیم تاریک گوشے میں سجدے کرتے اپنی زندگی کی سلامتی مانگ رہا ہوتا۔''

✦✦✦

ایلف کی سالگرہ گزر چکی تھی بلکہ اب تو دو دن اوپر گزر چکے تھے وہ اپنے سنگل بیڈ پر لیٹی اوزان کو اتنا یاد کر رہی تھی کہ دل کرتا تھا ابھی اسے ٹیکسٹ کر دے، ابھی اس سے مل آئے اور بتا دے اسے کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

مگر اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ زندگی اتنی روکھی پھیکی ہو چکی تھی کہ اسے جینا مشکل لگ رہا تھا۔

معروف شخصیات کے اقوال پڑھ پڑھ کر خود میں امنگ پیدا کرنے والی ایلف بے بسی کی تصویر بن کر رہ گئی تھی۔

''آیاد کرو ایلیف''

''تم کتنا بُرا سمجھتی تھی بے بس لوگوں کو، تمہیں لگتا تھا کہ لوگ جان بوجھ کر اپنے آپ پر مسائل کا خول چڑھا لیتے ہیں اب پتا چلا تم بھی ان میں سے ایک ہو۔''

''مرجھائی ہوئی، بھی اور اداس''

ڈریسنگ ٹیبل پر سامنے لگے قد آدم آئینے میں اسے اپنی شکل چیخیں مار کر کہتی سنائی دے رہی تھی کہ دوسروں کو حوصلہ دینے والی پہلے اپنا حال تو دیکھو۔

اسے رونے والے لوگ اچھے نہیں لگتے تھے پھر بھی وہ روتی تھی۔ بازاروں کے چکر (بوتیک کی خاطر)

آئے تن سے گپ شپ
نت نئی کتابوں کی ریڈنگ
باربی موویز اور فیری ٹیلز
بوتیک کی سوچ
نت نئے کپڑوں کی کٹنگ اور سٹچنگ
ہوم ڈیکور آئیڈیاز
کوکنگ
باغبانی

اسے ہر چیز بے معنی لگتی تھی۔ کچن میں جا کر نتے نئے کیک بیک کرنا۔ ببل چیئر پہ بیٹھ کر ترکی کے مشہور فیشن میگزین کا مطالعہ کرنا اسے تو گویا سب کچھ بھول چکا تھا۔

استلہ کہتی تھیں کہ تم بہت چٹخوری ہو زبان کا ذائقہ تمہارے لئے سب سے بڑھ کے ہے اور اب اس کی دلچسپی ہر چیز سے جیسے ختم ہو گئی تھی۔

Tombic سے لے کر Sutlac تک
اسے کوئی بھی چیز کھانے میں اچھی نہیں لگتی تھی۔

سٹریٹ فوڈ جو ہمیشہ سے اس کی دلچسپی کا محور رہے تھے اب اس کا دل ان سے بھی اچاٹ ہو گیا تھا۔

آئے تن یاد کراتی
''آپا!
کتنے دن ہو گئے ہیں KoKore C نہیں کھایا۔
''Durum'' کھانے چلیں
اِسکندر کباب کا جی چار رہا ہے
یوگا سا کھائیں''

ان سب جملوں کے سننے کے بعد اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔

''آئے تن! میرا دل نہیں چاہ رہا۔''
وہ جھنجھلا اٹھتی
''آپا! آپ کا دل آجکل کس طرح کا ہوتا جا رہا ہے؟''

استلہ سرزنش کرتیں۔

''ایلف! پیپلم کی اگلی سائیڈ پیچھے جوڑ دی ہے تم نے یہ بسلٹ دائیں کندھے پہ ڈالنے تھے۔''

''اور یہ لیونڈر کلر کا گاؤن اسے تم نے سائز سے بڑا بنا دیا ہے''

آئے دن ان کی شکایات کی ایک لمبی فہرست جاری ہوتی تھی ایلف سر جھکا دیتی۔

اسے اپنا آپ قصور وار لگتا مگر وہ خود کو بے بس محسوس کرتی تھی۔

ایک ایسی پتنگ کی طرح جسے اڑانے والا چاہے زمین پہ گھسیٹے یا آسمان پر اُڑائے اس کا کام بس دوسروں پر اپنا آپ چھوڑ دینا ہے۔ چاہے تو وہ اسے بنا دیں اور نہ چاہیں تو بے نشان زدہ ہی رہنے دیں۔

''آپا...... مام بلا رہی ہیں آکر ناشتہ کر لو۔''
آئے تن سنہری بالوں کی چٹیا بنائے

دروازے میں کھڑی اسے پیغام دے رہی تھی۔

اس کا دل چاہا کہ کہہ دے کہ بھوک نہیں ہے مگر پھر اس خیال سے کہ استلہ کو تشویش نہ ہو وہ بے دلی سے اٹھتے ہوئے بولی:

''جاؤ تم بیٹھو، میں آتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' آئے تن مطمئن ہوگئی اور جاتے جاتے کہہ گئی۔ ''آپا! جلد آنا''

کچھ ہی دیر بعد ایلف ڈرائننگ ٹیبل پر موجود تھی''

اس نے استلہ کو صبح کا سلام کیا اور پھر خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھی رہی۔

''یہ تم نے کیا کام پکڑا ہوا ہے ایلف؟'' استلہ نے اسے خاموشی سے ناشتہ کرتے دیکھ کر اندر کی بھڑاس نکالی۔

''نہ سیدھے منہ بات کرتی ہو نہ بوتیک کو وقت دے رہی ہو۔ سارا دن کمرے میں بند پڑی رہتی ہو۔ صرف اس لئے کہ اوزان سے تعلق رکھنے سے منع کر دیا ہے میں نے؟''

''ماں سے مقابلے بازی کرو گی اب تم ...... جس نے تمہیں پالا پوسا، جوان کیا اس سے ناراض ہوا کرو گی اب تم ایلف؟''

ان کا غصہ آندھی کی طرح تیز تھا۔ ''دیکھیں مام! میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ رہی بات کم بولنے اور کمرے میں بند ہونے والی بات تو میرا دل ہی نہیں لگتا کسی کام میں۔'' ایلف نے گود میں بچھے نیپکن کی سلوٹیں سیدھی کیں۔

''اس لئے پلیز مجھے معاف کر دیں کیونکہ اس معاملے میں، میں بالکل بے بس ہوں'' میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے اس کیلئے معذرت خواہ ہوں''

اس نے لہجے کو حتیٰ الامکان نارمل رکھتے جواب دیا تھا۔ سرخ ہوئی آنکھیں اور متورم چہرہ الجھے بالوں سمیت استلہ کی نظروں کے سامنے تھا وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''باپ کے مرنے کے بعد خوب سکون دے رہی ہو ماں کو، اب تم ایسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر منہ پھلا کر بیٹھا کرو گی تو میں سکون میں تو نہیں رہوں گی۔''

بریڈ کے ساتھ اجوکہ (چٹنی) لگا کر کھاتی آئے تن پہ ایک نظر ڈال کے وہ دوبارہ ایلف کی طرف دیکھنے لگیں۔ جس نے سمٹ کے ساتھ کافی کے دو گھونٹ پینے کے علاوہ اور کسی چیز کو چھوا تک نہیں تھا۔

بریڈ باسکٹ بھری ہوئی تھی مینا مین (ترکی آملیٹ) جوں کا توں رکھا تھا۔ تازہ پھلوں کی ٹوکری کے ساتھ پڑے مفنز کو مجال ہے اس نے ہاتھ بھی لگایا ہو۔

ہاں آئے تن بھرپور ناشتہ کر رہی تھی کبھی تازہ زیتون کھاتی کبھی بن کے ساتھ میولیس (شیرہ گڑ کا) لگا کر لطف اندوز ہوتی۔

''مام! یہ بات میرے لئے چھوٹی نہیں ہے'' ایلف نے بمشکل سمٹ کا ایک حصہ نگلا تھا۔

''آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔ میرا اوزان کے ساتھ کوئی غلط تعلق نہیں۔ میں صرف اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، آپ ہی بتائیں اگر کوئی اور بھی یہ گفٹس بھجواتا تو کیا میں اس کا شکریہ ادا نہ کرتی یا اگر کوئی اور اتنے سے زیادہ کارڈز پر معافی نامہ لکھ کر بھجواتا تو میں اسے معاف نہ کرتی؟''

اس نے پوچھا تو استلہ خاموش رہیں وہ لاجواب ہوگئیں تھیں۔

''اخلاقیات بھی ہوتی ہیں مام کچھ زندگی میں۔'' کافی کا آخری گھونٹ بھرتے وہ تلخی سے گویا ہوئی تو استلہ نے جلدی سے موضوع بدلا۔

''آئے تن! بیٹی لانڈری روم میں واشنگ مشین چلا لینا آج کپڑوں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے لانڈری باسکٹ میں''

''میں تو صبح سے کام کر کر کے تھک گئی ہوں کافی میکر سے کافی تیار کی۔ ایپرن باندھ کر جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا اتنی چاہت سے میں نے مفنز بنائے تھے مگر......''

انہوں نے ایلف کو بات لگاتے الفاظ ادھورے ہی چھوڑ دیئے۔ ایلف نے ہاتھ بڑھا کر دو تین مفنز کھائے اور پھر کرسی سے اٹھ گئی۔

''میں اوزان کو ٹیکسٹ کر دوں گی اب چاہے کچھ بھی ہو جائے''

''مام تو ایسے بھی مجھ سے ناراض ہیں اور اس کے SMS کر کے بھی وہ یونہی ناراض رہیں گی پھر کیوں ان کیلئے میں اوزان سے تعلق توڑ دوں''

دل ہی دل میں سوچتے وہ ڈائننگ ہال سے نکل گئی تھی۔

''سارا گھر گندا پڑا ہوا ہے۔''

تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہوں جو سارا بکھیڑا سمیٹوں''

استلہ نے میز سے برتن سمیٹتے ایلف کو سنایا۔

''ویکیوم کلینر سے قالین صاف کرو'

سارے گھر میں بروم لگا کر MOP پھیرو اور پھر بالکون میں پڑے گملوں کو پانی دو۔ تمہیں میں نے ہی بگاڑا ہے اور اب میں ہی ٹھیک کروں گی''

انہوں نے جل کر اس کے ذمے کام لگائے اپنا غصہ نکالنے کا یہ بہترین طریقہ تھا ان کے پاس۔

''اور ہاں آپا''

بیسمنٹ کی صفائی کر کے ٹریش کین میں کوڑا ڈال دینا۔ ویسک بروم اور ڈسٹ پین بال وے میں پڑا ہوا ہے۔

آئے تن بھی ناشتہ ختم کرتے اٹھ گئی تھی اور ایلف کو ستانے کیلئے کام بتا دیئے تھے۔

ایلف نے خاموشی سے کام کر دیئے۔ ٹریش کین کا سارا کوڑا آئے تن کے کمرے کے دروازے کے پاس الٹ دیا۔ وہ جانتی تھی سب سے مشکل ترین کام آئے تن کیلئے ایک ہی ہے اور وہ ہے کوڑا اٹھانا۔

تمہیں کیا پتا ہو ایلف کو مجھے اوزان کے ساتھ تمہارے تعلق رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر وہ ایشم کے گھر پیدا نہ ہوا ہوتا تو

❖❖❖

ایلف کا ٹیکسٹ دس بج کے ترپن منٹ پر اس نے پڑھا تھا تب وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا اور اب تو ساری نیند ہی بھک سے اڑ گئی تھی۔

وہ بار بار اس کے ٹیکسٹ کے الفاظ دہراتا رہا سیل فون کی سکرین پر جگمگاتا ایلف کا نام تو اس نے بار بار چوما تھا اب وہ اس کے لکھے لفظ دیکھ رہا تھا اس ٹیکسٹ کے دو منٹ پینتالیس سیکنڈ کے بعد وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ آنکھیں بند کئے۔ سیل فون کی سکرین پر انگلی پھیرتے ایلف کے لکھے الفاظ من وعن دہرا سکے۔

اوزان نے ٹی وی کیبنٹ میں سیٹ ہوئے ایل سی ڈی سکرین پہ چلتے ایک ترکی چینل کو میوٹ لگایا ہوا تھا اب اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے آف کر دیا۔

وہ جب ایلف کے بارے میں سوچتا تھا تو اس کا دل ایسی تنہائی مانگتا تھا کہ اسے اپنی دائیں کلائی پہ بندھی سیاہ چوڑی پٹی والی رسٹ واچ کی ٹِک ٹِک بھی ہتھوڑے کی طرح لگتی۔

وہ اٹھا...... ایلف کے ٹیکسٹ کا جواب دینے کیلئے سخت سردی میں بھی اس نے اپنے

کمرے کی قد آدم کھڑکیاں کھول دیں اور
پردے ہٹادیئے۔
وہ یکسوئی سے اسے جواب دینا چاہتا تھا۔
اس نے جیسے ہی کھڑکی سے باہر جھانکا بادلوں کی اوٹ میں گھرا چودھویں کا چاند اسے نظر آیا۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا اور سیدھا اوزان کے اندر تک گھس گیا۔ مگر اسے تیز ہوا کی پرواہ ہی کب تھی۔
چاند کو دیکھتے ہوئے اس نے کوئی بائیسویں مرتبہ ایلف کو جواب دینے کیلئے الفاظ ترتیب دیے اور پھر ریجیکٹ کر دیئے تھے۔
''آپ کے ٹیکس نے مجھے بے پناہ مسرت سے ہم کنار کیا، خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا جرم معاف کر دیا۔ امید ہے آپ کا دل پوری طرح صاف ہو چکا ہوگا میرے دل کی آواز اب آپ کے دل تک بہت جلد پہنچ جایا کرے گی۔
سمجھ نہیں آ رہا وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو سیدھے آپ کے سینے میں پیوست ہو جائیں۔
میں مولانا رومی نہیں ہوں جو عشق میں غزلیں لکھ دوں میں بس اوزان ہوں''
اس کی آنکھوں نے آنسو اندر دھکیلنے کی کوشش میں مرچیں سی لگادی تھیں آنکھوں میں۔
''اوزان......
ایک خطا کار
گنہگار
اور بس ایک عام سا انسان''
ایک آہ بھرتے اس نے یہ لمبا سا ٹیکسٹ ایلف کو سینڈ کر دیا تھا۔
کوئی اس سے پوچھتا
انتظار کیا چیز ہوتی ہے
یہ تڑپ۔ یہ جدائی
ساتوں زمینوں پہ بھاری ہوتی ہے۔

اور اوزان ...
بھوری آنکھوں والا اوزان اتنا بھاری بوجھ کیسے اٹھا سکتا تھا۔ باہر بارش برسنے لگی تھی اور اندر اس کی آنکھیں۔
یہ آنسو بھی نا پتا نہیں کیسے اتنی جلدی آجاتے ہیں۔
کھلی کھڑکی سے بارش کی پھوار ہوا کے ساتھ آئی تو اس نے آنسو صاف کر لئے۔
یادوں کی برات میں اتنی شدت تھی کہ وہ بارہ بجے لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔ محبوبہ سے ملنے کی خواہش انگڑائی لے کر جاگ رہی تھی اس نے کی پیڈ پہ تیزی سے انگلیاں چلائیں۔
مولانا رومی غزل ود انگلش سب ٹائٹل
اس نے ٹائپ کر دیا تو کئی ویڈیوز آئیں تھیں، اوزان نے پرشین زبان میں گائی گئی پاکستان کے مشہور قوال نصرت فتح علی خاں کی آواز میں مولانا رومیؒ کی غزل لگالی تھی۔ سکرین پر غزل شروع ہوئی اور ادھر اس کے وجود میں جنبش اضطراب......محبت......عشق بڑھا۔
نہ من بیہودہ گرد کوچہ و بازاری گردم
مزاق عاشقی دارم، پئے دیداری گردم
صرف آواز ہی نہیں الفاظوں کی ایسی بنت کاری تھی کہ اوزان تڑپ تڑپ جارہا تھا۔
میں کوچہ و بازار میں یونہی آوارہ اور بے وجہ نہیں گھومتا۔ بلکہ میں عاشقی کا ذوق وشوق رکھتا ہوں اور یہ سب کچھ محبوب کے دیدار کے واسطے ہے۔
خدایا رحم کن بر من، پریشاں واری گردم
خطا کارم گنہگارم، بہ حال زاری گردم
انگلش سب ٹائٹل پہ اس کا ترجمہ دہراتے اوزان کو جھٹکا لگا کہ مولانا رومی کے الفاظ یوں سارا حال دل کھول رہے تھے جیسے انہوں نے یہ

غزل اس کے لئے لکھی ہو۔

اے خدا مجھ پہ رحم کر کہ میں پریشان حال پھرتا ہوں، خطا کار ہوں، گنہگار ہوں، اور اپنے اس حال زار کی وجہ سے ہی گردش میں ہوں۔

شراب شوق میں نوشم، بہ گرد یارمی گردم
سخن مستانہ می گویم، ولے ہوشیارمی گردم

میں شراب شوق پیتا ہوں اور دوست کے گرد گھومتا ہوں،

میں اگرچہ شراب شوق کیوجہ سے مستانہ وار کلام کرتا ہوں

لیکن یہ ہوش ہے کہ کس کے گرد گھوم رہا ہوں

اوزان ایسے مست ہو رہا تھا جیسے اس نے شراب شوق کے مٹکے چڑھا لئے ہوں۔

گہے گہے خندم، گہے گریم، گہے افتم گہے خیزم

مسیحا در دلم پیدا و من بیمارمی گردم

کبھی ہنستا ہوں اور کبھی روتا ہوں، کبھی گرتا ہوں اور کبھی اٹھ کھڑا ہوتا ہوں میرے دل میں مسیحا پیدا ہو گیا ہے اور میں بیمار اس کے گرد گھومتا ہوں۔

بیا جاناں عنایت کن تو مولائے رومی را
غلام شمس تبریزم، قلندروارمی گردم

الفاظ دہرائے جارہے تھے اور اوزان کا سینہ پھٹا جا رہا تھا دل خون کے آنسو رو رہا تھا مگر خون تھا کہ نظر ہی نہیں آ رہا تھا

اے جاناں آجا......

اوزان کو لگا شاید وہ آ گئی ہو مچل کر دیکھا تو کمرہ خالی تھا اور مجھ رومیؒ پر عنایت کر

خالی کمرے کو دیکھتے اس نے التجا کی کہ شاید وہ اب ہی آ جائے برستی بارش میں۔ استنبول کی بھیگی سڑکوں پر دوڑتی۔ اس کھلی کھڑکی سے اندر کود جائے جو اوزان نے اس کے انتظار میں کھول رکھی تھی۔

غلام شمس تبریز ہوں اور دیدار کے واسطے قلندروار گھوم رہا ہوں، اوزان نے آخری جملہ بار بار سنا۔

وہ نہیں آئی......

یہ اٹھا...... چیسٹ آف ڈرائرز سے ایلف کا ٹشو پیپر نکالا اور اپنے آنسو صاف کرنے لگا۔

وہی غزل اس نے دوبارہ لگا دی تھی۔

مولانا رومی کی غزل تھی۔ ایلف کی یاد تھی......اور بس عشق کا مارا اوزان تھا......

جو ٹشو پیپر سونگھ رہا تھا اسے اس میں سے ایلف کی خوشبو آتی تھی۔ وہی خوشبو جو اسے خواب میں اس کی گردن سے اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔

✧✧✧

''آئے تن میری پیاری گڑیا...... میری ایک بات مانو گی......؟''

ایلف نے جب سے اوزان کا ٹیکسٹ دیکھا تھا وہ بے قرار سی پھر رہی تھی۔ اسی لئے اب آئے تن کو مکھن لگا رہی تھی کہ وہ مانے تو اس کا کام ہے۔

''نہیں آپا! مجھے تو معاف ہی رکھئے'' آئے تن نے ٹیڈی بیئر کو گود میں بھرتے جواب آپا کو ایسا دیا کہ کچھ دیر تک تو چپ ہی رہی پھر بڑی نرمی سے بولی۔

''دیکھو...... میں تمہاری آپا ہوں میری بات مان جاؤ پلیز۔''

وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ کر اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرنے لگی۔

''کل میرے کمرے میں اس آپا نے ٹریش کین کا سارا کوڑا الٹ دیا تھا تب میں کوئی بہن

ہیں نا؟"
تصویروں کے البم میں اپنی مصروفیت ظاہر کرتے آئے تن ابھی تک اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔
"کل تم نے بھی تو مجھے مام سے مل کر ستایا تھا ناں......" اس پر وہ لاجواب ہوگئی۔
"چھوڑو ان باتوں، آپس میں چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں، تم میری بات مانو گی تو پتا ہے تمہیں کیا دوں گی؟"
ایلف نے سوچ کر بتایا: "ہاں میں تمہیں......"
"مجھے بکلاوہ مت لے دینا آپا!"
اس کی بات کاٹ کر وہ درمیان میں بولی تو ایلف نے جلدی سے کہا۔
"میں تمہیں اوزان کی بھیجی گئی وہ باسکٹ دے دوں گی بھری ہوئی سچ......"
وہ تو جیسے ہی پاگل ہی ہوگئی تھی۔ ایلف نے اسے ساتھ لگاتے کہا۔ "بالکل سچ، بس تمہیں میرے ساتھ گلاطہ برج جانا ہوگا۔"
"خیریت......؟"
اس نے آنکھیں حیرت سے پھیلائیں، ایلف تو آگے خود ہی ہر جگہ چلی جاتی تھی اب اس کا اسے ساتھ لے جانے کی پیشکش کرنا آئے تن کو عجیب سا لگا تھا۔
"ہاں ہاں! بس تم تیار رہو۔ تھوڑی دیر بعد چلتے ہیں۔"
ایلف وارڈ روب کھول کر اس کے لئے کپڑے نکالنے لگی "میں تمہارے کپڑے نکال دیتی ہوں۔ جلدی سے پہن لینا انہیں۔"
ایلف نے لانگ اسکرٹ کے ساتھ فل سلیوز بلاؤز نکال کر بیڈ پہ رکھا۔
"ہاں...... یہ اپنے Ringlets بالوں کو بھی برش سے ٹھیک کر لینا۔"
شوز ریک سے نئی ہائی بوٹس نکال کر رکھتے اس نے ایک اور نصیحت کی۔
"آپا...... کہیں میری منگنی تو نہیں کروا رہی؟"
کمپیوٹر ڈیسک پر تصویری البم رکھتے اس نے دلچسپی سے پوچھا۔
"تم بھی ناں......" آئے تن کے اس تجزیہ پر ایلف اسے گھور کر رہ گئی۔
"اچھا! اگر مام پوچھیں گی تو کہہ دینا دوست کی سالگرہ پہ جا رہے ہیں۔" اس کے کمرے سے نکلتے ایلف نے سرگوشی بھرے لہجے میں اسے یاددہانی کی تھی۔
اپنے کمرے میں آکر اس نے خود بھی کپڑے بدلے جینز کے ساتھ ریڈ کلر کا فاکس فر والا کوٹ پہنا۔ ہاتھوں پر Mittens (ہاتھ پوش) چڑھائے بالوں کو اچھی طرح سیٹ کر کے سر پہ رنگین Beanies (چھوٹی اور مڑی ہوئی ٹوپی) پہن لی۔
ٹھنڈ نہ ہوتی تو وہ پاؤں میں Stilettos پہن لیتی یا پھر سکارپن ہیلز۔ مگر اب اسے نہ چاہتے ہوئے بھی Uggs بوٹ پہننے پڑے اس کا رواں رواں خوش تھا۔ محبوب کے وصول کی گھڑیاں قریب آ رہی تھیں اس کے تو پاؤں ہی زمین پہ نہ جمتے تھے۔
دل کر رہا تھا کہ کائنات کی بہترین چیزوں سے اپنا حسن بڑھائے اور پھر اوزان کے سامنے جائے۔
کاش اس کے پر ہوتے تو وہ سمندری بگلے کی طرح باسفورس کا نیلا پانی نیچے چھوڑ جاتی اور خود اس کے سنگ پرواز کرتی محبت کے مرغزاروں میں رہ جاتی ہمیشہ کے لئے سانسوں

✧✧✧

کاش یہ اوزان اسی طرح غائب ہو جائے جیسے برسوں پہلے ایشم میری زندگی سے دور چلا گیا تھا۔ استلہ نے دعا کی اب وہ کسی طور پہ بھی ایشم سے تعلق تو کیا آس پاس بھی اسے برداشت نہ کر سکتی تھیں۔ تب تو میں ایلف کو سینے سے لگائے دور جا بسی تھی اور اب...... میں اتنی جواں لڑکی کو لے کر کہاں دھکے کھاؤں گی؟۔ اندیشے نے سر اٹھایا تھا۔

پتہ نہیں وہ کونسا دن تھا جب بد قسمتی سے ایلف کی ملاقات اوزان سے ہوئی میں تو سمجھتی تھی کہ اتنے لوگ ہم پیشہ ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس لڑکے کا باپ بھی کسی ریسٹورنٹ کا اونر ہو پتہ تو مجھے تب چلا جب میں نے خود اوزان کے ہاتھوں لکھا نام پڑھا......

وہی پیشہ...... وہی اوزان...... اور وہی ایشم اے میرے اللہ۔

اتنے سالوں بعد بھی کچھ نہیں بدلا......؟ بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگائے وہ بند آنکھیں کئے سوچ رہی تھی۔

''اللہ کرے سب ٹھیک ہو جائے۔'' انہوں نے صدق دل سے دعا کی تھی۔

باہر ہلکی ہلکی بارش برسنے لگی تو وہ بلا اختیار اٹھیں۔ بالکونی میں تار باندھ کے کچھ کپڑے نمی خشک کرنے کیلئے صبح ڈالے تھے، وہ اتارنے آئیں۔

''یہ لڑکیاں بھی نا...... اتنی ٹھنڈ میں بھی تقریب میں جانے سے باز نہیں آئیں''

بالکونی میں تار سے کپڑے اتارتے استلہ بڑبڑائیں۔

سرخ رنگ مکانوں کی مخروطی چھتیں بارش ... کے پتوں پر بارش کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

''ایک تو موسم اتنا خراب ہے اور اوپر سے ان لڑکیوں کا دماغ اس سے بھی خراب۔''

چھت پر بنے کمرے میں آ کر آئرنگ بورڈ پر انہوں نے کپڑے کا ڈھیر پھینکا۔

''کون سمجھائے نئی نسل کو، ہماری باتیں تو ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔''

بالکونی میں پڑے لکڑی کے مستطیل گملوں میں پانی کا ڈھیر لگ چکا تھا یہ گملے انہوں نے الٹائے کیچڑ سیدھا نیچے گلی میں جا گرا تھا۔ وہ بھی ترکی بوڑھے کے اوپر۔ کیونکہ گملے انہوں نے دیوار سے لگا کر جوڑے ہوئے تھے بیرونی طرف۔

''اللہ...... یہ کیا ہو گیا''

وہ گھبرا کر مڑیں۔ بلکہ دو فٹ پیچھے جا ہٹیں۔ گلی سے گزرتا بوڑھا ترکی پھنسی پھنسی آواز میں چہرہ اوپر اٹھائے بالکونی کی طرف دیکھتا کھری کھری سنا رہا تھا۔

✧✧✧

گلاطہ برج لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ بوندا باندھی برسنے کے باوجود ترکیوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں بنے ریسٹورینٹس کے کھانے، کھانے کیلئے آئی ہوئی تھی۔

آئے تن گلاطہ برج پر چہل قدمی کر رہی تھی جبکہ ایلف وہاں بنے ریسٹورنٹ میں سے ایک میں داخل ہو گئی۔ باسفورس کے نیلے پانی پر سمندری بگلے جیسے عاشق ہوئے جا رہے تھے۔ مچھیرے مچھلیاں پکڑتے...... کشتیوں کے چلنے کی آوازیں آتیں...... ترکی کے سرخ رنگ قومی پرچموں کا وجود کشتیوں کے چپو چلنے کے ساتھ ساتھ ہوا میں اور تیزی سے پھڑ پھڑاتا......

پرواز کرتے سمندری بگلے یا کبوتروں کے
نیلے پانی کو دیکھتے نیچے آتے تو سیاح ہاتھ فضاء میں لہرا کر...... سیٹیاں بجاتے انہیں خوش آمدید کہتے۔ نئے جوڑے ایک دوسرے کی بانہوں میں بازوں ڈالے ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔

"کیا خوبصورت منظر تھا......"

ایلف کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسی ریسٹورنٹ میں آ گئی جہاں وہ اپنے محلے کی ایک خاتون کے ساتھ بہت اصرار کرنے کے بعد آئی تھی۔ اسی ریسٹورنٹ کا نام اوزان نے اسے بتایا تھا کہ وہ یہاں آ کر اس سے مل سکتی ہے۔

"اوزان ابھی تک نہیں آیا......"

ایلف نے ریزروٹیبلوں پر لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھے لوگوں پہ نظر ڈالتے دل میں سوچا۔

"پتا نہیں کہاں رہ گیا ہے اوزان......؟"

ایلف بے آواز کہتے ایک ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

"میں ادھر ہوں"

عین اسی لمحے اوزان اس کے قریب آتے بولا۔

وہ جینز کے ساتھ گرے کلر کی Hoodies پہنے اتنا پُرکشش لگ رہا تھا کہ ایلف سے نظریں ہٹانا مشکل ہو رہا تھا۔

"بیٹھ جائیں۔"

اوزان نے بھوری آنکھوں سے پھوٹتی محبت کی چمک سے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"کیا کوئی شخص اتنا بھی پیارا ہو سکتا ہے۔"

اس کے مقابل کرسی پر بیٹھتے ایلف سوچ رہی تھی۔ چہرہ تو چہرہ تھا وہ تو دائیں کلائی پر بندھے اس کے بازو کو دیکھے جا رہی تھی جس پر ہلکے ہلکے رووٗں کی شکل کے سنہری بال اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہے تھے۔

"بہت شکریہ...... ایلف! کہ آپ مجھ سے

اوزان نے بڑی محویت سے اپنی طرف دیکھتی ایلف کا طلسم توڑا تو وہ چونک کر بولی۔

"نہیں، کوئی بات نہیں شکریے کی۔" اس کے سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ "اپنوں میں شکریہ نہیں ہوتا اچھا؟" انداز سمجھانے والا تھا۔

"چلیں، جیسے آپ کی مرضی......" اوزان نے کندھے اچکائے اور اسے دیکھنے لگا۔ سبز آنکھوں پر گرتی لمبی سیاہ پلکیں۔ کتنی کشش رکھتی تھیں اور اس کا گول سا چاند چہرہ ستواں ناک تیکھے نین نقوش۔ سب سے بڑھ کے معصومیت۔ اگر وہ شاعر ہوتا تو اس کی خوبصورتی پر دیوان لکھ دیتا۔

"کیا لیں گی آپ......؟"

"سافٹ ڈرنک یا چائے......؟"

اوزان نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"چائے......" ایلف نے جھجک کر بتایا۔ اور اس نے ایلف کی آنکھوں میں جھانکا۔

"گرلڈ فش سینڈوچ"

اس نے کہتے ہی اوزان سے نظریں ہٹا لیں۔

"ویٹر......" اوزان نے باوردی ملازموں کو مختلف ٹیبلز پر مختلف چیزیں سرو کرتے دیکھ کر ایک کو اشارے سے بلایا۔ آرڈر لکھوا کے وہ چلا گیا۔ تو ایلف بولی۔

"مجھے......"

ساتھ ہی اوزان کی آواز ابھری

"مجھے......"

دونوں نے بیک وقت ایک ہی لفظ دہرایا تھا۔ ایلف اور اوزان دونوں ایک ساتھ ہی مسکرائے۔

ایلف نے سفید میز پوش سے ڈھکی ٹیبل پر مڑے ہوئے گلاس اور نیپکن دیکھے، اور کہا۔
''نہیں آپ......''
اوزان نے اصرار کیا تو ایلف اس پہ نظریں جمائے بولی:
''مجھے آپ بہت اچھے لگتے ہیں، میرا دل آپ کو دیکھتے ہی بے قابو ہو جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ میرا گزارا نہیں ہوتا آپ کے بغیر......''
اس کی آواز میں لرزش تھی اور وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھے اپنے آنسو اندر دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''میں خود پہ کنٹرول کرنا چاہتی ہوں، مگر ہو نہیں رہا۔ یوں لگ رہا ہے ایک غیر مرئی کشش ہے جو مجھے آپ کی طرف کھینچتی ہے۔ چاہے میں جتنی بھی کوشش کر لوں آپ کے سحر سے نکل نہیں سکتی۔''
اوزان آگے بڑھا اس نے جینز سے ایک ٹشو پیپر نکالا یہ گلابی رنگ میں تھا۔
''میں آپ کو کبھی رونے نہیں دوں گا ایلف ......آپ میری زندگی ہیں۔''
اس نے ایلف کے آنسو پونچھے تو وہ اس بے ساختہ اظہار پر خوشی سے نہال ہوگئی۔
''میں گفتگو کا ماہر نہیں ہوں مگر میرا کہنا ہے کہ آپ کے لئے محاورتاً نہیں حقیقتاً میرے جذبات اتنے زیادہ ہیں کہ الفاظ کم پڑ رہے ہیں۔''
ایلف کی دھڑکن کو اپنی سماعتوں میں سنتے وزان نے ٹشو پیپر اس کے سامنے لہرایا۔
''یہ پہچانتی ہیں آپ......؟''
اس نے کچھ بتانا چاہا۔
''یہ ٹشو پیپر ہے اور بس......''
ایلف نے ناسمجھی سے کہا۔ محبت کے اظہار ناگوار گزرا تھا۔
''بس......''
اوزان نے اسے کچھ یاد دلانا چاہا۔
''ہاں بس......''
''کیا اس کے لئے کوئی خاص پیپر استعمال کیا گیا ہے یا اسے بنانے والی فیکٹری غیر معمولی شہرت کی حامل ہے......؟''
اس نے بتا کر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔
''اسے پکڑنے والے ہاتھ بہت خاص ہیں یاد کیجئے آپ جب پہلی دفعہ اس ریسٹورنٹ میں آئی تھیں تو نہیں چھوڑ گئیں تھیں۔''
اوزان کے بتانے پر اسے خوشی اور حیرت کا جھٹکا لگا۔
''واقعی ...... یہ تو وہی ٹیشو پیپر ہے......''
اس نے گلابی رنگ پہ غور کیا وہ صرف اسی رنگ کے ٹشو استعمال کرتی تھی۔
''یہ تو میری محبت کا ایک چھوٹا سا ثبوت ہے ورنہ میری محبت کے گواہ تو بہت ہیں وہ ڈائری بھی جسے میں صرف آپ کے درد میں لکھتا رہا اور وہ تکیے بھی جو آپ کے غم میں میرے آنسوؤں سے تر ہوتے رہے۔
میری محبت کی گواہی تو آپ کو مولانا رومیؒ سے بھی ملے گی، وہ سب جانتے ہیں......
مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ میرے سامنے موجود ہیں۔''
اوزان نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور اس کی گردن پہ بنے تین تلوں کو......
''میں آپ سے تب بھی محبت کرتا تھا جب میری آپ سے ظاہری ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی آپ کو یقین ہو یا نہ ہو مگر یہ سچ ہے کہ میں نے ایک عرصہ تک آپ کو خوابوں میں دیکھا ہے۔''

گیا...... ایلف کرسی پر پیچھے ہٹ کے اپنی
ہی پڑی تھی جیسے۔
''ہاں یہ سچ ہے ایلف''
اوزان نے اسے یقین دلانا چاہا۔
''میں کبھی پوری کہانی سناؤنگا آپ کو۔
''اس نے آہ بھری
میری داستانِ عشق بہت دردناک ہے۔
اسے پہلے غم یاد آ گئے تھے کہیں سے سر اٹھائے۔
''ایلف......''
''آپ مجھے کبھی تنہا تو نہیں چھوڑیں گی......؟''
ایک ڈر...... اضطراب...... خوف...... التجا...... منت سے کہتے اوزان نے لاشعوری طور پر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں انجانا خوف رقصاں تھا۔
''نہیں اوزان!''
''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' ایلف نے محبت سے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھوں پر رکھ کر ہولے سے دبایا۔
''میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں اوزان'' اس نے ڈرتے ڈرتے اعتراف کیا۔
''اور جن سے محبت کی جائے انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑا جاتا۔''
''مجھے سمجھ نہیں آ رہا ایلف میں آپ کے اس اعتراف پر کیا کروں......؟''
''بینجو بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کروں یا Bassguitar بجا کر۔'' وہ میوزک کا شوقین تھا تو ظاہر ہے کسی میوزک انسٹرومنٹ کے ذریعے ہی اپنے جذبات کا اظہار کرتا۔
''آپ کو اظہار کی کوئی ضرورت نہیں''
کیونکہ ایلف اس کی بھوری آنکھوں میں بتانے بیٹی۔
''آپ کی آنکھیں بولتی ہیں''
اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا ویٹر اس کے لئے گرلڈ فش سینڈوچ اور ساتھ چائے لے آیا تھا۔
وہ ان کو دیکھتا معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا وہ اسے پہلی بار Date پہ آتے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اوزان لاپرواہی میں بیٹھا Enjoy کر رہا تھا اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان لوگوں سے، وہ کچھ بھی کہہ دیتا۔
ضروری نہیں گرل فرینڈ ہی کہہ کر اسے اپنے ریسٹورنٹ کے عملے کو مذاق کرنے پر جواب دینا پڑتا وہ بہت سے بہانے گھر سکتا تھا''
اسے ڈر تھا تو بس کہ ایشم اسے نہ دیکھ لیں، مگر وہ کسی کے ہاں شادی پر گئے ہوئے تھے۔ سو اسی لئے وہ بہت آزاد تھا۔
''میں آئے تن کے ساتھ آئی ہوں، مام کو بتائے بغیر، لیکن میں جا کر انہیں بتا دوں گی کیونکہ میں انہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتی۔''
ایلف نے تمہید باندھی۔
''اس لئے میں آپ سے یہی کہوں گی کہ جلدی سے اپنے گھر والوں کو میرے پاس یعنی میرے گھر بھجوائیے رشتے کیلئے...... چھپ چھپ کر ملنا نہ تو مجھے پسند ہے اور نہ ہی استلہ مام کو۔''
وہ صاف لفظوں میں اپنا مؤقف واضع کر چکی تھی۔
''ضرور......'' اوزان نے دلی طور پر اس کی تائید کی، ''میں محبت سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں، ایلف! کیا کرتا رہ نہیں پایا تو بلوالیا آپ کو''
اس نے جلدی سے چائے پی...... تا کہ ایلف بھی اپنی چائے کو ہاتھ لگا سکے۔
''میں منتظر رہوں گی''

ایلف نے عجلت میں کس سینڈوچ کھانا شروع کر دیا۔
دور سے کسی نے ایلف کو دیکھا تھا بچپن میں دیکھا گیا معصوم روپ بھی کچھ کم نہ تھا۔ مگر جوانی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور ہی کچھ لطف دے رہا تھا۔
پہلی نظر پڑی تو اٹھنا بھول گئی...... ہوسکتا ہے یہ وہ نہ ہو۔ ایک بار خیال آیا بھی تھا۔
مگر اس کے وہی تین بھورے تل...... نین نقوش میں استلہ کی جھلک اور اتنا ہی قد کاٹھ......
نزدیک آنے پر پہچاننے میں کوئی مشکل پیش ہی نہیں آئی۔
آنے والے نے بہت احتیاط کی تھی تبھی پتا ہی نہیں چل سکا۔
''میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں''
اوزان نے پرس اٹھا کر کندھے پر ڈالتی ایلف سے کہا۔
''بس سے کیسے جائیں گی؟ چلئے...... میں ڈراپ کر دیتا ہوں''
وہ اصرار کر کے ساتھ ہی چلا گیا۔
''بڑی چالاک ہو آپا تم......''
جب وہ اسی جگہ پر آئے تن کو لینے گئی تو دونوں کو اکٹھے دیکھتے اس نے آہستگی سے ایلف کو سنایا تھا آگے سے اس نے اسے چپ کر جانے کا اشارہ کیا۔
''آپ کے گفٹس بہت پسند آئے تھے اوزان بھائی......''
وہ چپ ہونے والوں میں سے کب تھی۔ سلام لیتے ہی پارکنگ میں کھڑی گاڑی کی طرف آتے بولی۔
''یا اللہ...... کہیں یہ پاگل لڑکی یہ نا بتا دے کہ میں نے اوزان کے ''گفٹس'' اسے دکھائے دیئے ہیں ورنہ وہ پتا نہیں کیا سوچے''
اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ چہرہ خفت کے مارے سرخ ہو رہا تھا۔
''آپا کو اور مجھے بھی''
آئے تن کا یہ کہنا ایلف کا شکر ادا کروا گیا۔
''بہت شکریہ''
اوزان نے اس کے سر پہ چپت مارتے پیار سے کہا اور پھر ڈرائنگ سی پر بیٹھ گیا۔ یہ وقت زندگی کے سب سے حسین لمحات پہ مشتمل تھا۔ اور یادگار بھی۔
''میں جلدی ہی آپ کو لینے آؤں گا ایلف''
اپنے ساتھ والی سیٹ پر جھکے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے اگنیشن میں چابی گھما کے کار سٹارٹ کرنے پر وہ سرگوشی سے بولا تو ایلف حیات سے سرخ ہوتے آنکھیں نکال کر اسے گھورنے لگی۔
''شرم کرو...... اوزان صاحب! پیچھے آئے تن بیٹھی ہے، میری بہن''
وہ بہن پہ زور دیتے بولی تو وہ پارکنگ سے کار نکالتا بے اختیار مسکرایا۔
کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایک شخص سائے کی طرح ان کے پیچھے چمٹ چکا تھا۔ Sevuin ڈریس سوٹ میں ملبوس پاؤں میں بزنس بوٹ پہنے...... بے تابی سے فوراً ان پینڈ طریقے سے باندھی گئی ٹائی کو کھینچتے، وہ آخر تک ان کا پیچھا کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

گھر آتے ہی کئی ضروری کام نکل آئے تھے ایلف سارا دن اپنی میں مصروف رہی بوتیک جسے کچھ عرصے سے نظر انداز کر رہی تھی۔ اب اسے بھی توجہ دینے لگی۔
آئے تن کو اس نے منع کر دیا تھا کہ وہ

اوزان سے ہونے والی ملاقات کے بارے استلہ کو کچھ نہ بتائے وہ خود ہی مناسب وقت دیکھ کر ان سے طریقے کے ساتھ بات کرنا چاہتی تھی۔ اس دن کچھ دھوپ نکلی تو وہ کپڑے سلائی کرنے بیٹھ گئی۔ کہیں سے جلدی کا آرڈر ملا تھا۔ سو آج ہی اسے انہیں پورا کرنا تھا۔

✦✦✦

"تم......
حیرت، خوف...... بے یقینی۔ کیا نہیں تھا وہاں۔

"ہاں میں"
ایثم نے بھاری بوٹوں کے ساتھ ابھرنے والی آواز میں یقین دلایا۔

"تمہیں کہا تھا استلہ...... کہ برسوں گزر گئے تو میری محبت بھی گزر چکی ہوگی......؟"
طنزیہ لہجے میں پوچھ کر انہوں نے خود ہی جواب دیا۔

"ہرگز نہیں...... بالکل بھی نہیں"
"میں کل بھی تم سے محبت کرتا تھا آج بھی کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا"

استلہ کے گوڈی کرتے ہاتھ کب کے رک چکے تھے، پیشانی پہ پسینہ ابھرا ہاتھوں پہ لرزش طاری ہوئی اور پورے جسم پہ کپکپی ہونے لگی۔

"دیکھو! میری دو بیٹیاں ہیں وہ بھی نوجوان، میرا شوہر کب سے اس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے اب تو چلے جاؤ۔ چھوڑ دو یہ محبت کے ڈرامے......"

استلہ کی آواز میں بے چارگی کے ساتھ غصے کا عنصر بھی نمایاں تھا......

"اکن مر گیا......"
ایثم نے خوشی اور حیرت سے دوبارہ پھر سے پوچھا۔ جیسے انہیں اتنی خوشی ہضم نہ ہو رہی ہو۔

''یہ تو اور بھی اچھا ہو گیا ہے تم میری بن کر رہو گی اب استلہ صرف میری......''
''ہمارے درمیان اب کوئی نہیں آئے گا...... نہ ہماری اولاد اور نہ ہی یہ ظالم سماج''
ایشم دھاڑے تو استلہ کا کلیجہ ہول گیا۔
وہ عقبی لان میں کھڑی تھیں۔
باہر کا دروازہ کھلا تھا...... جہاں سے کچھ دیر پہلے ہی آئے تن کالج کیلئے نکلی تھی۔ اپنی ذرا سی کاہلی انہیں زندگی کی سب سے بڑی غلطی لگ رہی تھی۔
''میں تمہیں تمہارے بیٹے اوزان کا واسطہ دے کر کہہ رہی ہوں چلے جاؤ میرے گھر سے۔ میری بیٹی ایلف نے سن لیا تو مر جائے گی وہ۔''
ایلف جو اجنبی آواز کو آس پاس محسوس کرتی اندر سے باہر آ رہی تھی اس کے قدم وہیں رک گئے۔
''اسے مارنے ہی تو میں آیا ہوں''
ایشم نے سفاکی سے کہا۔
''سودا کر لو استلہ ...... ایک بھاری سودا، ورنہ جانتی ہو اس گھر میں کیا ہو سکتا ہے؟''
وہ استلہ کے اور قریب آ کر غرائے۔
''تمہاری بیٹی ایلف جیتے جی مر جائے گی، اوزان کو تب تک میں ایلف سے شادی نہیں کرنے دوں گا جب تک تم نہ مجھ سے شادی کر لو۔''
استلہ کا سر چکرا گیا۔
''یہ کبھی نہیں ہو سکتا، نہ کل نہ آج اور نہ کبھی زندگی بھر۔''
وہ اسے حقیقت بتا رہی تھیں۔
''میں ایلف کو سب کچھ بتا دوں گی میرے لئے وہ اوزان کو چھوڑ دے گی، اسے اور آئے تن کو لئے میں اسی طرح چلی جاؤں گی جیسے ایلف کے بچپن میں اسے لے کر گئی تھی۔''

''ایسا اب نہیں ہو گا میڈم استلہ''
''کیونکہ آگے سب میری لاعلمی میں ہوا، اگر مجھے تمہاری جگہ معلوم ہو جاتی تو یقین کرو آئے تن کبھی پیدا نہ ہوتی۔ ایشم نے ایسے لہجے میں کہا کہ استلہ کا دل چاہا کہ اٹھیں اور اسے تھپڑ لگا کر بتائیں کہ
''تمہاری یہ جرأت
نکل جاؤ میرے گھر سے''
مگر افسوس وہ ایسا نہ کر سکیں۔
''بس کر دو ایشم۔ اس سے پہلے کہ میری بیٹیاں آئیں نکل جاؤ میرے گھر سے''
انہوں نے انگلی کے اشارے سے باہر کا راستہ دکھایا۔
''میں تمہیں لئے بغیر نہیں جاؤں گا استلہ''
ایشم کے اندر کی ہٹ دھرمی جاگ اٹھی تھی پوری طرح۔
''میں بتا دوں گی ایلف کو کہ کس طرح تمہاری وجہ سے مجھے خوار ہونا پڑا......''
وہ چیخیں تھیں زخمی شیرنی کی طرح۔
''تمہارے بتانے سے پہلے ہی میں اسے بتا دوں گا کہ وہ اکگن کی بیٹی ہی نہیں ہے......''
لان کی طرف بڑھتی ایلف کو لگا تھا بھونچال آ گیا ہے جیسے، نظر دھندلا رہی تھی۔ سماعتوں میں زہر اترتا محسوس ہوا، روح پہ ہوتے خنجر کے وار سینہ چیرنے لگے۔
''یا اللہ! میرے حال پہ رکھ کر......''
ہلکورے لیتے وجود سے اس نے دعا کی تھی۔
''ایلف ......''
اسے استلہ کی آواز دور سے آتی سنائی دی۔
اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔
اس کا ذہن تاریکی میں مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔
باقی اگلے ماہ

دوسرا رخ
ام اقصیٰ
pklibrary.com

آج پھر نجمہ درزن آئی بیٹھی تھی اور سب اس کے گھر گھیرے ڈالے بیٹھی تھیں۔ نوما نے ایک نظر دیکھا اور سر ہلا یا۔

اس کی ساس جیٹھانی اور شادی شدہ نند جو سال کے ساتوں مہینے ادھر ہی پائی جاتی تھیں، سب اس کی باتوں پر سر ہلا رہے تھے۔ ان تینوں کی ہمدردی پر اس بندے کے ساتھ ہو جایا کرتی جو ان کے پاس آکر دکھڑے رویا کرتا تھا چاہے وہ جھوٹ ہو یا سچ۔

''نجمہ باجی......'' نوما نے اوپر کھڑے گرل سے جھانک کر کہا۔ وہ آنٹی کہتے کہتے رُکی مبادا وہ بُرا ہی نہ مان جائے۔

''میرا سوٹ سل گیا ہے؟''

''بٹن لگانے والے رہ گئے ہیں۔ ابھی بازار ہی جا رہی ہوں بٹن لیتی آؤں گی لگا کر شام کو بچے کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ پیچھے ہٹنے کو تھی جب وہ بولیں۔

''آجائیں نیچے''

''شاویز سویا ہوا ہے میں بھی صفائی کرنے لگی تھی۔'' نوما نے عذر بتایا۔

''اس کے کام کہاں ختم ہوتے ہیں۔'' اس کی جیٹھانی ہنس کر بولی تھی بظاہر اسے پسند نہیں تھا کہ کوئی کام پڑا ہو کرنے والا اور وہ بیٹھ کر باتوں کے چسکے لئے جائیں۔

صفائی کر کے وہ نیچے گئی تو دونوں کچن جیٹھانی اور نند کا برتنوں سے پڑا تھا۔ بیڈروم میں کپڑے بکھرے تھے اور صحن میں گند...... نجمہ درزن جا چکی تھی جبکہ یہ ابھی بھی اسے ہی ڈسکس کئے جا رہی تھیں۔ بیچاری کے ساتھ بہت ہی ظلم ہو رہا ہے۔ اس قدر بُری بھابھی ذرا احساس ہی نہیں چلو بطور نند یا بھابھی نہ بھی کرے تو انسانیت کے ناطے ہی کر دیا کرے لیکن نہ جی...... اس قدر ظلم...... اُف توبہ توبہ......

تینوں کانوں کو ہاتھ لگاتے بھابھی کو کوس رہی تھیں۔

''بھابھی دیکھ رکھی ہے آپ نے......؟؟''

نوما نے پوچھا۔

''نہیں نجمہ سے ہی جان پہچان ہے''

''کیا پتا حالات اتنے بُرے نہ ہوں جتنے نجمہ بتاتی ہیں'' نوما نے یونہی بات کر کے گویا اپنی شامت بلائی تھی۔

''دنیا دیکھ رکھی ہے ہم نے بھی۔ بندے کی آنکھ دیکھ کے حالات دیکھ لیتے ہیں اور یہ نجمہ یہ تو شکل سے ہی اتنی بھولی نظر آتی ہے۔ خدا غارت کرے اس کی ظالم بھابھی کو......''

تم بھی اپنے کپڑے سلائی کیلئے اسے دے دیا کرو۔ ایک تو مناسب سلائی لیتی ہے دوسرا خود آکر لے جاتی ہے خود ہی دے جاتی ہے۔ اسی طرح ہی اس کی کچھ مدد ہو جایا کرے گی۔ نوما کی ساس نے اس سے کہا۔ آج شام کو ملتا ہے سوٹ چیک کروں گی اگر ٹھیک سلائی ہوئی تو اسی کو ہی دے دیا کروں گی...... نوما نے کہا۔

ہاں بھئی کھلا پیسہ ہے تمہارے پاس تو تم تو عام گھر پہننے والے سوٹ بھی درزی سے سلوانا افورڈ کر سکتی ہے آخر کو اٹھارویں سکیل میں نوکری کرتے ہیں تمہارے میاں...... جیٹھانی صاحبہ کی تان اسی ایک بات پر آکر ٹوٹتی تھی۔ نوما خاموش رہی۔

❖❖❖

''میں نے کل سوٹ دینے کا کہا تھا نجمہ باجی...... سارا دن انتظار کرتی رہی آپ آج لائی ہیں۔'' نوما نے اسے آتے دیکھتے ہی شکوہ کیا۔

''بس کیا بتاؤں کل مشین خراب ہو گئی تھی

سارا دن اسی کے ساتھ ہی رہی۔
"یہ آپ کی مشین ہر دوسرے دن ہی خراب ہو جاتی ہے نئی لے لیں بلکہ موٹر والی لیں اس سے جلدی بھی ہو جاتی ہے۔" نوما نے مشورہ دیا۔
"کیا کروں بس یہ اخراجات ذرا کنٹرول ہوں تو کچھ سوچوں" نجمہ باجی پریشان دکھائی پڑیں۔
"آپ کے سارے بیٹے ہی ہیں ناں" نوما قمیض کی فٹنگ چیک کرتے ہوئے بولی۔
"ہاں پانچ بیٹے ہیں۔"
"سب پڑھتے ہی ہیں"
"کہاں...... چھوٹے دونوں پڑھتے ہیں بڑے دونوں فیکٹری میں کام کرتے ہیں تیسرے نمبر والا کچھ کمزور ہے اور کچھ نکما۔"
"میاں آپ کے ٹیچر تھے"
"نہیں درجہ چہارم کے ملازم تھے۔ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اب وہ بھی ایک دکان پہ ملازم ہیں۔"
"تو آپ اپنی نند کے گھر میں رہتی ہیں۔"
"نند بھی لگتی ہے اور بھابھی بھی، یہ گھر میرے دونوں بھائیوں کا ہے۔ چھوٹے کی شادی کے سلسلے میں آئی ہوئی ہوں میں...... وہ مجھے کرائے کے گھر پہ جانے بھی نہیں دیتا اور شادی کی بھی کوئی سبیل نہیں بن رہی"
"دیکھے نہیں آپ نے کوئی رشتے"
"ایک جگہ بات بنتے بنتے رہ گئی وہ کہتے لڑکا زیادہ ہی اسمارٹ ہے اب جیسا ہے، ہے اب کیا میں اس پر مٹی کا لیپ کر دوں۔"
"آپ کی نند کیا آپ کو صحیح نہیں سمجھتی؟" نوما نے سوٹ چیک کر لیا تھا۔ تقریباً ٹھیک ہی سلا ہوا تھا۔

''کیا بتاؤں بہن...... دو سال ہونے کو آئے ہیں ہم اس گھر شفٹ ہوئے آج تک اس نے سیدھے منہ بات کی ہے نہ بلایا ہے۔ کھاتے پکاتے ہم اپنا الگ ہیں۔ سب خرچہ ہمارا الگ ہے...... پھر بھی منہ پھیلائے رکھتی ہے۔ میں تو صرف چھوٹے کی شادی کے لئے آئی ہوں کون سا خوشی خوشی آئی ہوں۔ مجبوری ہے جیسے ہی بھائی کی شادی ہو گئی الگ گھر میں شفٹ ہو جاؤں گی۔''

''پیسے کتنے ہوئے'' نوما نے بحث سمیٹی

''خرچے سمیت پانچ سو''

نوما پیسے لینے اندر بڑھی۔

✧✧✧

''اللہ اس قدر ظالم ہے تمہاری نند'' نوما کی ساس نے ناک پر اُنگلی رکھ کر حیرت جتلائی۔ نوما نے دونوں کپ چائے کے ٹرے میں رکھے اور ان دونوں کے پاس آ بیٹھی۔ ایک کپ نجمہ درزن کو دیا اور ایک کپ اپنی ساس کو۔

''کپڑے ٹھیک تھے؟'' بات روک کر اس نے نوما سے پوچھا۔

''کندھے لوز تھے، وہ ذرا سیٹ کر دینا۔''

کل نجمہ درزن کا بیٹا کپڑے دے گیا تھا آج وہ سلائی لینے آئی تھی۔

''تمہارا بھائی بھی کچھ نہیں کہتا؟'' ساس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

''اس کی جرأت، جورو کا غلام ہے وہ، جو بیوی کہے اس پہ آمین۔ کل اتنی طبیعت خراب ہوئی میری ہمسائیاں سب پوچھنے آئیں پر اس کو توفیق نہ ہوئی کہ ایک کمرے سے نکل کے حال پوچھ لے۔''

''بیماری میں بھی خیال نہیں کرتی؟''

''نہ جی۔ ایک ہمسائی کل آ کر سبزی بنا کے دے گئی۔ دوسری نے کپڑے دھو دیئے سالن میں نے خود ہی ہمت کر کے بنا لیا۔''

''اچھا تو ہمسائیاں خیال کرتی ہیں؟''

''ہاں تو اور کیا؟''

''تمہاری بھابھی کو کچھ نہیں کہتی؟'' نوما کی ساس پورے چسکے لے رہی تھیں۔

''اچھی بھلی لعن طعن کرتی ہیں ہمسائیاں'' نجمہ نے فخر سے بتایا۔

''پھر وہ نہیں کہتی آگے سے کچھ؟''

''چپ رہتی ہے۔'' نجمہ نے بڑا سا گھونٹ لے کر کپ سائیڈ پہ رکھا۔

''بہت ہی ڈھیٹ ہے بھئی'' نوما کی ساس نے افسوس سے سر ہلایا۔

''آپ لوگوں کے زیادہ مسائل کی ایک وجہ وٹہ سٹہ کی شادی بھی ہے...... ہے ناں؟'' نوما نے گفتگو میں حصہ لیا۔

''کیا معلوم'' وہ بیزاری سے بولیں۔

✧✧✧

نوما کو دوپہر انٹرویو کے لئے کال آئی تھی۔ اس نے مقامی کالج میں اپلائی کیا ہوا تھا۔ اب یہ تو ہو سکتا نہیں تھا کہ وہ کوئی پرانا سوٹ پہن جاتی۔ انٹرویو کی تیاری ہو نہ ہو نوما کی اپنی تیاری پوری ہونی چاہیے۔ پرسوں دس بجے انٹرویوں کے لئے جانا تھا آج شام اور کل کا دن بچا تھا۔ ابھی چند دن پہلے اس نے کھاڈی سے آن لائن شرٹ منگوائی تھی۔ دوپٹہ بھی گھر سے مل ہی جاتا کوئی نہ کوئی، مسئلہ ٹراؤزر کا تھا۔ اور اسی مسئلے کو حل کے لئے وہ بازار میں موجود تھی۔ ریڈی میڈ اسے پسند نہ تھے سو ہم رنگ کپڑا لے لیا اور کچھ اور میچنگ اشیاء بھی۔

''بھابھی نجمہ درزن کا نمبر تو دیجئے گا ٹراوزر سلائی کروانا ہے اور شرٹ کی فٹنگ بھی کروانی

ہے۔ شام وہ جیٹھانی کے سامنے موجود تھی۔
''نمبر تو نہیں ہے اس کے پاس موبائل نہیں ہے بیٹے اپنے کام کاج کے لئے گھر سے باہر ہوتے تو میں نے نمبر لیا ہی نہیں بیٹوں کا۔''
''اوہ!'' نوما پریشان ہوئی۔ ''اب کیا ہوگا''
''اتنی پریشانی کی کیا بات ہے یہ دو گلیاں چھوڑ کے اس کا گھر ہے صبح خود ذرے آنا اور بتا بھی آنا سب''
''گھر کا پتہ کیسے چلے گا؟'' وہ ہنوز پریشان تھی۔
''احمرین کو ساتھ لے جانا جہاں یہ ٹیوشن جاتی ہے اس سے دو گھر آگے ہے'' جیٹھانی نے اپنی بیٹی کا نام لیا۔
''او کے''
اگلے دن تقریباً دس بجے وہ سوٹ اٹھائے نیچے آئی۔ شاہ ویز بھی رونا شروع ہوگیا تو وہ اسے بھی ساتھ اُٹھا لائی۔ ذرا سا فاصلہ تھا تین چار منٹ میں طے ہوگیا۔
نجمہ گھر پر ہی تھیں اسے دیکھتے خوشدلی سے ملی۔ اور ڈرائنگ روم میں لے آئی کافی پیارا ڈرائنگ روم تھا کافی قیمتی شوپیس رکھے ہوئے اس نے شاویز کو نیچے کھڑا کیا اور کپڑا پھیلا کے سب بتانے لگی۔
تبھی پٹاخ کی آواز آئی۔ نوما نے دہل کے دیکھا شاہ ویز نے کام دکھا دیا تھا۔ ٹیبل پر ایک قطار میں چار خوبصورت کرسٹل کے گھوڑے رکھے تھے جس میں سے ایک کو اس نے گرا دیا تھا۔ نوما کو حقیقتاً خفت ہوئی۔
''ارے کوئی بات نہیں ہے تم تو ایسے پریشان ہوگئی ہو، بچے سے غلطی سے ٹوٹ گیا۔''
''یہ آپ اپنا سارا سامان لائی ہوئی ہیں۔'' شاویز کو گود میں بھرتے شرمندگی مٹانے کو نوما نے پوچھا۔
''ارے نہیں میری نند کا ہے'' وہ بے پروائی سے بولی۔
نوما کو اور بھی شرمندگی ہوئی۔ ڈرائنگ روم سے نکلتے سیدھے اس کی نند کا کمرہ تھا۔
تین چھوٹے بچوں کے ساتھ وہ بے حال پھرتی تھی۔ سامنے ہی چارپائی پر نجمہ کا جوان سالہ بیٹا لیٹا تھا۔ بے شک بھتیجا ہی تھا مگر پرائیویسی تو ڈسٹرب ہوئی ناں۔
ایک سائیڈ پر ایک کمرہ جو نجمہ کے زیر استعمال تھا۔ ایک سٹور تھا جسے وہ ہی کپڑے سلائی کے لئے استعمال کرتی تھی۔ اور ڈرائنگ روم کا حال تو نوما نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔
''امی بہت بھوک لگی ہے'' تبھی نجمہ کا چھوٹا بیٹا آیا تھا
''بیٹا پھپھو کے فریج میں دیکھو کچھ پڑا ہوگا۔ میں نے تو بنایا ہی نہیں۔'' نجمہ لاپروائی سے کہہ رہی تھی۔
ضروری نہیں جو شور کرے یا دُکھڑے روئے وہی سچ بھی ہو۔ تصویر، رویے اور انسان کا ایک دوسرا رخ بھی ہوتا ہے جو قریبی لوگوں پہ عیاں ہوتا ہے اور وہ بہت بھیانک ہوتا ہے۔ دکھڑے رونے والے ہمدردی کے اہل ہوتے ہیں نہ مشوروں کے۔ نوما دُکھے دل سے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

نداحسنین

''ملک شاہ ویز آپ پر کس نے قاتلانہ حملہ کیا تھا؟'' انسپکٹر ملک شاہ ویز کے سامنے کھڑا سوال کر رہا تھا۔ ملک شاہ زیز کی نگاہوں میں شافع الدین کا چہرہ گھوم گیا۔

شافع الدین کی کہی گئی باتیں اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے برسانے لگیں۔

''تمہیں میں کسی قابل چھوڑوں گا تو تم مجھ تک پہنچنے کے قابل رہو گے ملک شاہ ویز۔''

''اگر انجان ہو تو میں تمہیں آج اچھی طرح سمجھا دوں گا کہ حویلی والوں کی عزت پر نظر رکھنے والا ہو یہاں ہاتھ ڈالنے والا۔ اس کا انجام عبرتناک موت ہی ہو گا۔''

''ملک شاہ ویز...آپ نے بتایا نہیں۔ آپ پر یہ قاتلانہ حملہ آخر کس نے کروایا۔'' انسپیکٹر نے جواب میں خاموشی پا کر ایک بار پھر سوال کیا۔

''شاہ ویز بیٹا۔ انسپیکٹر صاحب کو بتاؤ کہ کس نے تمہیں اس حال تک پہنچایا۔ کون ہے

ناولٹ

تمہاری اس تکلیف کا ذمہ دار؟'' ملک جمیل، شاہ ویز کے دائیں جانب کھڑے منتظر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔

شاہ ویز نے آہستگی سے نگاہ گھما کر باپ کے چہرے کی جانب دیکھا۔ اور دھیرے سے بولا۔

''شافع الدین...!''

ملک جمیل حق دق سے بیٹے کا چہرہ دیکھتے رہ گئے۔

✧✧✧

''شمع بیٹا...!'' وہ آئی سی یو کے باہر گم صم سی بیٹھی حذیفہ کے بدلتے رویئے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ تب ہی شافع الدین نے اسے نزدیک آ کر دھیرے سے پکارا۔ وہ بے ساختہ چونکتے

ہوئے پلٹی۔

"کیا سوچ رہی ہو....؟" یہ سوال بنتا تو نہیں تھا مگر پھر بھی وہ کر گئے۔ بعض سوالات انتہائی بے وزن ہوتے ہیں۔ مگر صرف اس لئے پوچھے جاتے ہیں کہ گفتگو کا سلسلہ بنے۔شافع الدین کو بھی آج اپنے اور اپنی بیٹی کے درمیان کھڑی اجنبیت کی دیوار کو ڈھانے کیلئے اس بے مول سوال کی ضرورت آن پڑی تھی۔جبکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ان کی بیٹی اس وقت کیا سوچ رہی ہوگی۔گزشتہ چند دنوں میں جس طرح اس کی زندگی نے پلٹا کھایا ہے۔اس کے بعد ذہن تو ہزار اندیشوں میں گھرا ہوگا۔ وہ بیٹی کے مغموم چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے قریب جا بیٹھے۔

"بابا.....زندگی اتنی ناقابل فہم کیوں ہوتی جارہی ہے۔ ہر گزرتا ہوا پل جیسے میرے لئے اک امتحان ہو۔ حذیفہ اور ملک شاہ ویز کی لڑائی، ملک شاہ ویز کا مجھے اغواء کرنا، امی کو دل کا دورہ پڑنا اور اب حذیفہ.....!!" وہ بہت دیر سے ان اذیت ناک سوچوں سے لڑ رہی تھی۔ باپ کا قرب پا کر وہ ہارے ہوئے لہجے میں کہتی چلی گئی۔حذیفہ کا ذکر کرتے ہی وہ ایکدم سے خاموش ہوگئی۔مگر شافع الدین بری طرح ٹھٹھک گئے۔

"حذیفہ کیا....؟ تم کہتے کہتے رک کیوں گئیں شمع....؟" وہ بے اختیار سوال کر گئے۔

"کچھ نہیں بابا...!!" وہ سر جھکائے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتی ہوئی الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کچھ تو ہے بیٹا جو تمہیں بے حد پریشان کر رہا ہے۔ مجھے بتاؤ.... میں تمارا باپ ہوں شمع۔ تمہاری فکر، تمہاری پریشانی ہر حال میں دور کروں گا۔" شافع الدین بیٹی کا مضطرب چہرہ دیکھ کر بری طرح بے چین ہو اٹھے۔

"بابا....امی!!" شمع نے ان کی بے تابی پر بے اختیار نظریں اٹھا کر باپ کو دیکھا۔اس کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ لہجے میں ایسی تڑپ تھی کہ شافع الدین کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔

"بابا' امی کو بچالیں۔انہیں ہماری زندگی سے دور مت جانے دیں۔انہیں روک لیں۔ ان کے دم سے میں زندہ ہوں بابا۔اور انہیں اس حال میں دیکھ کر میرا دل رو رہا ہے۔میری وجہ سے وہ اس حال تک پہنچیں ہیں بابا۔آپ انہیں میری خاطر بچالیں۔اگر انہیں کچھ ہوگیا تو میں بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔" شمع ایکدم سے ان کا ہاتھ تھام کر رو پڑی۔ شافع الدین کو ایسا لگا جیسے ان کی سانسیں رک گئی ہوں۔ بیٹی کی تڑپ نے پہلی بار احساس دلایا تھا کہ سفینہ کی زندگی ان کے لئے کس قدر ضروری ہے۔پہلی بار انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ سیدھی سادھی عورت جو ہر لمحہ ان کے زیر عتاب رہی ۔ وہ درحقیقت ان کے آشیانے کی روح تھی۔ان کا گھر اس عورت کی ذات سے ہی آباد تھا۔پہلی بار سفینہ کا وجود انہیں اپنے لئے بے حد اہم محسوس ہوا۔

"کچھ نہیں ہوگا تمہاری ماں کو۔ میں کچھ ہونے ہی نہیں دوں گا۔ میں اسے کبھی ہماری زندگیوں سے دور جانے نہیں دوں گا۔" وہ جذباتی کیفیت میں شمع کو اپنی سینے سے لگا کر دلاسہ دیتے ہوئے کہنے لگے۔ یہ صرف ایک تسلی آمیز یا سرسری سی بات نہیں تھی۔اس پل شافع الدین کے رواں رواں نے سفینہ کی زندگی کی دعا کی تھی۔

❖❖❖

"اماں.... شافع الدین کہاں ہے۔؟"
نجم النساء ہسپتال کے کوریڈور میں کھڑیں انیسہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ تب ہی آفاق الدین گھبرائے ہوئے انداز میں ان کے نزدیک آ کر دریافت کرنے لگے۔

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ تو تمہارے ساتھ تھا آفاق۔" نجم النساء نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے حیرانگی سے آفاق الدین کو دیکھا۔

"میرے ساتھ تو تھا اماں۔ مگر میری ایک ضروری کال آ گئی تھی تو میں گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا۔ اور شافع الدین نہ جانے کہاں چلا گیا..!!" آفاق الدین پریشانی سے سر کھجاتے ہوئے بولے۔

"آفاق... آپ بھی حد کرتے ہیں۔ بھئی شافع الدین کوئی چھوٹا سا بچہ تو ہے نہیں جس کے کھو جانے کا ڈر ہو۔ ہوگا یہیں کہیں۔ اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" انیسہ نے آفاق الدین کی حد درجہ فکر مندی پر ناگواری سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"تم سے تو میں بعد میں بات کرتا ہوں انیسہ۔ بہتر ہے کہ تم اس معاملے میں خاموش رہو۔" انہیں درشتی سے بیوی کو دیکھتے ہوئے ٹوکا۔ انیسہ آفاق الدین کے اس ردعمل پر شش و پنج میں مبتلا سی انہیں دیکھنے لگیں۔ البتہ نجم النساء نے جتاتی نظروں سے بہو کے بگڑے تیور کو دیکھا اور پھر فکر مندی سے بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"آفاق بیٹا بات کیا ہے۔ تم شافع کو لے کر اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"اماں...! ملک شاہ ویز کو ہوش آ گیا ہے۔ اور پولیس بھی اس کا بیان ریکارڈ کرنے کے غرض سے ہسپتال پہنچ گئی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ملک شاہ ویز اس قاتلانہ حملے میں شافع کا نام نہ لے ڈالے۔ اگر ایسا ہوا تو یہاں کافی تماشہ لگ جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ شافع سمیت آپ سب لوگ گھر چلے جائیں۔" آفاق الدین ماں کو تفصیل سناتے ہوئے بولے۔ ساری بات سن کر نجم النساء کے چہرے پر بھی پریشانی و تفکر کی لکیریں پھیل گئیں۔

"لو.... شمع کے اغواء ہونے پر کیا کم خاک پڑی تھی ہمارے سروں پر جو شافع الدین پر قتل کا پرچہ کٹنے لگا۔ شافع اور اس کی بیٹی تو لگتا ہے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑیں گے۔" انیسہ موقع ملتے ہی نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے پھر بول پڑیں۔

"تم حویلی کی عزت کی پرواہ نہ کرو انیسہ۔ جب تک میں زندہ ہوں حویلی کی عزت پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گی۔ تمہیں اگر فکر کرنی ہے تو اپنی فکر کرو۔ کیونکہ سفینہ کو اگر کچھ ہوا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔" انیسہ کی بدلحاظی، نجم النساء کو ایک آنکھ نہ بھائی تو بیٹے کے سامنے ہی انہیں بے دریغ لتاڑ گئی۔ انیسہ کو توقع نہیں تھی کہ نجم النساء یوں بیچ بازار ان کی پکی پکائی ہنڈیا پھوڑ دیں گیں۔ ساس کی لتاڑ پر وہ بے ساختہ سٹپٹاتے ہوئے آفاق الدین کو دیکھنے لگیں۔ آفاق الدین کی حسمگین نگاہیں لمحہ بھر میں انہیں سمجھا گئیں کہ سفینہ کو تضحیک و رسوائی اس بار انہیں حویلی والوں کے کٹہرے میں لا کھڑا کر کے ہی چھوڑے گی۔ وہ لب بھینچے نگاہ پھیر کر دل ہی دل میں اس معاملے سے اپنا دامن بچانے کی تدبیریں ڈھونڈنے لگیں۔

"اماں آپ شمع کو بھی ساتھ لیں اور گاڑی میں بیٹھیں۔ میں آفاق کو دیکھتا ہوں کہ کہاں ہے۔ پھر بھیجتا ہوں آپ کی طرف۔" آفاق ماں

کو ہدایت دے کر واپس چلے گئے۔
"جاؤ شمع کو لے کر آؤ۔" نجم النساء نے ایک نظر انیسہ کو دیکھتے ہوئے ہوئے کہا۔ اور خود آگے بڑھ گئیں۔
"ہونہہ..... شمع کو لے کر آتی ہے میری جوتی۔" انیسہ حقارت بھرے لہجے میں بڑبڑاتی ہوئی پیر پٹخ کر اندر چلی گئیں۔

✧✧✧

وہ خاموشی سے کھڑے بیڈ پر ساکت پڑے وجود کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اس پل زمانے کے سود و زیاں کا حساب پنجہ گاڑھے بیٹھا تھا۔
"کیا کھویا..... کیا پایا شافع الدین۔" آج کا دن غضب کا تھا۔ ان کا ضمیر انتہائی گہری نیند لے کر بیدار ہوا تھا۔ اور ہوش سنبھالتے ہی ان سے سوال و جواب طلب کرنے لگا۔
شافع الدین کے لبوں پر گہری خاموشی ٹھہر گئی۔ کھونے اور پانے کا احتساب کرتے تو خود کو خسارے میں ہی پاتے۔
"وہ محبت جو سراب بن چکی تھی ... اس کے واسطے محبت کی اس دیوی کو زندہ لاش بنا ڈالا۔" وہ آج ایک ایسی عدالت میں کھڑے تھے جہاں اپنی ذات کا احتساب کرنے والے بھی وہ خود تھے اور اپنی وکالت کرنے والے بھی خود تھے۔
"کیا جانتے ہو اس عورت کو.....؟ ان کے ضمیر نے اہم سوال اٹھایا۔
"ہاں.... جانتا ہوں!" انہوں نے آہستگی سے اقرار کیا۔
"کیا لگتی ہے تمہاری.....؟؟" ایک اور سوال کی صدا سنائی دی۔ مگر جواب میں خاموشی چھائی رہی۔
"کیا بہت اپنی ہے تمہاری.....؟" ضمیر نے ایک بار پھر ان کے دل کو ٹٹولا۔
"شاید.....!!" بہت آہستگی سے اقرار کیا۔
"کیا محبت کرتے ہو اس سے؟" اگلا سوال نہایت دشوار تھا۔ آفاق الدین کشمکش و پیچ میں مبتلا سے لب کاٹتے سفینہ کو دیکھتے چلے گئے۔
"کیا یہ عورت محبت کرتی ہے تم سے؟" اگلا سوال بھی محبت پر قائم تھا البتہ زاویہ بدل گیا تھا۔
"ہاں.....!" آفاق الدین نے بے ساختہ جواب دیا۔
"کیا زندگی تیاگ سکتی ہے تمہارے نام پر؟"
"تیاگ چکی ہے۔" سوال، جواب کے تسلسل میں رفتہ رفتہ تیزی آنے لگی۔
"جو تمہارے نام پر زندگی تیاگ چکی۔ اس کی زندگی اہم ہے تمہارے لئے؟" سوالات کا دائرہ ایک بار پھر ان کے گرد گھومنے لگا۔
"ہاں.........!" وہ بے ساختہ... پھر سے اقرار کر بیٹھے۔
"کیا اس کے وجود کی ضرورت ہے تمہیں.....؟"
"ہاں..... بہت !!! اس کے دم سے میرے گھر کی بنیادیں کھڑی ہیں۔ اس عورت کے وجود سے میری ذات کی تکمیل ممکن ہو پائی ہے۔" وہ شکستہ سے سفینہ کا سرد ہاتھ تھام کر ڈھتے چلے گئے۔
"محبت نہیں کرتے... مگر اس عورت کے بغیر زندگی بھی دشوار ہے تمہاری۔ تمہاری زندگی کا خاص حصہ بن چکی ہے۔ کوئی جذباتی لگاؤ نہیں۔ مگر..... دلی وابستگی ضرور ہے۔ یہ عورت تمہارے جینے کی وجہ ہے۔ مگر تم آج تک نہ جان سکے۔ یہ

عورت محبت تو نہیں ... لیکن ضرورت ہے تمہاری۔ محبت کے بغیر زندگی گزاری جاسکتی ہے شافع الدین مگر ضرورت کے بغیر نہیں۔ قدر کرو اس کی....اس کے وجود سے ہی تمہارے گھر کی بنیادیں قائم ہیں۔" فیصلہ ہو چکا تھا۔ ضمیر نے فیصلہ سفینہ کے حق میں سنا ڈالا تھا۔ شافع الدین سفینہ کا سپید و سرد ہاتھ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں لئے ڈبڈبائی نظروں سے انہیں دیکھتے چلے گئے۔ زندگی میں پہلی بار موی کی محبت پس نظر میں جا چکی تھی۔ یوں جیسے کبھی کوئی وجود ہی نہیں رکھتی ہو۔ اور سفینہ کا احساس یوں ان کے دل میں چھاتا چلا گیا جیسے اس ایک احساس کے علاوہ کوئی اور احساس ان کے لئے معنی ہی نہ رکھتا ہو۔

"لوٹ آؤ سفینہ....خدارا لوٹ آؤ۔ مت جاؤ... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔" وہ سفینہ کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگائے روتے ہوئے فریاد کرتے چلے گئے۔

✦✦✦

"شمع بیٹی تم نے شافع کو کہیں دیکھا ہے؟" وہ کوریڈور میں بیٹھی سامنے موجود آئی سی یو کے دروازے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ تب ہی آفاق الدین پریشانی کے عالم میں ان کے پاس چلے آئے۔

"بابا امی کے پاس ہیں تایا بابا....!" شمع نے آفاق الدین کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"شافع ...سفینہ کے پاس ہے..." آفاق الدین کو ایکدم سے خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوئے۔

"جی تایا بابا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے بابا کو امی کیلئے فکر مند ہوتے دیکھا ہے۔ وہ ہسپتال [illegible] گئے ہیں۔" شمع مسکراتے ہوئے انہیں بتانے لگی۔

"شافع الدین کو آج اگر سفینہ کے ساتھ اپنے کی گئی زیادتیوں کا احساس ہو رہا ہے تو یہ اس کے اندر در آنے والی انتہائی خوشگوار تبدیلی ہے۔ میں ہمیشہ شافع اور سفینہ کے تعلقات کو لے کر فکر مند رہتا تھا اور آج جب شافع سفینہ کے ساتھ ہے تو مجھے بے انتہا خوشی ہے۔ مگر بیٹی اس وقت شافع کو تمہیں لے کر حویلی جانا ہوگا۔" آفاق الدین متفکر سے شمع کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"امی کو اس حالت میں یہاں تنہا چھوڑ کر میں اور بابا حویلی کیسے جا سکتے ہیں تایا بابا۔" شمع الجھن بھرے انداز میں انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"بات یہ ہے کہ بیٹا یہاں بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہونے والا ہے۔ ملک شاہ ویز کو ہوش آچکا ہے۔ اور پولیس اس کا بیان لینے یہاں ہسپتال میں بھی پہنچ چکی ہے۔ اگر اس نے شافع کا نام لے لیا تو شافع کو اسی وقت ہسپتال سے ہی حراست میں لے لیا جائے گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم سب لوگ یہاں سے جلد از جلد حویلی کیلئے روانہ ہو جاؤ۔" آفاق الدین، شمع کو ساری تفصیل سنانے لگے۔ شمع کے چہرے پر بھی یکلخت تفکر کی لکیریں کھنچ گئی۔

"آفاق بھائی کیا بات ہے۔ پریشان نظر آ رہے ہیں آپ؟" شافع الدین اسی لمحے آئی سی یو سے باہر نکلے تھے۔ بڑے بھائی کو یوں پریشان دیکھ کر فوراً سے قریب آ کر فکر مندی سے پوچھنے لگے۔

"خیریت نہیں ہے شافع ....." آفاق الدین، شافع الدین کی جانب متوجہ ہو کر انہیں اچانک در پیش مسئلہ سمجھانے لگے۔

''میں ان ملکوں سے ڈرتا نہیں ہوں آفاق بھائی۔ وہ کمینہ شاہ ویز ہے ہی اس لائق کہ اسے گلی محلے کا آوارہ پاگل کتا سمجھ کر جان سے مار دیا جائے۔ خس کم جہاں پاک۔'' آفاق الدین اپنی ازلی ہٹ دھرمی کے ساتھ زہر خند لہجے میں بولے۔

''ہوش کے ناخن لو شافع الدین۔ تمہاری اس حرکت کے ساتھ شمع بیٹی کی عزت بھی داؤ پر لگی ہے۔ جو بات اب تک بڑی مشکلوں سے ہم نے دبا رکھی ہے تم کیوں چاہتے ہو کہ وہ بات کھل کر سب کی زبانوں پر عام ہو جائے۔'' آفاق الدین خفگی بھرے انداز میں اپنے چھوٹے مگر انتہائی جذباتی بھائی کو جھڑکتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب آفاق بھائی....؟'' شافع الدین نے نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''مطلب صاف ہے شافع۔ شاہ ویز نے ہماری بچی کو اغواء کیا تھا۔ اسی وجہ سے تم نے اس پر حملہ کیا۔ کیا چاہتے ہو کہ یہ بات فیض پور کے گھر گھر تک پھیل جائے.... یہاں اگر پولیس نے تمہیں حراست میں لینے کی کوشش کی تو ہمارے خاندان کی عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ کیا کہیں گے یہ لوگ... کہ ملکوں کے غنڈوں سے حویلی والے اپنے گھر کی عزت کی حفاظت تک نہ کر سکے۔ ہرایرے غیرے کی نگاہ ہمارے بچی پر اٹھنا شروع ہو جائے گی۔ میری بات مانو۔ شمع بیٹی کو ساتھ لو۔ حویلی جاؤ۔ میں یہاں معاملات سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے بھائی صاحب۔ میں شمع کو لے کر حویلی جا رہا ہوں۔'' آفاق الدین کے حقیقت دکھانے پر شافع الدین معاملے کی گھمبیرتا کو سمجھتے ہوئے، شرمندہ سی سر جھکائے کھڑی شمع کو ساتھ لے کر وہاں سے چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی آفاق الدین پریشانی کے عالم میں موبائل پر کال ملا کر بات کرنے لگے۔ گفتگو ختم کرتے ہی وہ جیسے ہی پلٹے ان کا سامنے ملک جمیل سے ہوا۔ ملک جمیل ان کے عقب میں کھڑے جیسے ان کی گفتگو سے فارغ ہونے کے ہی منتظر تھے۔ ان کے پلٹتے ہی انگارے بھری نظروں سے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولے۔

''آفاق الدین.... میں نے بہت کوشش کی کہ یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے نمٹ جائے مگر شافع الدین اور تمہاری ماں نے آگ لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ میرے بیٹے پر جان لیوا حملے کی کوشش تم حویلی والوں کیلئے قیامت ثابت ہو گی آفاق الدین۔ شافع الدین کو یہاں سے فرار کر کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ میں خود پولیس لے کر حویلی جاؤں گا اور شافع الدین کو ہتھکڑیاں لگواؤں گا۔'' ملک جمیل منہ سے شعلے اگلتے وہاں سے جانے لگے۔

''جمیل رکو...... میری بات سنو...!!!''

اافاق الدین روکتے رہ گئے مگر ملک جمیل ان کی صداؤں کو سنی ان سنی کرتے وہاں سے تن فن کرتے چلے گئے۔ اافاق الدین مضطرب سی کیفیت میں سوچتے ہوئے موبائل پھر سے کال ملانے لگے۔

''ہیلو.... ہاں سکندر...!!'' کال پر رابطہ ہوتے ہی وہ بے تابی سے بولے۔

✧✧✧

لاؤنج میں سیما اور شہنیلہ بیٹھیں باتیں کر رہی تھیں۔ عالیان وہیں بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔ جبکہ نویرا ٹرے میں چائے کی خالی پیالیاں سمیٹ رہی تھی تب ہی سکندر حواس باختگی

کے عالم میں لاؤنج میں داخل ہوئے۔
''سیما.... سیما کہاں ہو تم؟'' اُن کے یوں پکارنے پر وہ سب ہی چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔
''کیا بات ہے سکندر.... خیریت تو ہے؟ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟'' سیما حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے بولیں۔
''خیریت نہیں ہے سیما۔ بہت بڑی مصیبت آن پڑی ہے۔ مجھے اسی وقت فیض پور کے لئے نکلنا ہوگا۔'' سکندر نے پریشانی کے عالم میں کہہ کر سیما کے حواسوں پر دھما کہ کر ڈالا۔
''فیض پور جانا ہوگا....؟ اس طرح اچانک ... مگر کیوں سکندر؟'' وہ بری طرح گھبرائی ہوئیں سوال پر سوال کرنے لگیں۔ عالیان نے بھی پریشان و حیران سے انداز میں باپ کو دیکھا۔
''اوہو سیما.... بس سمجھو قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ شافع بھائی اس وقت نہایت مشکل میں ہیں۔ میرے پاس آفاق بھائی کی کال آئی تھی۔ بیحد پریشان ہیں وہ۔ انہیں اس وقت میرے ساتھ کی ضرورت ہے سیما۔ مجھے جانا ہوگا۔'' سکندر حواس باختگی کے عالم میں انہیں مختصراً تفصیل سنانے لگے۔
''لیکن سکندر....!!'' سیما کے حواس سکندر کے فیض پور جانے کا سنتے ہی مختل ہونے لگے۔ وہ سکندر کو سمجھانے کی غرض سے بولیں۔ مگر سکندر تیزی سے ان کی بات کاٹتے ہوئے جھنجلائے ہوئے انداز میں با آواز بلند بول پڑے۔
''اوہو سیما.... یہ وقت لیکن ویکن کا نہیں ہے۔ میرے خاندان کو میرے بھائیوں کو اس وقت میرے ساتھ کی ضرورت ہے۔ اور میں ان کی پکار پر یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ تم جلدی آؤ اور پیکنگ کرو۔ مجھے فوراً نکلنا ہے۔'' سکندر اتنا کہہ کر واپس جانے کو پلٹے۔ سیما اپنا یوں رد کیا جانا بری طرح محسوس کر کے کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ عالیان نے انہیں اشارے سے روکتے ہوئے سکندر کو پکارا۔
''بابا...!!'' سکندر کے آگے بڑھتے قدم رک گئے۔ انہوں نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔
''میں بھی آپ کے ساتھ فیض پور چلوں گا۔'' عالیان نے مضبوط لہجے میں کہا۔ سکندر کے چہرے پر بے تحاشہ خوشی دوڑ گئی۔
جبکہ سیما اور نوریا نے شاکڈ سی کیفیت میں عالیان کو دیکھا تھا۔

❖❖❖

گاڑی حویلی کے احاطے میں رکتے ہی سبین طمطراق کے عالم میں گاڑی سے اتری۔ حویلی کے ملازمین سبین کو دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔ اس نے ایک سرسری سی نظر ملازمین کے سلام کرنے پر ڈالی اور بے نیازی سے ڈرائیور کو مخاطب کرتے کہہ کر آگے بڑھنے لگی۔
''ڈرائیور میرا سامان ان ملازمین کے ساتھ حویلی میں رکھوا دینا۔'' ڈرائیور مستعدی سے سبین کا سامان حویلی کے ملازمین کے حوالے کرنے لگا۔ سبین نے چند قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ حویلی کا گیٹ وا ہوا اور گاڑی برق رفتاری سے اندر داخل ہوئیں۔ سبین گاڑی کو دیکھتے ہوئے ٹھٹھک کر وہیں رک گئی۔ گاڑی رکتے ہی نجم النساء اور انیسہ باہر نکل آئیں۔ سبین مسکراتے ہوئے انیسہ اور نجم النساء کی جانب بڑھی۔
''اسلام علیکم خالہ ...! نجم النساء کو سلام کرتے وہ انیسہ کی جانب متوجہ ہو کر گلے جا لگی۔
ٹھیک اسی لمحے دوسری گاڑی بھی حویلی کے

احاطے میں آ رکی۔ شمع شافع الدین کی معیت میں گاڑی سے اترنے لگی۔ سبین کی نظریں شمع پر ٹھہر سے گئیں۔ اس کی نگاہوں میں تحیر پھیلتا چلا گیا۔ ایک جھٹکے سے وہ انیسہ سے الگ ہوئی۔

"خالہ آپ تو کہہ رہی تھیں اسے ملک شاہ ویز اٹھا لے گیا۔ پھر کہاں سے آ گئی یہ؟؟" وہ حیرت زدہ سی انیسہ سے استفسار کرنے لگی۔

"ملک شاہ ویز تو اٹھا لے گیا تھا۔ مگر اتنی آسانی سے یہ چھل پیری جان چھوڑنے والی نہیں۔ ملک جمیل اسے واپس حویلی چھوڑ کر گیا ہے آدھی رات کو۔" انیسہ زہریلی نظروں سے شمع کو گھور کر حویلی کے اندر چلی گئی۔ سبین نے بھی ایک چلچلاتی نگاہ شمع کے وجود پر ڈالی۔ اور غصے سے پیر پٹخ کر انیسہ کے پیچھے حویلی کے اندر داخل ہو گئی۔ راستے پھر اس نے حذیفہ کو اپنی جانب ریجھانے کیلئے کئی منصوبے بنا رکھے تھے۔ مگر شمع کو یوں سامنے دیکھ کر وہ سارے منصوبے اسے ملیامیٹ ہوتے دکھائی دینے لگے۔

⁂

شافع الدین اپنے کمرے میں مضطرب سی کیفیت میں بیٹھے تیزی سے بدلتے تشویشناک حالات کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ تب ہی نجم النساء ان کے کمرے میں چلی آئیں۔ انہیں پریشان سا بیٹھا دیکھ کر وہ ہولے سے پکار اٹھیں۔

"شافع الدین...!"

"اماں یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کے پیچھے ضرور کوئی بات ہے۔" شافع الدین ماں کو سامنے پاتے ہی بے اختیار بول اٹھے۔

"کیا مطلب شافع الدین۔ کس طرح کی بات کا ذکر کر رہے ہو تم؟" نجم النساء نے اچھنبے سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا اور سامنے مسہری پر جا بیٹھیں۔

"کوئی بات ہے اماں جو حذیفہ ہم سب سے چھپا رہا ہے۔ ملک شاہ ویز نے ایسے ہی ہم سے دشمنی نہیں نکالی ہے۔ کوئی راز ہے جو حذیفہ سے جڑا ہے اور وہ ہم سب سے چھپا رہا ہے۔" شافع الدین ملک شاہ ویز کی باتوں کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو شافع الدین۔ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے جو حذیفہ کو ہم سب سے چھپانی پڑ جائے۔" نجم النساء نا سمجھی سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اگر میں یہ بات جان جاتا تو آپ سے کیوں ذکر کرتا اماں۔" وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولے۔

"تو جب جانتے ہی نہیں ہو کچھ، تو یہ باتیں بنا ہی کیوں رہے ہو۔" نجم النساء بھی بیٹے کی جھنجھلاہٹ پر بگڑتے ہوئے بولیں۔

"بنا سوچے سمجھے یہ باتیں نہیں کر رہا اماں۔ ملک شاہ ویز نے کہیں ہیں یہ باتیں مجھ سے۔ طعنہ دیا ہے اس نے حویلی والوں کی عزت کا جب سر پیٹنا کا وقت آتا ہے تب ہم حویلی والوں کو ہوش آتا ہے۔ ایسا کیا ہوا ہے ہماری ناک کے نیچے جس کی خبر ملکوں کو ہے مگر ہمیں نہیں۔" شافع الدین ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔ ان کے انداز میں بے چینی تھی، اضطراب تھا۔

"بکواس کر رہا ہے یہ کم بخت ملک شاہ ویز۔ فساد ڈال رہا ہے ہم سب کے رشتوں میں۔ اور تم ہمیشہ کے جذباتی۔ اس کی باتوں میں فوراً سے آ کر اپنے خونی رشتوں پر شک کرنے لگے۔ مت بھولو کہ حذیفہ صرف تمہارا بھتیجا ہی نہیں بلکہ ہونے والا داماد بھی ہے۔ اس پر شک کرنا چھوڑا

شافع الدین۔ اور اپنی فکر کرو۔" نجم النساء، بیٹے کی باتوں پر سر جھٹکتے ہوئے خوب جھاڑ پلا گئیں۔ ان کی نزدیک شافع الدین کے ان شکوک و شبہات کی رتی بھر بھی اہمیت نہ تھی۔

"حذیفہ میرا ہونے والا داماد ہے اسی لئے زیادہ فکرمند ہوں اماں۔ اور میرے ساتھ ساتھ اب آپ بھی آنکھیں کھول لیں۔ کیونکہ جس فساد کا ذکر آپ کر رہی ہیں وہ فساد انیسہ بھابھی ہمارے درمیان ڈالنے کو تیار بیٹھیں ہیں۔" شافع الدین واپس بیٹھتے ہوئے اپنے کہے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ماں کو دیکھ کر بولے۔

"کیا مطلب.... کیا' کیا ہے انیسہ نے؟ انیسہ کے ذکر پر نجم النساء ایکدم سے چونکیں۔

"میری بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھا رہی تھیں وہ۔ اسے حذیفہ کی نظروں میں بدکردار ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں وہ۔ میں نے خود اپنی کانوں سے سنا ہے اماں۔ وہ حذیفہ کے دل میں شمع کیلئے بدگمانی پیدا کرنا چاہ رہی ہیں اماں۔" شافع الدین وہ ساری باتیں جو انہوں نے انیسہ کو حذیفہ سے کہتے سنیں تھیں نجم النساء کو بتانے لگے۔ نجم النساء کے چہرے پر بھی تفکر بھری لکیریں نمایاں ہونے لگیں۔

"یہ بات جان لیں اماں۔ شمع کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کا ذمہ دار حذیفہ ہے۔ ملک شاہ ویز نے اس کی دشمنی میں شمع کو اغواء کیا تھا۔ اور اگر انیسہ بھابھی نے میری بیٹی کو بدکردار ثابت کرنے کی کوشش کی تو میں انہیں بخشوں گا نہیں۔ اور اس کے لئے مجھے یہ پتا لگانا ضروری ہے کہ حذیفہ آخر کون سا راز چھپا رہا ہے۔" شافع الدین بولتے بولتے سوچ میں پڑ گئے۔ نجم النساء بھی پریشان کن نگاہوں سے شافع الدین کو دیکھ کر انیسہ کے متعلق سوچنے لگیں۔ جب سے شمع کے اغواء کا معاملہ اٹھا تھا تب سے ہی انیسہ کے تیور کافی بدلے بدلے تھے۔ وہ یہ بات بخوبی جانتی تھیں کہ حذیفہ اور شمع کا رشتہ انیسہ نے کبھی دل سے نہیں قبول کیا تھا۔ اور شمع سے ان کا رویہ عموماً اکھڑا اکھڑا ہی رہتا تھا۔ مگر نجم النساء نے ان باتوں کی کبھی پرواہ نہیں کی تھی۔ وہ اس گھر سیاہ و سفید کی مالکن تھیں۔ کرتا دھرتا تھیں۔ ان کے فیصلے پر کسی کا دل راضی ہو یا نہ ہو، ہر حال میں ماننا پڑتا تھا۔ حذیفہ اور شمع کا رشتہ انہوں نے ان کے بچپن سے ہی طے کر رکھا تھا۔ اور ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ ان کے دونوں بیٹے ان کے فیصلے سے خوش اور مطمئن تھے، مگر اب صورتحال یکسر طور پر بدل چکی تھی۔ انیسہ کے دل میں پلتا بغض و نفرت اب عود کر سامنے نکل رہا تھا۔ اور اس عناد کا رنگ انتہائی بدنما تھا۔ نجم النساء، انیسہ کے مزاج کے بدلتے رنگ پر ابھی سوچ ہی رہیں تھیں کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں بری طرح چونکا ڈالا۔

"آجاؤ....!" شافع الدین نے کرخت لہجے میں دستک کا جواب دیا۔ اجازت ملتے ہی حویلی کی ملازمہ دروازہ کھول کر گھبرائے ہوئے انداز میں داخل ہوئی۔ اور ان دونوں کو باری باری دیکھ کر پریشان کن لہجے میں بولی۔

"بڑی بیگم صاحبہ ... نیچے پولیس آئی ہے۔ اور .....؟ ملازمہ اتنا کہہ کر ایکدم سے چپ ہوگئی۔

"اور کیا.....جلدی کہو۔" نجم النساء نے اس کی خاموشی پر گھر کا۔

"ملک جمیل بھی پولیس کے ساتھ آیا ہے۔" ملازمہ جلدی سے اپنی بات مکمل کر کے چلی گئی۔ نجم النساء معاملے کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے ایک

دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آفاق کو کال ملاؤ۔'' شافع الدین ماں کی ہدایت پر سر ہلاتے ہوئے آفاق الدین کو کال ملانے لگے۔

❖❖❖

''یہ تم نے کیا' کیا عالیان....؟؟؟'' عالیان کمرے میں اپنے کپڑے اٹیچی میں رکھ رہا تھا۔ تب ہی سیما غصّے سے جھنجھلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں اور اس پر برس پڑیں۔

''مما میں..... '' عالیان نے پلٹ کر ماں کو دیکھا۔اور ہاتھوں میں پکڑی قمیض کو بستر پر رکھ کر ماں کی جانب بڑھتے ہوئے سمجھانا چاہا۔ مگر سیما جیسے اس کی کسی بات کو سننے کیلئے راضی ہی نہ تھیں۔ ایکدم سے عالیان کی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں بولیں۔

''کیا میں عالیان.....تم نے وہی کیا جو سکندر تم سے چاہتے تھے۔''

''مما آپ میری بات تو سنیں....'' عالیان نے ان کا ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا۔

''فیض پور والوں کی حقیقت، ان کے ارادے سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم سکندر کے ساتھ وہاں جانے کیلئے تیار کھڑے ہو۔سکندر کی طرح تم نے بھی مجھے اکیلا چھوڑ دیا عالیان۔'' مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے دکھی انداز میں دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ کو اکیلا نہیں چھوڑا مما... میں اگر بابا کے ساتھ فیض پور جا رہا ہوں تو صرف آپ کی خاطر..!!'' عالیان ماں کو دیکھ کر اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری خاطر فیض پور جا رہے ہو۔ کیا مطلب اس بات کا عالیان۔'' سیما حیرت زدہ

''جی... آپ کی خاطر۔ فیض پور کی صورتحال اور بابا کی جذباتی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے میں بابا کو وہاں اکیلا جانے نہیں دے سکتا مما۔'' وہ انہیں دونوں شانوں سے نرمی سے تھام کر دھیمے لہجے میں سمجھانے لگا۔ سیما، عالیان کو بغور دیکھتے اس کی بات چپ سادھے سننے لگیں۔

''مما.....نہ جانے حویلی والے ان دنوں کن مسئلے مسائل میں گھرے ہیں۔ اور بابا کے وہاں جانے کے بعد حالات کس قدر پیچیدہ ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ ہم یہاں بیٹھ کر نہیں لگا سکتے۔ دادی کی شرائط سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ ایک سخت مزاج خاتون ہیں۔ بابا کو اکیلا اور جذباتی طور پر کمزور جان کر وہ انہیں ہمارے خلاف نہ کھڑا کر ڈالیں۔ اسی خدشے کے پیش نظر کہ وہاں بابا کوئی ایسا فیصلہ یا قدم نہ اٹھالیں جس سے میری ماں کے تشخص یا ہم میں سے کسی کی زندگی متاثر ہو۔ میں ان کے ساتھ فیض پور جا رہا ہوں۔'' عالیان نے اپنے فیض پور جانے کی وجہ ماں کو تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اوہ عالیان.....تو تم اس وجہ سے فیض پور جانا چاہتے ہو کہ وہاں سکندر کو کسی غلط فیصلے، جذباتی لغزش سے بچا سکو۔ سوری بیٹا میں اس غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی کہ تم بھی اپنے بابا کی طرح جذباتی پن کا شکار ہو کر فیض پور جانے کی بات کر رہے ہو۔ مگر شکر ہے کہ میری سوچ غلط تھی۔ اور تم وہاں ہماری خاطر، اپنے بابا کی خاطر جانا چاہتے ہو۔'' سیما ایکدم سے مطمئن ہو کر بیٹے کو سرشارسی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ جب سے عالیان نے سکندر کے ساتھ فیض پور جانے کی بات کہی تھی تب سے وہ ہزار طرح کے

خدشات کا شکار ہو چکی تھیں۔ مگر اب عالیان کے کہے گئے ایک ایک لفظ نے ان کے دل پر چھائی کثافت کو دور کر کے مکمل طور پر مطمئن کر ڈالا تھا۔

"آپ کو تو اطمینان ہو گیا مما مگر میرے لئے ابھی ایک امتحان اور باقی ہے۔" عالیان مسکرا کر ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"جانتی ہوں.... اور اس امتحان کا نام ہے نوریا۔" سیما نے ہنستے ہوئے عالیان کے بالوں کو ممتا بھرے انداز میں سہلایا۔ عالیان بے ساختہ مسکرا اٹھا۔ پھر نوریا کو سوچتے ہوئے بولا۔

"یقیناً وہ بھی مجھ سے بدگمان ہوئی بیٹھی ہو گی ناں مما۔"

"ہونہہ.....!! بدگمان تو نہیں مگر میری طرح ہزار خدشات میں ضرور گھری بیٹھی ہے۔ میری طرح اس کی امیدوں کا واحد مرکز بھی تو تم ہو ناں عالیان۔ بہت محبت کرتی ہے تم سے۔ اور جب کسی کے وجود میں محبت سانس لیتی ہے۔ تو اس کے ساتھ جدائی کے خوف و خدشات بھی رگ جاں میں انگڑائیاں لیتے ہیں۔ جاؤ بیٹا اس کا ڈر وخوف بھی دور کر ڈالو، اسے بھی سمجھاؤ کہ تم فیض پور ہم سب کے مستقبل اور سکندر کو کسی بھی طرح کے غلط قدم اٹھانے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے جا رہے ہو۔" سیما مدھم مسکراہٹ کے ساتھ عالیان کو نرمی سے سمجھا کر شانے تھپتھپاتے ہوئے کمرے سے چلی گئیں۔

"نوری..... تمہیں سمجھانے سے زیادہ مشکل میرے لئے تمہارے چہرے پر اداسی دیکھنا ہے۔" عالیان نوریا کا اداس چہرہ تصور کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔

"تمہیں ہزار خدشات میں گھرا چھوڑ کر تم سے دور جانا میرے لئے بھی آسان نہیں... مگر ہم سب کی خاطر مجھے اور تمہیں اس امتحان سے گزرنا پڑے گا۔" وہ دل ہی دل میں نوریا سے مخاطب ہوتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

✦✦✦

"میری حویلی میں اپنے ان کرائے کے بندوں کے ساتھ قدم رکھنے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی ملک جمیل۔" نجم النساء نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے نیچے لاؤنج میں ملک جمیل کو علاقے کے انسپکٹر وسپاہیوں کے ساتھ کھڑا دیکھ کر کرخت و بلند لہجے میں کہا۔

"چوہدرائن بی بی..... آپ کی حویلی میں ہمارا مجرم چھپا ہے۔ اور قانون کو ہر اس چوکھٹ کو پھلانگنے کی اجازت حاصل ہے جہاں مجرم کا کوئی نشان ملے۔" انسپکٹر نے نجم النساء کے طنز وحقارت بھرے الفاظ پر سخت برا مانتے ہوئے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

"یہ تم مجرم کسے کہہ رہے ہو انسپکٹر۔ حویلی ہم جیسے باعزت لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔ مجرموں کو ڈھونڈنا ہے تو جا کر ملک صاحب کے فارموں پر چھاپہ مارو۔" نجم النساء نے طنزیہ نگاہوں سے ملک جمیل کو گھورتے ہوئے طنز کیا۔

"معذرت چاہتا ہوں چوہدرائن بی بی۔ اس بار مجرم ہمارے فارم ہاؤسز میں نہیں..... بلکہ اس اس عزت دار حویلی کے بلند در و دیوار میں چھپا بیٹھا ہے۔ بلایئے شافع الدین کو۔" اس بار سخت لہجے میں جواب ملک جمیل نے دیا تھا۔

"کیوں... کیا' کیا ہے شافع الدین نے؟" نجم النساء نے انجان بن کر تڑخ کر سوال کیا۔

"شافع الدین نے میرے بیٹے پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اور اس کا یہ جرم میں کسی صورت معاف کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں چوہدرائن بی بی۔" ملک جمیل چند قدم آگے بڑھ کر نجم النساء کے

روبرو کھڑے ہوتے ہوئے سخت لہجے میں بولے۔

''اس بات کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس ملک جمیل کے تمہارے بیٹے پر قاتلانہ حملہ شافع الدین نے کیا ہے۔'' نجم النساء نے بھی تم تنک کر دوبدو سوال کیا۔

''شاہ ویز نے ہوش میں آنے کے بعد خود بیان دیا ہے چوہدرائن بی بی۔'' نجم النساء کے اس سوال کا جواب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر دیا تھا۔

''ہونہہ.....!! ملک شاہ ویز کے بیان کی کیا اہمیت انسپکٹر۔ ارے وہ تو فیض پور کا سب سے بڑا بدمعاش ہے۔ اس کے واہیات کرتوت کی داستان تو پورا فیض پور جانتا ہے۔ ایسے اوباش انسان کے دشمن تو ہر جگہ پھیلے ہوتے ہیں۔ نکالی ہوگی کسی نے اپنی پرانی دشمنی اور بھاگ نکلا ہوگا گولیاں برسا کر۔ بھلا میرے شافع الدین کو کیا ضرورت پڑی ہے ملک شاہ ویز کے گندے خون سے اپنا ہاتھ آلودہ کرنے کی۔'' نجم النساء کے لہجے میں ملکوں کیلئے نفرت ہی نہیں حقارت بھی چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ حویلی میں مچتے شور و بحث کی آواز سن کر انیسہ اور سبین بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئیں تھیں۔ ملک جمیل کو پولیس کے ساتھ لاؤنج میں کھڑا پا کر سبین نے حیرانگی سے انیسہ کو دیکھ کر اشارے میں سوال کیا۔ انیسہ اسے خاموشی کا اشارہ کر ملک جمیل کی جانب متوجہ ہوگئیں۔ ٹھیک اسی پل شمع بھی ملازمہ کی اطلاع پر اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ سبین کی نظر اتفاقاً اس پر پڑی تو چہرے پر تناؤ پھیلتا چلا گیا۔

''ہونہہ... تمہارا دعویٰ ہے کہ ملک شاہ ویز نے تمہیں چھوا تک نہیں۔ کیسے روکا وگا تم نے اپنے اس حسن کے ساتھ اس حیوان کو۔ میں بہت اچھی طرح اسے جانتی ہوں شمع بی بی۔ اس کے ہتھے چڑھنے والی کوئی بھی لڑکی اپنی ناموس پر فخر کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ میں خوش نصیب تھی کہ مجھے حذیفہ نے اس شیطان سے بچالیا۔ مگر تم انتہائی بدنصیب ہو شمع کہ تم سے بے تحاشہ محبت کرنے کے باوجود حذیفہ تمہیں ملک شاہ ویز کے چنگل سے محفوظ نہ کرسکا۔ اور تمہارے نصیب میں لگی بدنامی کی یہ سیاہی کا رنگ میں کبھی ماند پڑنے بھی نہیں دوں گی۔ میں حذیفہ کے دل میں تمہارے لئے اس قدر نفرت بھر دوں گی تمہارے لئے اس کا ساتھ کسی عذاب سے کم ثابت نہ ہوگا۔'' سبین، شمع کو گھورتے ہوئے دل ہی دل میں اپنے ارادے باندھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت شمع کیلئے نفرت ہی نفرت تھی۔ وہ نہ جانے اور کیا کیا سوچنے لگ جاتی مگر ملک جمیل کی گرجتی آواز نے اس کے دھیان کو یکلخت اپنی جانب مبذول کرڈالا۔

''بس چوہدرائن بی بی بس..... یہ تو آپ بھی بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ شافع الدین نے میرے بیٹے پر حملہ کیوں کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ شافع الدین کی بیٹی کی عزت فیض پور کی فضاؤں میں اچھلے مگر شاید آپ اب تک حالات و معاملات کی سنگینی کو سمجھ نہیں پائی ہیں۔ تب ہی اس طرح کی باتیں کر کے نفرت کی آگ کو مزید بھڑکانے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' ملک جمیل کی بات پر شمع کے چہرے کا رنگ ایکدم سے پھیکا پڑ گیا۔ انیسہ نے اس پل جتاتی نظروں سے شمع کو دیکھا۔ مگر شمع کی نظر ہنوز ملک جمیل پر ٹکی ہوئی تھی۔

''اپنی حد میں رہو ملک جمیل۔ میری حویلی میں کھڑے ہو کر مجھے دھمکانے کی ہمت کہیں

اپنی زبان سے نہ نکالنا ملک جمیل۔ حویلی کی عورتوں پر نظر رکھنا تم ملکوں کا خاندانی شیوہ ہے۔ مگر تم لوگوں کا یہ شوق نہ میں نے پہلے پورا ہونے دیا تھا نہ اب پورا ہونے دوں گی۔'' نجم النساء غراتے ہوئے ملک جمیل کو گھورتے ہوئے بولیں۔ شافع الدین اپنے کمرے میں بیٹھے بلند آواز ہوتی گفتگو سن رہے تھے۔ بات جب حد سے بڑھنے لگی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

''چوہدرائن بی بی.... آپ کی ان ہی شوریدہ سر باتوں نے ماضی میں بھی فساد برپا رکھا تھا اور آج بھی آپ کے ارادے ویسے ہی ہیں۔ حویلی کی جس عزت و ناموس کی آپ بات کر رہی ہیں اسے آپ لوگوں تک با حفاظت پہچانے والا میں ہی ہوں۔ اگر آپ شافع الدین کو چھپانے کی کوشش کریں گیں تو اب تک جو میں نے آپ کی پوتی کے اغواء پر پردہ ڈالے رکھا تھا۔ اس پردے کو الٹنے میں دیر نہیں کروں گا۔'' نجم النساء کی پُرطیش باتوں پر ملک جمیل بھی غصے میں آتے ہوئے بولے۔ شمع، ملک جمیل کی بات پر جی جان سے لرز اٹھی۔ اسی پل اس کی نظریں کچھ فاصلے پر موجود انیسہ اور سبین کی جانب اٹھیں۔ ان دونوں کی نظروں سے جھلکتا استہزاء اور تضحیک شمع کے دل کو مزید ہولا گیا۔

''یا اللہ....!! یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔ یہ کس جرم کی سزا مل رہی ہے مجھے۔ بے گناہ ہو کر بھی مجھے ہر کوئی مجرم کیوں ٹھہرانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی اپنے دل کا حال اللہ سے بیان کرنے لگی۔

''میری پوتی کا اغواء.... کیسی دیوانوں سی باتیں کر رہے ہو ملک جمیل۔ میری پوتی اپنے گھر جا کر۔'' نجم النساء، ملک جمیل کو دیکھ کر مکاری سے بولیں۔

''حقیقت سے مکرنے کا یہ کھیل بہت پرانا ہو چکا ہے چوہدرائن بی بی۔ آپ کو کیا لگتا ہے شمع کل سارا دن جب گھر سے غائب ہوئی تھی تو کیا ہوا میں معلق رہی تھی۔ وہ کہاں تھی... اس کے گواہ موجود تھے۔ آپ کیلئے بہتر ہوگا کہ اس کریہہ کھیل کو کھیلنے سے پرہیز کریں جس میں ہار صرف آپ کی ہے۔'' ملک جمیل کے منہ توڑ جواب پر نجم النساء ایک دم سے طیش میں آگئیں۔

''کیسا کھیل ملک جمیل تم بھول رہے ہو کہ تمہارے بیٹے نے میرے پوتے کو دن دہاڑے مار پیٹ کر زخمی کر ڈالا۔ اور اس کے گواہ بھی میرے پاس موجود ہیں۔ یہ میری شرافت ہے جو تمہارے بیٹے پر اب تک کوئی کیس نہیں کروایا۔ ورنہ اس وقت تمہارا بیٹا ہسپتال میں نہیں حوالات میں پڑا گل سڑ رہا ہوتا۔ اور تم یہاں منہ اٹھائے چلے آئے میرے بیٹے پر الزام لگانے۔ کوئی ثبوت لاؤ ملک جمیل، کوئی گواہ لاؤ تب میں مانوں گی کہ میرے بیٹے نے تمہارے بیٹے پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اب جا سکتے ہو تم۔'' نجم النساء اتنا کہہ کر سر جھٹکتیں، واپس سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

''رک جائیں چوہدرائن بی بی۔ سب سے بڑی گواہی تو خود ملک شاہ ویز کی ہے اور پھر بھی اگر آپ کو ثبوت چاہئے تو یہ رہا ثبوت....'' انسپکٹر نے ایک نظر ملک جمیل کو دیکھا اور آگے بڑھ کر نجم النساء کو سپاٹ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے ایک پیکٹ میں موجود انگوٹھی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ نجم النساء کے بڑھتے قدم

۔ وہ بے اختیار پلٹ کر اس پیکٹ میں موجود انگوٹھی کو دیکھنے لگیں۔

''یہ انگوٹھی تو پہچانتی ہیں ناں آپ.....آپ کے بیٹے شافع لدین کی ہے۔ یہ انگوٹھی ہمیں جائے وقوع سے ملی۔ یقیناً ملک شاہ ویز سے ہاتھا پائی کے دوران یہ انگوٹھی وہاں گری ہوگی۔ اور اس کے گرنے کا خیال خود شافع الدین کو بھی نہیں ہوگا۔'' انسپیکٹر نے نجم النساء کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پر رعب لہجے میں کہا۔ نجم النساء کے چہرے کا رنگ متغیر ہو چلا۔ انہوں نے بے ساختہ نظریں اٹھا کر بالائی منزل پر شافع الدین کے کمرے کی جانب دیکھا۔ شافع الدین کمرے کے باہر کھڑا مضطرب سا اپنے ہاتھوں اور کبھی نجم النساء کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''میرے خیال سے اتنا ثبوت کافی ہے آپ کے اطمینان کیلئے۔ اب بلائیے شافع الدین کو۔ ورنہ مجبوراً مجھے شافع الدین کو گرفتار کرنے کیلئے پولیس کی نفری حویلی میں بھیجنی پڑے گی۔'' انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں نجم النساء اور پھر حویلی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے انسپیکٹر۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہوں۔'' شافع الدین نے سیڑھیاں اترتے ہوئے مستحکم لہجے میں کہا۔

انسپکٹر آگے بڑھ کر شافع الدین کو ہتھکڑیاں لگانے لگا۔ شمع سے یہ منظر نہ دیکھا گیا وہ بے اختیار سیڑھیاں اترتی نیچے آکر ملک جمیل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''پلیز..... ایک احسان آپ نے میری عزت کی حفاظت کر کے میری ذات پر کیا۔ ایک احسان آپ میرے بابا کو معاف کر کے کردیں۔'' وہ ہاتھ جوڑے ملک جمیل کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے فریاد کرنے لگی۔ ملک جمیل کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ قبل از کے وہ کچھ کہتے، شافع الدین نے سخت لہجے میں شمع کو دیکھ کر گھر کا۔

''تم یہاں سے جاؤ شمع۔'' باپ کی ڈانٹ پر شمع گھبرا کر بے ساختہ چند قدم پیچھے جا ہٹی۔

''تمہارے بیٹے کو مارنے کی کوشش میں نے ہی کی تھی ملک جمیل۔ اور افسوس مجھے صرف اس بات کا ہے کہ اتنی گولیاں کھانے کے بعد بھی وہ کم بخت زندہ بچ نکلا۔'' شافع الدین نے ملک جمیل کے روبرو ہو کر آہستہ مگر سفاک لہجے میں کہا۔

''وہ تو قسمت سے زندہ بچ نکلا شافع الدین۔ مگر تمہیں میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں تمہارے کیے کی سزا سے بچانے کی نہ کوئی صورت نکلے گی نہ قسمت کام آئے گی۔ تمہیں میں ہر حال میں سزا دلا کر ہی رہوں گا شافع الدین۔'' ملک جمیل نے دانت کچکچاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے حویلی سے باہر نکل گئے۔

''یہ تم نے کیا' کیا شافع الدین۔ اپنے کیے کا یوں اعلان کرنے کی ضرورت کیا تھی تمہیں۔'' نجم النساء نے کڑے تیوروں سے شافع الدین کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اماں جو میں نے کیا ہے اس پر مجھے کوئی پچھتاوہ نہیں ہے۔ اُس کمینے نے میری بیٹی، میرے فخر، میری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ میں اسے زندہ کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ مجھے اگر کسی بات کا پچھتاوہ ہے تو صرف ملک شاویز کے زندہ ہونے پر ہے اپنے کیے پر نہیں۔'' شافع الدین مضبوط لہجے میں شمع کو دیکھ کر اپنی ماں سے مخاطب ہوئے۔ پولیس انسپیکٹر کی معیت میں انہیں

ہتھکڑیاں لگا چکی تھی۔

''شافع الدین صاحب۔ جس دیدہ دلیری سے اپنے جرم کا اقرار آپ نے یہاں کیا ہے۔ غیرت مند ہوتو بالکل اسی طرح عدالت میں بھی اپنے جرم کا اقرار کرنا۔'' انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر شافع الدین کو دیکھ کر کہا اور سپاہیوں کو شافع الدین کو اپنے ہمراہ حویلی سے باہر لے جانے کا اشارہ کرتے وہاں سے باہر نکل گیا۔ سپاہی شافع الدین کو حراست میں لئے حویلی سے باہر چلے گئے۔

''بابا.....!! ''شمع باپ کو پکارتے، نڈھال سی صوفے پر ڈھے گئی۔

''شمع ...میری بچی ...!!'' نجم النساء بے اختیار شمع کی جانب بڑھیں۔

'' تمہیں یہ حرکت بہت مہنگی پڑنے والی ہے انسپکٹر۔ بہت غرور ہے تمہیں اپنی اس سرکاری ملازمت پر..... میرے بیٹے کو گرفتار کرنے کی جرأت تمہیں اس ملازمت سے ہاتھ دھو کر ادا کرنی پڑے گی۔ حویلی والوں کے اثر ورسوخ کا اندازہ شاید تمہیں اب تک نہیں ہوسکا تب ہی اتنی سنگین غلطی کر گئے۔ مگر فکر نہ کرو۔ نجم النساء بہت جلد تمہیں تمہاری غلطی کا احساس دلا دے گی۔'' شمع کو ہوش میں لانے کے ساتھ ساتھ ملازمین کو آواز دیتے ہوئے نجم النساء کے دل میں انتقام کی آگ بری طرح بھڑک اٹھی تھی۔

✦✦✦

نوریا گم صم سی لان میں گلاب کے پودے کے پاس کھڑی عالیان کے فیض پور جانے کے فیصلے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ جب بھی کسی بات سے پریشان ہوتی گھر کے اس چھوٹے سے باغیچے میں وقت گزارتی خوش رنگ وبُو سے سجا مختصر سا باغیچہ اپنی تر وتازگی کا احساس اس کے رگ وپے میں اتارتا تو اس کے حواسوں پر چھائی کثافت رفتہ رفتہ معدوم ہوتی چلی جاتی۔ مگر آج معاملہ الگ تھا۔ وہ حذیفہ کے فیصلے کو لے کر اس قدر پریشان تھی کہ پھولوں کی تازگی کا احساس اس کے اندر اپنا جادو جگانے سے قاصر تھا۔ وہ اپنے سوچ و خیال میں اس قدر غرق تھی کہ عالیان کے باغیچے میں آنے کی اسے خبر بھی نہ ہو سکی۔

''عالیان تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کیسے تم نے پھوپھا کے ساتھ فیض پور جانے کا فیصلہ کیسے کرلیا۔'' وہ اپنے سوچوں میں غلطاں جھنجھلائے ہوئے انداز میں زیرلب بڑبڑانے لگی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی یہ فکر پریشانی عالیان کی سماعتوں پر لمحے بھر میں دستک دے چکی ہے۔

'' تمہیں پھوپھا کو روکنا چاہئے تھا عالی مگر تم....!!'' وہ زچ سے انداز میں با آواز بلند بڑبڑاتے ہوئے پلٹی اور عالیان کو سامنے بڑے مطمئن سے انداز میں سینے میں ہاتھ باندھے کھڑا دیکھ کر بری طرح ٹھٹک اٹھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''عالی.....!!!'' وہ اس کی گہری نظروں سے گھبرا کر' پکارتے ہوئے اس کی جانب بڑھی۔

''تم کیوں جا رہے ہو فیض پور.....؟؟''
نوریا روہانسی سی اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''مما کی خاطر.....تمہاری خاطر نوری..... میری دنیا بابا اور تم دونوں کی ذات سے مکمل ہوتی ہے نوری۔ اور تم لوگوں کی خاطر مجھے فیض پور جانا ہوگا۔'' عالیان نوریا کا ہاتھ تھام کر نرم لہجے میں سمجھانے لگا۔

''ہماری خاطر...؟ کیسے عالی....؟؟ ہماری

حاظر فیض پور جانا کیوں ضروری ہے۔ کیوں نہیں سمجھ رہے ہو تم کہ فیض پور سے دوری ہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔" نوریا زچ سی اسے دیکھتے ہوئے سوال کرنے لگی۔

"سمجھتا ہوں۔ میں یہ بات سمجھتا ہوں نوری مگر بابا نہیں سمجھ رہے۔" وہ اس کے سوال پر بے بسی سے بولا۔

"تو پھوپھا کو سمجھاؤ ناں عالی۔ انہیں روکو فیض پور جانے سے۔ صرف تم ہو جو انہیں اپنے اس فیصلے سے باز رکھ سکتے ہو۔" نوریا تیزی سے بولی۔

"نوری تمہیں لگتا ہے کہ وہ میرے روکنے سے رک جائیں۔ وہ اس وقت جس جذباتی کیفیت کا شکار ہیں۔ فیض پور جائے بناء ان کا گزارہ ممکن نہیں۔ میں بابا کے مزاج ان کی فطرت سے واقف ہوں۔ جس بات کی انہیں ضد ہو جائے۔ وہ اس سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹتے۔"

عالیان اپنی بات پر زور دیتے ہوئے نوریا کو سمجھانے لگا۔

"تمہاری اس بات سے میں یہ سمجھوں عالی کہ تم نے پھوپھا کی اس ضد کے آگے ہار مان لی۔" نوریا اسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں ہار ماننے والوں میں سے ہوں؟" عالیان نے بے ساختہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ نوریا بے اختیار نفی میں سر ہلا گئی۔

"تو پھر اتنی بے یقینی کیوں نوری...." عالیان نے اس کے یوں نفی میں سر ہلانے پر بے اختیار مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈر لگتا ہے عالی.... فیض پور کہیں تمہیں مجھ سے دور نہ کر ڈالے۔" نوریا ایک بار پھر روہانسی ہوئی۔

"مجھے بھی یہی خدشہ ستاتا ہے نوری کہ فیض پور کہیں مجھ سے میرے اپنوں کو، میری محبت کو دور نہ کر ڈالے۔ اور ان ہی خدشات کو دور کرنے کیلئے میں نے فیض پور جانے کا فیصلہ کیا ہے۔" عالیان نے مضبوط مگر ذو معنی لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مطلب عالی....؟؟" نوریا اسے نا سمجھی سے دیکھنے لگی۔

"میں چاہ کر بھی بابا کو اس وقت فیض پور جانے سے روک نہیں سکتا۔ خاص طور پر اس صورت حال میں جب ان کے بڑے بھائی نے خاص درخواست کرتے ہوئے انہیں فیض پور بلا یا ہے۔ نوری میں جانتا ہوں انہیں وہ ہر حال میں فیض پور جائیں گے۔ اور میں نہیں جانتا کہ وہاں کے حالات و معاملات.... حتی کہ لوگوں کی سوچ بھی ہمارے حوالے سے کیا ہے۔ خوف مجھے اس بات کا ستا رہا ہے کہ بابا وہاں جا کر اپنی اس جذباتی کیفیت میں ہم سب کے متعلق کوئی ایسا فیصلہ نہ کر بیٹھیں جس کے برے اثرات ہم سب کی زندگیوں سے خوشیوں کو کھاتے چلے جائیں۔ انہیں اس طرح کے کسی فیصلے سے روکنے کے لئے، ہم سب کی خوشیوں کی بقاء کیلئے میں ان کے ساتھ فیض پور جا رہا ہوں۔" عالیان نے انتہائی مفصل انداز میں اپنے فیض پور جانے کا مقصد نوریا کے سامنے بیان کر ڈالا۔

"لیکن عالی..... ایسا نہ ہو کہ ہماری خوشیوں کی بقاء کیلئے لڑتے لڑتے ہماری زندگیاں داؤ پر لگ جائیں۔" نوریا کا اندیشوں سے لبریز لہجہ عالیان کو بری طرح چونکا ڈالا۔

"ایسا نہیں ہوگا نوری.... میں یہ کسی صورت

یں ہونے دوں گا۔" عالیان نے چند ثانیے
تک نویرا کو خاموش نگاہوں سے دیکھا۔ اور
مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

✧✧✧

"یہ کیا غضب کیا ہے شافع الدین نے
اماں۔ اگر اس نے ملک جمیل کے بیٹے پر حملے کر
ہی ڈالا تھا تو ضرور کیا تھی اپنی اس حرکت کا اقرار
یوں پولیس اور ملک جمیل کے سامنے علی الاعلان
کرنے کی۔" آفاق الدین چھوٹے بھائی کی
گرفتاری کی خبر سنتے ہی حویلی پہنچے تھے اور تمام
روداد سن کر غصّے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے
ماں سے مخاطب ہوئے۔

"ارے غیرت مند ہے میرا بچہ ... اپنی
عزت کو داغدار کرنے والے کو بخشتا نہیں ہے۔
جو ملک جمیل کے پوتے نے بیج بویا ہے وہی کاٹا
ہے ملک
جمیل نے۔" نجم النساء اپنی بڑائی اور تکبر
کے زعم میں کہتی چلی گئیں۔

"بس کر دیں اماں ۔ آپ کے ان ہی
بڑھاوؤں نے شافع الدین کو اس حال تک
پہنچایا ہے۔ اور اب بھی آپ ہوش کے ناخن نہیں
لے رہیں۔" وہ ماں کی بات پر ایکدم سے بدک
اٹھے۔

"آفاق الدین... یہ کس لہجے میں تم مجھ
سے مخاطب ہو؟" نجم النساء بیٹے کی اس
جرأت پر غصّے سے چراغ پا ہوتے ہوئے بھڑک
اٹھیں۔

"اماں....آپ کو شاید اب تک اندازہ نہیں
ہے کہ ہم کس قدر خطرناک صورتحال میں گھر چکے
ہیں۔ اور شاید آپ ابھی تک ماضی میں جی
رہی ہیں تب ہی ملکوں کے خاندان کو اس قدر
کمزور سمجھ رہی ہیں۔ شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ
شہر جا کر ملک میں سیاسی حلقوں سے روابط
بڑھا کر فیض پور میں اپنی بنیادیں کافی مضبوط کر
چکا ہے۔ اور شافع کا اس کے بیٹے پر قاتلانہ حملہ
اور سرِعام اس کا اعلان کرنا ہم سب کو ہی کتنا
مہنگا پڑنے والا ہے۔" آفاق الدین ماں کو
معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتے ہوئے
بولے۔

"جب تم یہ سب جانتے ہو آفاق تو اس
مشکل صورتحال سے نکلنے کیلئے کوئی تدبیر
ڈھونڈو۔ کوئی راہ نکالو۔ کسی سے رابطہ کرو۔" نجم
النساء کو پہلی بار ملکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا
اندازہ ہوا تھا۔ وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔

"کیا ہے میں نے رابطہ .....!!" آفاق
الدین نے ماں کو بغور دیکھتے ہوئے آہستگی سے
کہا۔

"اچھا... کس سے کیا ہے رابطہ ؟؟؟" نجم
النساء نے پر تجسس لہجے میں سرعت سے سوال
کیا۔

"سکندر سے.....!!" آفاق الدین نے
ماں کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"سکندر سے .....؟؟؟" نجم النساء
کے چہرے پر بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"ہاں اور وہ بہت جلد فیض پور آ رہا ہے۔"
آفاق الدین کی دی جانے والی خبر صرف نجم
النساء کے ہی نہیں بلکہ بالائی منزل پر کھڑی ان
دونوں کی باتیں سنتی انیسہ کے حواسوں پر بھی بم گرا
گئی...

(باقی آئندہ)

''پھر کیا سوچا ہے تم نے ارتضیٰ؟'' ڈائنگ ٹیبل پر ناشتے کے دوران عالیہ بخاری کا سوال ارتضیٰ کے لئے اچنبھے کا باعث تھا۔

''کس بارے میں؟'' جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھے اس نے پھر سے سلائس کا بچا ٹکڑا اٹھایا اس کا انداز مصروف سا تھا جیسے وہ بڑی رغبت سے کھا رہا ہو مگر ایک سلائس اور جوس کے آدھے گلاس کے سوا وہ پلیٹ میں رکھا سب وقفے وقفے سے ولی کو کھلا رہا تھا۔

''اپنے رشتے کے بارے میں کب تک لٹکائے رکھو گے کوئی فائنل فیصلہ کرو تا کہ میں تمہارے لئے کوئی اور اچھی سی لڑکی ڈھونڈنے کی مہم شروع کر سکوں۔'' عالیہ کے پرجوش سے لہجے اور الفاظ پر ارتضیٰ کے اندر اشتعال سا ابھرا جسے وہ بمشکل ہی دبا سکا۔

''آپ جو کہنا چاہتی ہیں کھل کر کہئے ماما ویسے مجھے آپ کا ارادہ جان کر افسوس ہو رہا ہے۔'' سلائس کا ٹکڑا واپس رکھتا وہ بڑے ضبط سے بولا۔ عالیہ نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو اندر سے تڑپ اٹھا۔

''پاکیزہ کو طلاق دے دو''

''آپ نے سوچ بھی کیسے لیا یہ'' وہ طلاق جیسا لفظ زبان پر نہیں لا سکا ماں کے اس قدر اطمینان پر بھڑک اٹھا۔

''ارتضیٰ میری بات تحمل سے سنو پچھلے آٹھ ماہ سے وہ تم سے اور ولی سے لاپرواہ سکون سے میکے میں بیٹھی ہے لڑ جھگڑ کر یوں عرصہ عرصہ میکے جا کر بیٹھنے والی لڑکیاں گھر بسانے والی نہیں ہوتیں ایسی لڑکیوں''

''ماما پلیز میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں اس بات کو یہیں پر ختم کر دیجئے نا جیسے چل رہا ہے اسے چلتا رہنے دیجئے اٹھو ولی'' وہ عالیہ کی بات

مکمل ناول

اقراء الیاس

کاٹا ناشتہ ادھورا چھوڑے کرسی سے اٹھا کرسی کے پیچھے لٹکا کوٹ اٹھایا۔ ملازمہ قریب ہی ولی کا بیگ تھامے کھڑی ہونق بنی دونوں ماں بیٹے کی گفتگو ملاحظہ کر رہی تھی۔

''تم میری نافرمانی نہیں کر سکتے یہ میرا فیصلہ ہے تمہیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔'' وہ پلیٹ پیچھے کھسکاتی ارتضیٰ پر الٹ پڑیں، ان کا فرمانبردار بیٹا ان کے فیصلے سے انکار کر رہا تھا۔ ولی کو بیگ پہناتے ارتضیٰ ایک نظر اٹھا کر ماں کا سرخ چہرہ دیکھا جو شاید عرصے بعد اس پر یوں چلائی تھیں۔ ولی کے سہمے اور پریشان چہرے پر نظر پڑی تو دوسرے ہی پل وہ پرسکون ہوا پھر مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا وہ بھی ایک نظر دادی پر ڈالتا ارتضیٰ کو دیکھ کر جواباً مسکرا اٹھا۔

''تم گاڑی میں جا کر بیٹھو میں کچھ دیر تک آتا ہوں'' اسے ملازمہ کے حوالے کیے وہ عالیہ کی طرف مڑا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کیجیے''

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی تم دیکھ رہے ہو اپنے بیٹے کی حالت ملازموں کے رحم و کرم پر پڑا ہے۔ جتنا تمہیں اپنی بیوی کا خیال آتا ہے اسے بھی تمہارا خیال کر لینا چاہیے مگر نہیں اسے بس یہاں چار دن عیش کرنا تھی وہ اس نے کر لی اب نہ تو اسے تمہاری پرواہ ہے اور نہ تمہارے بیٹے کی''

''آپ کے اتنے دلائل دینے کے بعد بھی میں پاکیزہ کو نہیں چھوڑ سکتا'' طلاق کا سوچتے ہی اس کا دل کانپ سا گیا آنکھوں کے سامنے اس کا منی سی لڑکی کا سراپا گھوم گیا اور اس کی آنسو بھری نظریں اس نے سختی سے آنکھیں بند کیے کوئی منظر جھٹکا۔

''کیوں نہیں طلاق دے سکتے؟ ایسا بھی کیا ہے اس میں تمہاری ایک ہاں کی دیر ہے ارتضیٰ اس سے بہتر لڑکی ڈھونڈ لاؤں گی۔''

''اس سے بہتر آپ کو لگتا ہے کہ اس کے سوا میں کسی دوسری لڑکی کو قبول کر سکتا ہوں'' اس نے چیلنج کرتی نظروں سے ماں کو دیکھا پھر استہزائیہ ہنس پڑا اور عالیہ کو اپنے بیٹے کے اس قدر پاگل پن پر غصہ آیا۔

''تم مجھے دکھ دے رہے ہو ارتضیٰ تم کبھی بھی ایک ماں کا دکھ نہیں سمجھ سکتے، پچھلے آٹھ ماہ سے تمہارا بکھرا ہوا گھر دیکھ رہی ہوں جب بھی تمہارا ویران چہرہ دیکھتی ہوں مجھ پر کیا بیتتی ہے تم کہا سمجھو گے'' اسے ضد پر قائم دیکھتے وہ اپنے مخصوص حربے پر اتر آئیں آنکھوں میں آنسو لئے وہ اس کے قریب آئیں۔

''ماما وہ صرف آپ کی بہو یا میری بیوی نہیں وہ میرے خاندان کی عزت ہے میری عزت ہے میرے مرحوم چچا کی بیٹی میں اسے طلاق نہیں دے سکتا میں اس کی ہر نادانی معاف کر سکتا ہوں اتنا ظرف رکھتا ہوں مگر طلاق دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا میں اپنے باپ اور چچا کی روح کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔'' وہ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتا عالیہ کی آنکھوں میں دیکھتے مستحکم لہجے میں بولتا اپنی بات مکمل کرتا جھکا ہمیشہ کی طرح آفس جانے سے پہلے ان کے سر پر نرمی سے بوسہ دیتے رخ موڑ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''اگر تم نے اس لڑکی کو طلاق نہیں دی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے'' اس کے مضبوط ارادوں کو دیکھتے وہ خود پر ضبط کھو کر جنونی ہوتی قریب پڑی فروٹ باسکٹ سے تیز دھار چھری اٹھائے اپنی کلائی پر رکھ چکی تھیں اور ارتضیٰ کے قدم ماں کی تیز اور بھیگی آواز سن کر وہیں جم گئے پھر پلٹ کر

دیکھا تو روح جیسے فنا ہوئی۔
''ماما'' بیرونی دروازے میں کھڑا چیختا ہوا دیوانہ وار واپس پلٹا پھر دوسرے ہی پل ماں کے قریب پہنچے وہ چھری ان کے ہاتھ سے پکڑ کر دور پھینک گیا۔
''کیا ہوگیا ہے آپ کو کیوں میری جان لینا چاہتی ہیں'' وہ انہیں بازو میں لیتا گہری تکلیف لئے دونوں آنکھیں میچ گیا۔ جواب روتی ہوئیں اسے بلیک میل کرنے میں کامیاب ہوگئیں اور ارتضیٰ آنکھیں بند کئے اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے لگا جو دوہرے عذاب میں پھنس کر رہ گئی ایک طرف ماں تو دوسری طرف بیوی جس سے محبت اسے کسی بھی قسم کے فیصلے سے روک لیتی وہ تو کسی ایسے انتظار میں تھا کہ دونوں میں کوئی جھک جاتی تو وہ بیچ منجدھار سے نکل آتا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وقت ہی اس کا اس قدر کڑا امتحان لے گا کہ اس کی جان حلق تک آ جائے گی۔
''پاکیزہ'' دل نے سرگوشی سی کی تو اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں مگر سامنے روتی ہوئی ماں یہ سب اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔
''ارتضیٰ! طلاق دو اسے میں اسے اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتی، اب تو وہ تمہارے قابل بھی نہیں رہی۔ بوجھ بن جائیگی تمہاری زندگی پر نہیں سہار پاؤ گے اس بوجھ کو ایک معذور لڑکی کی تمہاری زندگی اور اس گھر میں کبھی جگہ نہیں بن پائے گی اب بہانہ ہے تمہارے پاس جان چھڑواؤ اس سے'' لوہا گرم ہوتا دیکھ کر انہوں نے ایک اور چوٹ لگائی جانے کون سا عناد پال رکھا تھا اس کی ماں نے اس لڑکی سے کہ بیٹے کی اذیت نہیں دیکھ سکیں۔ جس کی آنکھیں ضبط سے سرخ پڑ گئیں۔

''دے دوں گا طلاق مگر اس کے بعد میں اپنی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا''
جھک کر ان کی آنکھوں میں دیکھتا یقین دلاتے وہ اندر سے ٹوٹ سا گیا آخری بات۔ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے پوری کی کہ عالیہ سن نہ سکیں۔
''تم میرے بہت اچھے بیٹے ہو'' وہ بولیں تو ان کے لہجے میں زمانے بھر کی محبت سمٹ آئی جسے وہ خالی خالی نظروں سے دیکھتا زخمی سا مسکراتے سر جھکا گیا۔

✧✧✧

''تمہیں پتا ہے کہ تم ایک عجیب لڑکی ہو'' کروٹ کے بل لیٹی وہ ایک سال کے ولی کو تھپک کر سلا رہی تھی اس کی اس بات پر فوراً سے پہلے سیدھی ہوئی۔ ارتضیٰ کی خود پر تنقید بھلا کیسے برداشت کرتی۔
''کیوں؟''
''کیونکہ میں نے تمہیں کبھی بھی ناراض نہیں دیکھا حالانکہ میں نے اپنے ماما اور پاپا میں اکثر ٹھنی دیکھی اکثر پاپا ہی جھکتے تم بھی کبھی ناراض ہو تو میں تمہیں منانا چاہتا ہوں بلکہ یہ بات اور دلچسپ ہوسکتی ہے اگر تم ناراض ہو میں مناؤں تو تم جلدی مت ماننا میں تمہیں بار بار منانا چاہوں گا۔ بدلے میں تم مجھ سے کوئی خواہش بھی کروگی تو میں دل سے اسے پوری کروں گا۔ تم نے کبھی خواہش بھی تو نہیں کی'' ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے وہ خود پر ڈھیروں ڈھیر پرفیوم چھڑکتا آفس کے لئے تیاری کرتا اپنی خواہشات کا انبار لگانے لگا پاکیزہ منہ کھولے یک ٹک اسے دیکھنے لگی جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو پھر پیچھے مڑ کر ولی کو دیکھا وہ پرسکون سو رہا تھا۔ واپس ارتضیٰ کو دیکھا جو اب رُخ اس کی طرف کئے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ٹیک لگائے مسکرا کر اس کے جواب کا منتظر تھا۔ آنکھوں میں چھلکتے محبت کے ان گنت رنگ، پاکیزہ کو وہ رنگ گننا مشکل لگے تو پلکیں جھکا گئی ارتضیٰ کی مسکراہٹ اس کے عمل پر گہری ہوتی قہقہے میں بدل گئی۔
''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں'' روہانسی ہوتی بولی تو ارتضیٰ کے قہقہے کی آواز مزید بلند ہوئی بلیک پینٹ کوٹ میں آفس کے لئے نک سک سا تیار ہوئے ارتضیٰ نے بڑی محبت سے اس کے پلکیں جھکانے والے منظر کو دیکھا۔
''آہستہ ولی اٹھ جائے گا پہلے ہی رات بھر اس نے سونے نہیں دیا ویسے بھی یہ ناراضگی وہاں ہوتی ہے جہاں مقابل کی محبت اپنا مقام کھونے لگے مگر مجھے آپ کی محبت میں کہیں کمی واقع ہوتی محسوس نہیں ہوئی آپ نے مجھے کبھی ناراض ہونے دیا ہی نہیں'' نظریں جھکائے وہ اس کی محبت کو معتبر بنا رہی تھی اور ارتضیٰ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا اس کے لفظوں کو دل میں قید کرنے لگا۔
''میں ناراض ہوگئی ارتضیٰ کر دی آپ کی خواہش پوری اب منانے کیوں نہیں آتے'' آئینے کے سامنے وہیل چیئر پر بیٹھی اس لڑکی کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی مانند پھسلنے لگے کھلے ہوئے دروازے کے خوف سے اس نے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا۔ عائشہ اور فرزانہ بیگم کچن میں شام کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں روحان اس کی خواہش پر آئس کریم لینے گیا تھا۔ مغرب کی نماز ادا کئے وہ روحان کے کمرے میں چلی آئی جو آج سرِ شام ہی گھر چلا آیا ورنہ یونیورسٹی کے بعد وہ ذرا دیر کے لئے گھر آتا کھانا کھاتا پھر جاب کے لئے نکلتا تو رات دس بجے کے بعد ہی لوٹتا وہ بھی اپنے اندر کی بڑھتی وحشت سے گھبراتی اپنے اور عائشہ

کے مشترکہ کمرے سے نکل کر روحان کے کمرے میں چلی آئی۔ مگر یہاں آکر بھی نتیجہ یہی نکلا کہ ذہن ماضی کے اوراق پلٹنے لگا ولی جو پچھلے ڈیڑھ ہفتے سے ملنے نہیں آیا وہ جب بھی اس سے ملنے آتا تو اسے موہوم سی امید جاگ اٹھتی۔ شاید ارتضیٰ بھی سب بھلا کر اسے لینے آگیا ہو مگر اب تو محبت سمیت ہر چیز دم توڑتی جارہی تھی وہ اپنے زخم بنتے وجود کو چھپاتی خود کو حال میں الجھائے رکھتی اب بھی سوچ ولی سے ہوتی آنسوؤں پر آٹھہری۔ سنگار میز کے سامنے وہیل چیئر پر بیٹھی کوئی بھولا بھٹکا منظر یاد آیا تو بلک اٹھی قریب ہی برآمدے سے عائشہ کے قدموں کی چاپ ابھری تو اس نے تیزی سے آنسوؤں کو صاف کیا۔ پھر دوپٹے کا پلو اٹھا کر چہرے کو رگڑ ڈالا صد شکر کے وہ برآمدے سے ہی پلٹ گئی ورنہ وہ پاکیزہ کی سرخ آنکھیں دیکھ کر سو سوال کر ڈالتی جن کا جواب دینا پاکیزہ کے بس کی بات نہ تھی۔ سنگار میز پر پڑا روحان کا موبائل بجا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھالیا، نمبر دیکھا تو جانا پہچانا سا لگا اس نے یس کا بٹن دبائے فون کان سے لگایا۔

پاکیزہ سے بات کرواؤ میری'' زہر میں بجھا لہجہ وہ دوسرے ہی لمحے پہچان گئی عرصے بعد ہی صحیح مگر وہ وقت آن پہنچا جس کا اسے انتظار تھا وہ ارتضیٰ کے سہارے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا آئی اسے انتظار تو تھا مگر ارتضیٰ کے فون کا۔ اب عالیہ بخاری کی آواز اسے کوئی انہونی کا سندیسہ سنانے لگی دماغ پر قبضہ جماتی سوچوں کو اس نے بمشکل جھٹکا پھر گہرا سانس لئے خود کو اچھی طرح گویا جنگ کے لئے تیار کیا۔

''پاکیزہ ہی بول رہی ہوں'' اس کا نارمل لہجہ عالیہ بخاری کو چونکا گیا ماتھے پر بل بھی پڑے مگر جب ارتضیٰ کی بات یاد آئی چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''اوتو تم خوش تو بالکل نہیں ہوگی پاکیزہ ڈیئر آخر اتنی عیش عشرت تم سے اچانک سے چھن گئی'' طنزیہ لہجہ پاکیزہ کے اندر بھانبھر جلا گیا۔

''جو آپ چاہتی تھیں وہ میں نے کر دیا اب تو آپ کی کوئی بھی نہایت قیمتی چیز میرے پاس نہیں رہی کہ آپ کو وہ حاصل کرنے کے لئے مجھ ناچیز کو فون کرنا پڑتا اور میرا نام دھرانا پڑتا جس نام سے آپ کو سب سے زیادہ نفرت ہے۔'' وہ اخلاقیات نبھاتے نبھاتے تھک گئی تھی اب انہیں انہی کے انداز میں جواب دینے سے ذرا گریز نہیں برتا۔

''تم بھول رہی ہو تمہاری اس گھر میں واپسی کی ایک ٹھوس وجہ موجود ہے وہ بھی ختم کرنا چاہتی ہو۔ میرا بیٹا؟'' ذہن میں پہلا خیال یہی آیا۔

''نہیں'' عالیہ بخاری کے اس جواب پر پاکیزہ کا حلق جیسے سوکھ سا گیا، ہونٹوں پر زبان پھیرے وہ اپنی مدھم ہوتی سانس کو نارمل کرنے لگی وہ ان کے اگلے الفاظ کی ادائیگی کو بنا سنے جان گئی وہ اس عورت کی فطرت سے ناواقف نہ تھی مگر پھر بھی اس کے پاس کسی کی محبت کا مضبوط سہارا تھا یقین تھا جو عالیہ بخاری سوچ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا ارتضیٰ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔

''میری بات سنیئے تائی امی آپ کے بیٹے کی زندگی میں میری کیا حیثیت ہے آپ شاید اس بات کا اندازہ نہیں کرسکتیں میں چاہوں تو آپ کی طرح ایک بیٹے کے کندھے پر بندوق رکھ سکتی ہوں جس طرح آپ نے تایا ابو کو دادی جان اور بابا سے الگ کر دیا آپ بھول رہی ہیں کہ میں وہ وقت آسانی سے دہرا سکتی ہوں مگر شکر کیجئے کہ میں نے آپ کے بیٹے کی محبت کا ناجائز فائدہ

نہیں اٹھایا۔ اب میں صرف اتنا کہوں گی کہ میرا ضبط جواب دے رہا ہے میں اب مزید اپنی ماں کے گھر رہ کر اسے دکھ نہیں دے سکتی اپنے ذہن میں میرے خلاف بھرا زہر ختم کیجئے میں اپنی کرنے پر آئی تو آپ اپنے پوتے سمیت بیٹے کو بھی کھودیں گی پھر مجھ سے گلہ مت کیجئے گا، صلح جو انداز میں بولتے، احترام بھرے لہجے میں الفاظ ادا کرتے اس کی باتوں میں دھمکی واضح تھی عالیہ بیگم تلملا کر رہ گئیں۔

''تم تمہاری اوقات کیا ہے کہ مجھے دھمکی دو، مائی فٹ، میرے بیٹے کی زندگی میں ایک معذور لڑکی کی کیا حیثیت ہے۔ اس بات کا انداز یہاں سے لگا لو کہ پچھلے آٹھ ماہ سے اس نے تمہاری شکل تک دیکھنا گوارہ نہیں کی اور نہ ہی وہ کرے گا خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ میرا بیٹا تمہیں طلاق دے رہا ہے۔'' وہ جو سرخ چہرہ لئے ضبط کئے ان کی باتیں سن رہی تھی ان کی آخری بات پر دل سمیت پورا وجود تھم سا گیا کان میں جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہوئے یقینی حد سے سوا تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہیں آپ ارتضیٰ ایسا کچھ نہیں کریں گے'' آواز بھرائی جبکہ لہجہ لڑکھڑا گیا تھا اس لڑکھڑاتے لہجے میں یقین کہیں نہ تھا گزرے آٹھ دن ارتضیٰ نے اس کی شکل دیکھنا گوارا نہ کی اور نہ ہی کسی طرح پہل اس کا اعتبار اندر سے کھوکھلا ہو گیا۔

''جس وقت کا تمہیں مان ہے وہ وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گیا جب ڈائیورس پیپرز ہاتھ میں آئے تو تب ہی یقین کر لینا میری آج ہی وکیل سے بات ہوئی وہ تمہاری مکمل بربادی کی تصدیق کر چکا ہے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے جھوٹ بول رہی ہیں آپ جھوٹی ہیں۔ میرا ولی میں کسی کو نہیں دوں گی آپ میرا سکون چھین رہی ہیں نہیں کر سکتیں آپ ایسا کبھی نہیں کر سکتیں'' اس کا وجود جیسے ہوا میں معلق ہوا ہاتھ پاؤں بھی بے جان سے ہوئے بے ربط سا بولتے فون ہاتھ سے چھوٹ کر گود میں آ گرا۔ آہستہ آہستہ بڑبڑاتے وہ حواس کھوتی چیخنے لگی۔ سنگار میز پر پڑی پرفیومز کی بوتلوں کو ہاتھ مارے جھٹکے میں زمین بوس کیا اس کی بلند ہوتی آہ و بکا پر کچن میں کام کرتی فرزانہ بیگم اور عائشہ بھاگتی ہوئی کمرے میں آئیں تو وہ روتی بلکتی اپنے بال نوچ رہی تھی۔ وہ حواس باختہ سی اس کی طرف بڑھیں بیرونی دروازے سے اس پار روحان کے کانوں میں چیخ و پکار پڑی تو آئس کریم کا شاپر ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تیزی سے صحن عبور کرتے اس نے برآمدے میں پڑی چارپائی پر وہ شاپر رکھا تو پاکیزہ کی آواز پر ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہوا۔

''آپی'' وہ حیران پریشان سا اس کی طرف بڑھا تو اسے عائشہ اور ماں کے ہاتھوں سے نکلتے دیکھ کر حواس جیسے گم سے ہوئے آج عرصے بعد اسے پینک اٹیک ہوا تو وہ سب کے قابو سے باہر ہو گئی۔

''ایسا نہیں ہوگا جھوٹ ہے سب بابا چلے گئے ولی بھی نہیں آتا ارتضیٰ کو معاف نہیں کروں گی۔'' چیختے ہوئے وہ اپنا منہ نوچنے لگی روحان نے بمشکل اس کے ہاتھوں جو قابو کیا تو وہ وہیل چیئر پر ہی دوہری ہوتی اپنے ہاتھ چھڑانے لگی۔

عائشہ جلدی انجیکٹ کروں انہیں امی آپ ڈاکٹر دانیال کو فون کریں۔ اس کی کانپتی آواز پر عائشہ تیزی سے الماری پر پڑا فرسٹ ایڈ بکس اٹھا لائی تھر تھر کانپتی فرزانہ بیگم نے فون ڈھونڈنا چاہا تو وہ پاکیزہ کے پاؤں کے قریب ہی

اوندھے منہ پڑا تھا دوسری جانب اس کی چیخوں کو سنتی عالیہ بخاری اپنے کھلے منہ پر ہاتھ رکھے تیزی سے کال ڈسکنکٹ کی۔ انہیں پاکیزہ سے اس شدید ردعمل کی توقع ہرگز نہیں تھی وہ تو بس اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی مگر اب اپنا اندر سہم گیا ارتضیٰ تک ان کا یہ ردِعمل پہنچتا تو ان کے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا برسوں سے کی گئی محنت پل بھر میں غارت ہو جاتی ہے انہیں جلد از جلد پاکیزہ سے اپنی اور اپنے بیٹے کی جان چھڑوانی تھی یہ لڑکی ان کی وہ ہار تھی جو ہمیشہ ان کے لئے نا قابل برداشت تھی۔

❖❖❖

ہسپتال کے سفید بے داغ فرش پر دوڑتے اسٹریچر پر پڑے وجود میں جنبش نہ ہونے کے برابر تھی بند پلکوں تلے ٹھہرے آنسو اس مرد کی بے تحاشہ، بے بسی کے گواہ تھے ساتھ چلتے درجن بھر ڈاکٹرز اور نرسز اس بات کے ثبوت تھے کہ اس کی حیثیت اور اثر و رسوخ آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے، سیاہ ہونٹ اور پیلی رنگت نے اس کی وجاہت کو پھیکا سا کر دیا، مگر دراز قد لئے وہ اس پل بھی کسی کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہسپتال کے کوریڈور میں چلتے لوگ اسے دیکھتے پھر سے گردن موڑتے تو آہ بھرتے رہ جاتے آئی سی یو روم کی طرف آتے ڈاکٹر دانیال کی نگاہ اس پر پڑی تو ان کے پیروں تلے سے زمین کھسکی تیزی سے قدم بڑھاتے اسٹریچر تھامتے ان کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔

''ارتضیٰ'' اس کا کاندھا ہلاتے ڈاکٹر دانیال کی آواز میں بے بسی تھی مگر جواب ندارد تھا۔

''ارتضیٰ آنکھیں کھولو'' بے ہوش پڑے اس وجود کا چہرہ تھپتھپاتے وہ پوری قوت سے زور لگاتے چلائے تھے اپنے عزیز جان دوست کی یہ حالت دیکھ کر ان کی اپنی جان گویا آدھی نکل گئی۔ ارتضیٰ کی یہ حالت ان کے تصور سے باہر تھی آئی سی یو روم میں لے جاتے انہوں نے اس کی نبض ٹٹولی تو وہ مدھم پڑتی چلی جا رہی تھی۔ آکسیجن ماسک لگاتے ان کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے اس کے چہرے کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہ اب سفید چہرہ لئے زندگی سے موت کی جانب تیزی سے سفر طے کر رہا تھا۔

''ڈاکٹر دانیال پلیز آپ باہر جائیے ہم انہیں دیکھ لیں گے'' ڈاکٹر خرم نے ان کی اپنی حالت دیکھ کر ان کے ہاتھ سے آکسیجن ماسک لے لیا آج پہلی بار ڈاکٹر دانیال خود میں ہمت مفقود پا رہا تھا تبھی خاموشی سے ایک نظر اسے دیکھتے آئی سی یو روم سے باہر آ گئے کوریڈور کے آخری سرے پے عالیہ بخاری دوڑتے ہوئے ادھر ہی آ رہی تھیں۔ سیاہ ساڑھی میں بالوں کا اونچا سا جوڑا بنائے ہلکے پھلکے میک اپ میں وہ کسی پارٹی میں جانے کے لئے تیار تھیں کہ انہیں ارتضیٰ کے آفس سے یہ بھیانک کال آئی زمین جیسے پاؤں سے نکلتی محسوس ہوئی۔ آنکھوں میں آنسو اور بے یقینی لئے وہ اسی حلیے میں ہسپتال دوڑی چلی آئی اب بھی آنسو ڈھیروں ڈھیر نکل رہے تھے۔

''دانیال کک کیا ہوا اسے وہ ٹھیک تو ہے نا آفس سے کال آئی کہ وہ میٹنگ کے دوران اچانک سے بے ہوش ہوا ہے'' اپنی بھرائی آواز انہیں اجنبی سی لگی۔ اکلوتے بیٹے کی اس حالت نے انہیں آسمان سے زمین پر لا پٹخا، سارا غرور طنطنہ غائب تھا۔ ڈاکٹر دانیال کو اس وقت ان پر غصہ آنے کے بجائے ترس سا آیا۔ بیٹے کو اس حالت تک پہنچانے کے باوجود وہ انجان بن رہی تھیں۔

''آنٹی آپ یہاں بیٹھیے وہ ٹھیک ہے'' وہ

چاہنے کے باوجود وہ انہیں کچھ نہ کہہ سکے۔ بازو سے تھامے وہ انہیں سائیڈ پر دیوار کے ساتھ قطار میں لگی کرسیوں کی جانب لائے اور ایک کرسی پر بٹھا کر تسلی دی۔

"صبح تو وہ بالکل ٹھیک تھا ناشتہ بھی کیا اور ولی کو ڈھیر سارا پیار بھی۔"

"آنٹی وہ ٹھیک نہیں تھا بلکہ وہ پچھلے آٹھ ماہ سے ٹھیک نہیں بات اس کی فزیکلی کنڈیشن کی نہیں مینٹلی کنڈیشن کی ہے کیا آپ نے اسے ڈائیورس پیپر بنوانے کا نہیں کہا۔ وہ بیٹا ہو کر وہ وہ کرنے جا رہا ہے جو آپ چاہتی ہیں اور آپ ماں ہو کر یہ نہیں جان پائی کہ وہ کیا چاہتا ہے بلکہ جانتے ہوئے بھی آپ اس کے دل کی خوشی کو اپنے پیروں تلے روند کر اسے پاکیزہ بھابھی کو طلاق دینے پر مجبور کر رہی ہیں اور پاکیزہ بھابھی مجھے نہیں لگتا آپ کو کبھی ان پر ترس آئے۔" کچھ دیر پہلے کا ارتضیٰ کا سفید چہرہ ڈاکٹر دانیال کی آنکھوں کے سامنے آیا تو وہ طنز کے تیر چلاتے جو منہ میں آیا بول گئے عالیہ بخاری اپنا ہاتھ ملتی آنسو بہاتی چہر جھکا گئیں۔

"وہ ایک معمولی سی لڑکی کے لئے موت کو ترجیح دے رہا ہے وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے؟" غصے اور صدمے سے بولتی وہ پھٹ پڑیں اندر آئی سی یو میں پڑا زندگی اور موت کی جنگ لڑتا بیٹا اپنے بے ساختہ انا میں بھلا چکی تھیں۔

"آنٹی اگر آپ کو لگتا ہے کہ وہ لڑکی معمولی ہے تو اندر آپ کے بیٹے کی حالت کی وجہ آپ کی یہی سوچ ہے اور ایک اور بات بھی جان لیجئے آپ صرف اس معمولی لڑکی کا گھر نہیں اجاڑ رہیں بلکہ آپ اپنے بیٹے کا دل بھی ویران کر رہی ہیں میں نے آج سے پہلے اسے اتنا بے بس کبھی نہیں دیکھا اس کی پلکوں تلے آنسو، کم از کم آپ ولی کے بارے میں ہی سوچ لیں آپ ایک بیٹے سے اس کی ماں چھین رہی ہیں۔ اس کا خوبصورت بچپن چھین رہی ہیں۔ بڑا ہوا تو اسے حقیقت معلوم ہو ہی جائیگی پھر وہ باپ سے کم نہیں نکلے گا۔ پلیز چھوڑ دیجئے اس نام نہاد انا کو جینے دیجئے ارتضیٰ کو ساس بن کر نہیں ایک ماں بن کر سوچئے کہ اندر مشینوں میں جکڑا آپ کا بیٹا ہی ہے اور اس سب کی وجہ صرف آپ ہیں۔"

ڈاکٹر دانیال کا مدبرانہ اور بے بس سا لب و لہجہ انہیں بہت کچھ سمجھا گیا۔ سر اور گردن جھکائے آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے بہنے لگے۔ انہیں بے اختیار وہ لڑکی یاد آئی جس کا ہونا ان کے بیٹے کے لئے کسی نورِ حیات سے کم نہ تھا وہ جب پاس تھی تو ارتضیٰ کا چمکتا چہرہ، جگ مگ کرتی آنکھیں انہیں نگاہ چرانے پر مجبور کر دیتیں۔ مسکراتا تو وہ اب بھی تھا بے تحاشہ مگر ان آنکھوں اور چہرے کا منظر دیکھنے کے لئے وہ ترس سی گئیں دل میں ہی کہیں نہ کہیں غلطی کا احساس بھی ابھرتا جیسے جھٹک کر وہ ہمیشہ اس لڑکی سے بیر باندھے رکھتیں آج بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر ان کے سارے احساسات منجمد سے ہو گئے۔ غصہ، غرور و انا دل کسی بھی احساس سے عاری محسوس ہوا۔ اس پل تو اس لڑکی کے لئے نفرت کا احساس بھی نہ ابھر پایا جو سب سے زیادہ ان کے اندر موجود رہتا انہوں نے سوچنا بھی چاہا مگر کچھ نہ بن پایا سر دونوں ہاتھوں میں گرائے وہ بلک اٹھیں۔ ڈاکٹر دانیال انہیں تاسف سے دیکھ کر رہ گئے۔

✧✧✧

سورج سوا نیزے پر تھا اس تپتی دوپہر میں وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے گاڑی میں بیٹھا یونیورسٹی کے گیٹ پر اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر وہ بھی کہ آج یونیورسٹی کے گیٹ کا راستہ ہی بھول

گئی۔ گیٹ سے نکلتی باقی لڑکیوں کی نظر اس مغرور شہزادے پر پڑتی تو نگاہ ذرا دیر کے لئے تھم جاتی۔ پھر لب پھیلتے مسکراہٹ ایسی ہوتی کہ کسی کو بھی چاروں شانے چت سی کر ڈالتی۔ مگر وہاں دوسری طرف ارتضیٰ تھا جس کے لئے یہ سب معمول تھا اس کے سامنے خود کے سوا کسی کی نہیں چلتی تھی۔ مضبوط کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ پھر سے جمائی تو گھڑی تیس کا نقطہ عبور کر چکی تھی گیٹ سے پھر سے لڑکوں اور لڑکیوں کا ریلا نکلا مگر ان میں وہ نہیں تھی اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ جمائے وہ اپنے ہی ضبط کا امتحان لینے لگا۔ دفعتاً اس کی نگاہ ٹھٹکی اور پھر اس میں قندیلیں سی جلنے لگیں سر پر کپڑوں کا ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے کاندھوں پر بڑی سی چادر سنبھالتی ایک کاندھے پر بیگ اور دوسرے ہاتھ میں چند کتابیں تھامے وہ شفاف چہرہ لئے تیز تیز لہجے میں بولتی گاڑی کی جانب ہی آ رہی تھی ارتضیٰ کے ہارن دینے پر اس کی زبان کو بریک لگی پھر سر اٹھا کر سامنے کھڑی سیاہ لینڈ کروزر کو دیکھا تو چہرے پر حیرت دو چند جبکہ ارتضیٰ کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر منہ کھلا جو اسے دیکھ کر اس کی جانب مسکراہٹ اچھال رہا تھا جب جائزہ پوری طرح لے لیا تو ماتھے پر پڑے بلوں میں اضافہ بتدریج بڑھنے لگا اپنی دوستی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ ہاتھ ہلاتی گاڑی کی طرف آئی۔ ارتضیٰ نے فوراً فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا مگر وہ نظر انداز کرتی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی اس کی اس حرکت پر ارتضیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ بند کرتے اس نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور دروازہ بند کرتے پیچھے پلٹ کر اسے دیکھا گرمی کے باعث اس کا سفید چہرہ پسینے سے تر اور سرخ پڑ گیا اپنی دھن میں ارتضیٰ یہ تک نہ جان پایا کہ اس کا چہرہ گرمی سے سرخ کم غصے سے زیادہ سرخ تھا ہاتھ پیچھے بڑھا کر اس نے پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی جسے تھام کر اس نے اپنی دوسری سائیڈ پر رکھ دی۔

''کیسی ہو؟'' نرم لہجے میں پوچھے گئے سوال پر بھی پاکیزہ کے تاثرات میں کمی نہیں آئی۔

''کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک ہی تھی'' چادر سے چہرے کا پسینہ صاف کرتے اس کا لہجہ تیکھا تھا ارتضیٰ نے ٹشو کا ڈبہ اٹھا کر پیچھے دیکھا تو وہ پسینہ صاف کر چکی تھی اس نے ڈبہ پھر سے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

''کیا مطلب مجھے تمہیں یونیورسٹی سے پک کرنا تمہیں اچھا نہیں لگا؟'' گاڑی اپنی مخصوص رفتار میں سیاہ تارکول پر چلنے لگی۔ جب ارتضیٰ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جس کے تاثرات سخت اور چہرے پر غصے بھری سرخی اسے اب نظر آئی۔

''مجھے یہ سب ہرگز پسند نہیں یوں بے وقوفوں کی طرح لوگوں کا تجسس اپنی طرف امنڈتے دیکھنا۔''

''تم مائنڈ تو مت کرو موجود رشتے کو چھوڑو پہلے ہی کی بات کر دو میں تمہارا اتایازاد بھی تو ہوں'' وہ اس کے دل کی بات سمجھ سکتا تھا اسے ارتضیٰ کا یونیورسٹی سے لینے آنا پسند نہیں آیا حالانکہ یہ اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ مگر پھر بھی ارتضیٰ نے بات کا بتنگڑ بنانا مناسب نہیں سمجھا۔

''مجھے کزنز میں بھی ایسی بے تکلفی پسند نہیں'' وہ بولی تو اس کا گستاخ لہجہ ارتضیٰ کو لب بھینچنے پر مجبور کر گیا۔ اسٹیرنگ پر جمے ہاتھوں میں سختی در آئی جبکہ چہرہ اہانت کے احساس تلے سرخ پڑا اسے ہمیشہ سے پاکیزہ کے اس رویے کی عادت

سی تھی اس کے اندر اس کی باتوں پر کچھ نہ کچھ بھڑکتا ضرور مگر برداشت اس کی محبت کا تقاضا تھی۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا وہ عالیہ بخاری کی ساری بھڑاس اس پر نکال دیتی۔ منگنی والے دن عالیہ بخاری کا سب کے سامنے واضح ہوتا رویہ ارتضیٰ اب تک پاکیزہ کی بے رخی سے سہہ رہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ مجھے پک کرنے آئیں" ارتضیٰ کے سرخ چہرے پر اچانک سے نظر پڑی تو وہ نچلا لب دانتوں تلے دباتی اپنے انداز کو درست کرتی ذرا نرمی سے بولی۔

"روحان سے بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ اور چاچو کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر ہیں اور تم یونیورسٹی سے خود ہی آجاؤ گی میں نے سوچا کہاں تم لوکل بسوں میں دھکے کھاؤ گی سو اپنی ضروری میٹنگ کی ٹائمنگ شارٹ کرتے تمہیں لینے آگیا۔" وہ بھی اپنی بات میں بہت کچھ جتا گیا پاکیزہ جواب دینے کے بجائے بے نیازی سے گاڑی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھنے لگی۔

"لنچ کرو گی؟" طویل خاموشی کو آخر ارتضیٰ کی گھمبیر آواز نے توڑا تبھی اس کی بات پر اس نے گردن گھما کر تیکھی نظروں سے اسے گھوڑا۔

"تائی امی کو بھی انوائٹ کر لیں تاکہ ان کے ساتھ مل کر بہت زیادہ انجوائے کر سکیں۔ بلکہ تائی امی کو جب پتا چلے گا کہ ان کا سپوت مجھے یونیورسٹی سے لینے آیا ہے تو وہ آپ کی لگامیں اچھی طرح کھینچ لیں۔" ہر لفظ چبا چبا کر بولتی وہ کسی بم کی طرح پھٹی اس کا جلا کٹا لہجہ اور انداز ارتضیٰ کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گیا گاڑی میں چھائی کثافت غصہ، بے زاری میں قہقہے میں بدل گیا۔

"ارتضیٰ، ارتضیٰ" وہ آنکھیں بند کیے لاشعوری طور پر پاکیزہ کے ساتھ کسی پرانے سفر میں اتنا مگن تھا کہ مسکراہٹ حقیقت میں بھی اس کے چہرے پر پھیلی اس کے چہرے کو جگمگا رہی تھی قریب ہی صوفے پر بیٹھیں۔ روتا ہوا چہرہ اور متورم آنکھیں لئے عالیہ بخاری نے آنکھیں موند کر پڑے بیٹے کی چہرے پر پھیلی مسکراہٹ دیکھی تو فدا ہوتی لپک کر اس کی جانب آئیں ہاتھ بڑھاتے انہوں نے آواز دیے اس کا کاندھا ہلایا۔

"پپ پاکیزہ" دونوں لبوں کو ہلاتے وہ مسکرا کر پوری شدت سے بولا تو عالیہ بخاری کی روح جیسے کسی نے کھینچ ڈالی کرنٹ کھائے اس کے کاندھے سے ہاتھ ہٹائے دور ہو گئیں ان کے بیٹے کا جنون انہیں پہنچ گیا۔

"ارتضیٰ" بھیگی پرنم سی آواز نے اسے شعور میں لا پٹخا پاکیزہ کے ساتھ سفر کہیں کھو گیا۔ آنکھیں جھپک جھپک کھولتے اس کے چہرے میں ناگواری پھیل گئی ادھ کھلی آنکھوں سے اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھا تو آنکھیں پوری کھولے وہ پہچان پایا کہ وہ چہرہ پاکیزہ چہرے سے عالیہ بخاری کے چہرے تک کا سفر طے کر چکا تھا۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ مکمل حواس میں لوٹا گردن گھماتے اس نے اردگرد دیکھا تو وہ ہسپتال کا کمرہ تھا اسے یاد آیا کہ آخری بار وہ میٹنگ روم میں تھا۔ بہت سے لوگ اس کے اردگرد بیٹھے تھے پھر میٹنگ کے اختتام پر وہ اٹھا تو سر بری طرح چکرایا۔ وہ چاہنے کے باوجود خود پر قابو کھوتے چکراتا ہوا زمین بوس ہوا تھا۔

"مما کیا ہے یہ سب آپ رو کیوں رہی ہیں؟" خود کو سفید بستر پر لیٹے اور ہوسپٹل گاؤن میں ملبوس پایا تو متعجب سا ہوا اس کا زرد چہرہ وہ صدیوں کا بیمار لگ رہا تھا۔

"تم بتاؤ ارتضیٰ کیا ہے یہ سب کیوں کر رہے ہو اس طرح عمر تو میری ہے اس بستر پر آنے کی

وہ روتی ہوئی اس کے کاندھے پر سر ٹکا گئیں۔

"مما مجھے آپ کے آنسو تکلیف دے رہے ہیں میں ٹھیک ہوں کچھ نہیں ہوا مجھے میں نہیں جانتا میں یہاں کیسے پہنچا" اس کا انداز صاف کسی بھی طنز سے عاری تھا مگر عالیہ کو اس کی ہر بات کسی چابک سے کم نہ لگی سر اٹھا کر اسے آنسوؤں بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ ڈاکٹرز کے مطابق سٹریس اور ضرورت سے زیادہ اسموکنگ نے اس کی صحت کو شدید متاثر کیا تھا شدید سٹریس کے باعث وہ ہوش کھو بیٹھا۔ عالیہ بخاری پر یہ سب کسی بم کی طرح پھٹا تھا گہرا ہنستا مسکراتا نظر آتا ان کا بیٹا کس قدر روگ لگا چکا تھا کہ اپنے اندر جینے کی امنگ ختم کر رہا تھا۔

"مما ولی کہاں ہے؟ وہ نہیں آیا" اس نے پورے کمرے میں طائرانہ نگاہ دوڑائی تو ولی کو وہاں نہ پا کر بے چینی اور نحیف سی آواز میں بولا۔

"وہ نہیں آیا تمہیں یوں دیکھ کر روتا تو میرے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا جب سے اس کی ماں گئی ہے وہ بہت حساس ہو گیا ہے ہر بات دل پر لے لیتا ہے۔ میں نے اسے یہاں لانا مناسب نہیں سمجھا" بولتے ہوئے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا لفظ ماں پر اس کے تاثرات میں کہیں کمی نہیں آئی مگر وہ دوبارہ سے آنکھیں موند گیا۔

"مما آپ کو اسے لانا چاہئے تھا یہاں روتا بلکتا آخر خاموش ہو کر مضبوط ہو جاتا میں اسے کمزور نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی ماں کو میں اس گھر میں لانے کا ہر جواز میں ختم کرنے والا ہوں۔" اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ اذیت سے سرخ سی پڑ گئیں جن کے کنارے اب بھیگ گئے حقیقت یہی تھی کہ پاکیزہ کی جدائی اس کے

ہونے کے بجائے بڑھنے لگے تھے۔ عالیہ بخاری نے اس کی آنکھوں کے کنارے پانی سے بھرے دیکھے تو ان کے دل میں بین سے اٹھے ندامت نے سر اٹھایا تو وہ نقصان بھی سراسر اپنا نظر آیا وہ کس منہ سے اب ارتضیٰ کو یہ سب کرنے سے منع کرتی بس اس کے کندھے پر سر رکھے روتی ہوئی اپنے اندر کا غبار باہر نکالنے لگیں وہ بھی بے حس سا پڑا آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکا کہ وہ بھی محبت کے معاملے میں عام سا مرد ہی ٹھہرا جو محبت کے لئے وقتی طور پر رویا، پایا اور پھر انا میں آ کر اسے کھو دیا۔

***

"تمہاری اس لو اسٹوری میں مجھے صرف ایک جان کی کمی شدت سے محسوس ہوئی" اس کے مکمل چیک اپ کے بعد ڈاکٹر دانیال نے محسوس کیا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی خود کو ذہنی طور پر مضبوط ثابت کروا رہا تھا جبکہ مانیٹرنگ مشین پر اس کے دل کی دھڑکن بھی اعتدال پر تھی اسٹیتھوسکوپ گلے میں لٹکائے اس سنجیدہ سے بندے کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ اپنی ڈیوٹی مکمل کئے گھر جانے کے بجائے یہی آ کر بیٹھ گئے کل سے وہ ارتضیٰ کے لئے کافی بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ چہرے پر تھکاوٹ نمایاں تھی مگر وہ ارتضیٰ کا دل لگانے کے لئے یہی تھے۔ سیب کی قاش دانت تلے دباتے ارتضیٰ نے گھور کر انہیں دیکھا عالیہ بخاری دوسرا سیب کاٹنے لگیں تو ارتضیٰ نے ہاتھ بڑھا کر انہیں روک دیا جس سے وہ اداسی سے مسکرادیں۔ اس ایک دن میں وہ بہت سا سفر طے کر آئیں۔ جب اندر کی "میں" کو مارا تو سارا قصور اپنے ہی کھاتے میں نظر آیا۔ آنسوؤں تو اس لڑکی کی

کے لئے وہ آخری حد تک چلی گئیں۔ سوچ تو وہ بہت کچھ چکی تھیں مگر ارتضیٰ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی تھیں۔

''تم واحد ہو جسے طوفانی قسم کا عشق ہوا بھی تو بیوی سے'' بات کے آخر میں ان کا اپنا قہقہہ ہی ابل پڑا جس پر عالیہ بخاری بھی مسکرا دیں جبکہ ارتضیٰ انہیں غصے سے گھورتا رہا۔ پھر بات سمجھ آئی تو چپ سا ہو گیا۔ عالیہ بخاری ولی کو گھر میں ملازمہ کے سپرد کر آئی تھیں۔ اب بار بار ملازمہ کا فون آ رہا تھا کہ ولی کسی کے قابو میں نہیں آ رہا پاکیزہ یا ارضیٰ کے پاس جانے کی ضد کر رہا ہے۔ انہوں نے ارتضیٰ کو بتانا مناسب نہ سمجھا بس گھر جانے کی بات کرتی کمرے سے نکل آئیں ویسے بھی انہیں دو تین گھنٹوں تک واپس آ کر ارتضیٰ کو ڈسچارج کروا کر لے کر جانا تھا۔

''دانیال تم ارتضیٰ کے پاس ہی رک جانا میں ایک دو گھنٹوں تک لوٹ آؤں گی۔ ولی گھر میں ہی ہے اسے دیکھنے جا رہی ہوں۔''

''جی آنٹی میں یہی ہوں آپ بے فکر ہو کر چلی جائیے'' وہ عالیہ بخاری کے خدشات سمجھ گئے ڈاکٹرز کی سخت ہدایت تھی کہ ارتضیٰ اسموکنگ سے پرہیز کرے۔ عالیہ کی اتنی منت سماجت کے بعد اس نے وعدہ کیا کہ وہ سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اوپر سے دانیال کی کڑی نگرانی بھی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ اب تمہیں اصل ڈوز کی ضرورت ہے'' عالیہ کے کمرے سے نکلتے ہی وہ ارتضیٰ کو بیڈ سے ذرا پیچھے کھسکاتے اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ صرف سکول فیلوز رہنے کے باوجود ان کی دوستی آج تک برقرار تھی جس میں زیادہ ہاتھ دونوں کی بے تکلفی کا تھا، ارتضیٰ ان کی اس

''شرم کر لو میں اس وقت مریض ہوں اور تم پر ایک مریض کے ساتھ اس قدر ناروا سلوک کرنے پر ہسپتال انتظامیہ سے تمہاری شکایت کر سکتا ہوں۔'' پلیٹ میں پڑے سیب کو دانتوں سے کترتے گھورنے کی باری اب ڈاکٹر دانیال کی تھی۔ ارتضیٰ ہنس پڑا۔

''ایک بات مانو گے ارتضیٰ؟'' ڈاکٹر دانیال ایک بار پھر سے سنجیدہ ہوتے بولے تو ارتضیٰ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر سر جھکا گیا۔

''تم ٹاپک چینج کر سکتے ہو۔''

''اس وقت تو بالکل نہیں'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔

''تو پھر عافیت اسی میں ہے کہ میں کمرے سے باہر چلا جاتا ہوں تنگ آ گیا ہوں میں یہ سب سن کر اب جب سب ختم کر رہا ہوں تو بھی مسئلہ ہے؟''

ضد چھوڑو اور پاکیزہ بھابھی کو گھر لے آؤ تم اپنی زندگی آسانی سے برباد کر سکتے ہو مگر میں تمہیں تمہاری اور پاکیزہ بھابھی کی زندگی آسانی سے برباد نہیں کرنے دوں گا۔'' ان کی آواز میں بے بسی در آئی ارتضیٰ کو سمجھانا انہیں مشکل ترین کام لگا۔

''ضد اس نے کی گھر وہ چھوڑ کر گئی میرے اعتبار اور محبت کی دھجیاں بکھیر ڈالیں۔ میں سب بھول کر اسے لینے گیا وہ نہیں آئی بارہا فون بھی کیا اس نے باوجود اس نے مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں کیا چاچو کے سامنے مجھے شرمندہ کیا'' شدتِ جذبات میں بولتے وہ ہانپ گیا گلا خشک سا پڑا تو سانس اکھڑنے لگی، کھانسی کا طویل دورا پڑا تو اس نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا چہرے کی رنگت بھی سرخ کے بعد نیلی پڑنے لگی۔ ڈاکٹر دانیال تیزی سے اٹھے۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی

سہلانے لگے۔ ارتضیٰ نے گلاس خود تھامنا چاہا تو
ہاتھ کانپ رہے تھے تھک ہار کر سر پیچھے گراتے
وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔
''ریلکس'' ڈاکٹر دانیال نے اس کے پیچھے
رکھا کشن سیدھا کیا تو وہ نیم دراز سا لیٹ گیا
آنکھیں بند کئے وہ پھر سے پرسکون ہونے لگا
آج پہلی بار اسے اپنی اس حالت سے خوف آیا
نظروں کے سامنے بیٹا گھوم گیا اور بیوی وہ تو کبھی
تصور سے نکلی ہی نہیں تھی۔
تمہیں نہیں لگتا ارتضیٰ تم صرف تصویر کا ایک
ہی رخ دیکھ کر فیصلہ کر رہے ہو تمہاری محبت میں
انا داخل ہو چکی ہے تم دل کی سننے والے اچانک
سے دماغ کی سننے لگے ہو تمہاری انا تمہارے
دماغ کو تقویت دے رہی ہے تمہیں پتا ہونا
چاہئے محبت کرنے والے صرف محبت کا انتخاب
کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس کوئی دوسرا آپشن
ہوتا ہی نہیں محبت کا مطلب مزاحمت کرنا نہیں
ہے بلکہ محبت کا مطلب جھک جانا ہے اور محبت کا
یہی اصل پہلو تم نے اس لڑکی کو دکھایا تھا اور دیکھو
اس لڑکی نے یقین بھی کر لیا اور تمہارا راسطہ بدل
لینے کا فیصلہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا تم
سے ایک دن پہلے وہ اس بستر پر تڑپ رہی تھی
میں نہیں جانتا کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے یا نہیں
مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ تم نے میرے سامنے
اپنی محبت کا کئی بار ذکر کیا جس محبت پر اس لڑکی
نے یقین کیا اور اس یقین کے بدلے میں اس
لڑکی نے تم سے وہ چیز مانگنی چاہی جسے وہ ہمیشہ
اپنے پاس سمیٹ کر رکھنا چاہتی تھی مڈل کلاس کی
وہ لڑکی باپ کی عزت کا قرض نبھا کر تمہارے
ساتھ رخصت ہوئی جس کا دل کسی بھی میل سے
پاک تھا اور اس کی اس چیز نے تمہیں بھی متاثر کیا

کمزوری سمجھ لیا اسے ٹارچر کرتی رہیں اور اسے
تمہاری محبت سے زیادہ اسے اپنی عزت اہم
لگی۔ پانچ سالوں میں بہت کچھ ہو جاتا ہے
ارتضیٰ اور وہ تو بس ایک بار تمہارا گھر چھوڑ کر گئی۔
تمہارے بھروسے پر کہ شاید تم سب ٹھیک
کر دو۔ کیا تم سب ٹھیک کر رہے ہو؟ تم کبھی بھی
جان بوجھ کر انجان نہیں بن سکتے کچھ معاملات
ہیں جو تم سے پوشیدہ رہے میں تمہیں اس لئے ان
سے آگاہ کرنے نہیں جا رہا کہ تم سب سن کر
سٹریس لو۔ میں بس یہی چاہتا ہوں کہ تم سب
جان کر ٹھیک فیصلہ کر سکو۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہ
کر سکو آنٹی اپنی ہر حد سے گزر چکی تھی تم جانتے
ہو پاکیزہ بھابھی میرے لئے چھوٹی بہن کی
طرح ہیں مگر آنٹی انہوں نے اس رشتے کا کیا
مطلب لیا۔ میں سوچتا ہوں تو مجھے آنٹی کی
ذہنیت پر غصہ آتا ہے میں خاموش ہوا تو صرف
تمہارے لئے کہ ہماری دوستی کسی پر جھوٹ یا
بہتان کی بھینٹ نہ چڑھ جائے وہ بھی جھوٹا اور
بے بنیادی بہتان جو میری بیوی کے گوش گزار کیا
گیا۔ انہوں نے دعا سے کہا کہ دعا مجھے پاکیزہ
بھابھی سے دور رکھے ویسے بھی پاکیزہ بھابھی کو
مردوں پر دورے ڈالنے کی عادت ہے مثال
میں انہوں نے تمہیں سر فہرست رکھا بھلا ہو
میری بیوی کا جو اتنی عقل رکھتی ہے کہ رویوں کو سمجھ
سکے وہ تو ویسے بھی پاکیزہ بھابھی کو اپنا آئیڈیل
مانتی ہے سو آنٹی کو بھرپور جواب دے کر آئی۔
اب بھی فیصلہ تم ہی کرو گے ارتضیٰ مگر میں کسی پر ظلم
ہوتا برداشت نہیں کر سکتا تمہیں سب نا چاہتے
ہوئے بھی بتا دیا ایک بات یاد رکھنا ارتضیٰ پاکیزہ
بھابھی تم سے کبھی طلاق نہیں لیں گی وہ عزت دار
لڑکی اب بھی جھک کر تمہارے پاس آئے گی

محبت کا یقین اس کے اندر کہیں دم توڑ جائے گا پھر ہر چیز تو نارمل ہو جائے گی مگر تم بہت کچھ کھو کر نارمل نہیں ہو گے تب تم ہر فیصلہ کرنے کا اختیار بھی کھو دو گے میں سچ کہہ رہا ہوں پاکیزہ بھابھی یہی کریں گی اپنے لئے پچھتاوا مت سمیٹو، پلیز آنٹی کو سمجھاؤ اور پاکیزہ بھابھی کو گھر لے آؤ'' وہ آنکھیں بند کئے گہری تکلیف لئے اس کی باتوں کا زہر قطرہ قطرہ خود میں انڈیل رہا تھا وہ محسوس کر سکتا تھا کہ یہ ایسا زہر تھا جس نے اس کی انا کو پھندہ سا لگا دیا اس کیلئے جھکنا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں، ویسے بھی اگر یہ اس کی محبت کا امتحان تھا تو وہ ناکامی کو اپنا مقدر نہیں ٹھہرانا چاہتا تھا۔

✧✧✧

ہیرے جیسا شوہر، محلوں جیسا گھر اور شہزادہ بیٹا تمہیں راس نہ آیا، مٹروں سے بھری ٹوکری اٹھائے فرزانہ بیگم کچن سے برآمد ہوتی اسے تیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں جو کسی بھی بات کا اثر لئے بغیر ہاتھ میں تھامے چائے کے مگ سے وقفے وقفے سے چسکیاں لے رہی تھیں۔ باقی کا ناشتہ یونہی ادھورا پڑا تھا جسے دیکھ کر فرزانہ بیگم کو مزید تپ چڑی۔ ٹوکری چارپائی پر رکھتے انہوں نے برتن اٹھائے تو اس نے آدھا کپ بچی چائے بے دلی سے بھی ٹرے میں رکھ دی عائشہ جو میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی صبح سویرے صفائی کئے روحان کے ساتھ کالج کے لئے نکل جاتی۔ ورنہ ان دونوں کے ہوتے ہوئے فرزانہ بیگم کو کم ہی موقع ملتا کہ وہ اپنی اندر کی بھڑاس پاکیزہ پر انڈیل سکیں اب بھی وہ دونوں موجود نہیں تھے اس لئے پاکیزہ کے لئے بچاؤ مشکل نظر آ رہا تھا اور اسی لئے کان بند کئے بیٹھی رہی ورنہ عائشہ اور روحان ماں کو کم ہی اس موضوع پر بولنے دیتے

''گونگی ہو گئی ہو زبان ساتھ نہیں دے رہی اب میں کیا پاگل ہوں جو تم سے بولی چلی جا رہی ہوں اور تم جواب نہیں دے رہی'' پاکیزہ نے ٹوکری پکڑ کر اپنے سامنے رکھتے ایک مٹر اٹھا کر دانے نکالے تو فرزانہ بیگم چارپائی پر بیٹھتی ٹوکری کھینچ کر اپنی طرف لے گئیں جیسے انہیں پاکیزہ کا خاموش رہنا ناگوار گزر رہا ہو اس دن ہونے والے پینک اٹیک کے بعد وہ بالکل خاموش ہوتی ، پرسکون سی دکھنے لگی۔ فرزانہ بیگم نے بھی اس کی طبیعت کے پیش نظر دو دن خود پر خاموشی طاری رکھی مگر اب پاکیزہ کا پرسکون ہونا کھٹک رہا تھا وہ اتنی ضدی اور ہٹ دھرم کبھی نہیں تھی جتنی اب بنتی چلی جا رہی تھی اب بھی وہ ناشتے سے پہلے جو میگزین پڑھ رہی تھی اسے پھر سے اٹھا کر پڑھنے لگی فرزانہ بیگم کی برداشت کی حد بھی جیسے یہیں ختم ہو گئی۔

''آج تک ہمارے خاندان کی کسی لڑکی نے طلاق کا لیبل ماتھے پر نہیں لگوایا ایک تم ہی ہو جسے گھر بسانا نہ آیا ایک ساس نہ سنبھالی گئی مجھ سے پوچھو میں نے اپنا گھر بچانے کے لئے کیا کیا نہ کیا اللہ جنت نصیب کرے تمہاری دادای کو جو میری سگی پھوپھی بھی تھیں ساس بنی تو چوٹی بھی کھنچوائی، کبھی کبھار تو ہاتھ تک اٹھایا مجھ پر اور میں ہر بار گھر چھوڑ جانے کے بعد بھی واپس پلٹ آتی۔ شوہر کا خیال نہ بھی کیا اولاد ہی قدم واپس مڑوا لیتی اور تمہاری وہ ساس جسے میکے کی دولت کا اتنا زعم تھا کہ شادی کے چار ماہ بعد ہی شوہر کو ساتھ لئے دیور اور ساس کو چار باتیں سنائے بھاگ گئی اور پلٹ کر نہ دیکھا اور ایک میں تھی اتنا کچھ ہونے کے باوجود مرتے دم تک ساس کی خدمت کی'' ماں کی جلی کٹی باتوں

پر اس کا اندر سنسنا اٹھا ساری ضبط کسی کھائی میں جا گیرا۔ میگزین منہ کے سامنے سے ہٹائے وہیل چیئر گھماتے اس نے رخ ماں کی طرف کیا۔

''آپ کو لگتا ہے وہ مجھ جیسی ادھوری عورت کو اب قبول کریں گے آخر وہ بھی اسی عورت کا بیٹا ہے جو میری عزت کو بیچ چوراہے میں رکھنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ میں نے پانچ سال برداشت کیا منہ کو سیے رکھا کبھی یہاں آ کر آپ سے شکوہ کیا؟ بابا کو کسی بات کی بھنک پڑنے دی؟ کبھی چہرے سے جھلکنے دیا کہ آپ کی بیٹی کو وہ گھر راس نہیں آیا میں نے کبھی خواہش نہیں کی تھی ہیرے جیسے لڑکے اور محل جیسے گھر کی ہمیشہ آپ کو اپنے سامنے دیکھا جو جانتی ہیں کہ مفلسی میں کیسے گزارا کیا جاتا ہے میں سوچ ہی نہیں سکی کہ بڑے گھروں میں رہنے والے لوگوں کے دل اتنے چھوٹے ہوتے ہیں اس محل جیسے گھر میں آنے والے ہر غیر مرد سے لیکر ملازمین تک سے مجھے منسوب کیا گیا۔ ملازمین کی کٹیلی، استہزائیہ نظریں مجھے اندر سے گھائل کرنے لگیں یوں لگتا وہاں کی ہر چیز مجھ پر ہنس رہی ہو میری بے بسی کا مذاق اڑا رہی ہو۔ کھانے کا ہر نوالہ میرے لئے زہر ثابت ہونے لگا۔ تائی امی سامنے ہوتی تو زہر اگلتی حد کر دیتی تھیں اور ارتضیٰ ایسا پیڑ تھا جو مضبوط اور تناور تو تھا مگر اس کی چھاؤں مجھے میسر نہ ہو سکی مجھ سے محبت کا دعویدار وہ شخص میرے چہرے پر درد کی رقم تحریر نہ پڑھ سکا وہاں زندگی سے بہتر موت نظر آنے لگی تو باپ کا گھر ہی پناہ گاہ نظر آنے لگا اور یہاں بھی میں لاچار پڑی آپ کو کھٹکتی ہوں میرے لئے نہ وہ گھر ہے اور نہ یہ گھر ہے میرا بیٹا مجھ سے چھن گیا۔ ماں ہو کر میرے اندر کے درد کو کیوں نہیں سمجھ سکتیں، آٹھ ماہ سے اس کے لبوں پر پڑا قفل ٹوٹا تو وہ چہرہ دونوں ہاتھوں پر گرائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ ٹوکری کے دونوں کناروں پر ہتھیلیاں جمائے فرزانہ بیگم کی دونوں آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ دل چاہا اس کی دل کاٹ دینے والی باتوں پر دھاریں مار مار کر رو پڑے۔ زخمی دل نکال کر اس کے سامنے رکھ دے کہ انہیں بیٹی کا اجڑا گھر، اس کی معذوری اور اب طلاق سب اندر ہی اندر ختم کر رہا ہے رات بھر تکیے میں منہ چھپائے اس کی سسکیاں انہیں بھی رات بھر جگائے رکھتیں۔ رات ان کی بھی آنکھوں میں کٹتی دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے سے دکھ چھپانا ہی سیکھا تھا مگر وہ ماں سے نہیں جیت سکتی تھی۔

''گھر بسانے کے لئے محبوبہ کے درجے سے اتر کر صرف بیوی بننا پڑتا ہے مرد چاہے عورت کو سر بٹھائے محبوبہ کے درجے سے خود اتارے تو پاؤں کی جوتی بھی نہیں رہنے دیتا۔ تین لفظ منہ پر مارتا ہے اور محبت سمیت عورت کو گھر سے باہر کئے بری الذمہ ہو جاتا ہے اس کے لئے دوسری بار گھر بسا کر دل کو آباد کرنا مشکل نہیں ہوتا اور عورت تو لفظ ''محبت'' پر ہی مر مٹ جاتی ہے اس رشتے میں قصور مرد کا ہو یا عورت کا مگر نقصان ہمیشہ عورت ہی اٹھاتی ہے تمہیں لگتا ہے میں تمہارا غم تمہارے بتائے بغیر نہیں جان سکی تمہاری ہنسی میں درد کی ہر لہر مجھے تمہارے دکھ کا پتا دیتی مجھے فخر تھا میری بیٹی کو بھرم رکھنا آتا ہے مگر اس وقت سے بھی ڈرتی ہوں جو اس وقت موجود ہے۔ میں تو آنے والے وقت سے بھی ڈرتی ہوں ابھی تمہارے دونوں چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ کل کلاں کو عائشہ کے رشتے والے آئے تو تمہارا طلاق یافتہ ہونے کا کیا جواز پیش کروں گی اور روحان وہ کب تک تمہارا بوجھ

اٹھائے گا؟ وہ بھی کل بیوی بچوں والا ہوا تو اس کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جائیں گی کسی دوسرے پر بوجھ بننا برداشت کر پاؤ گی؟ کہاں جاؤ گی؟ میں آج ہوں تو کل نہیں تمہارے ماتھے پر لگنے والا طلاق کا داغ مجھے زندہ رہنے بھی کہاں دے گا ایک تمہارا باپ تھا جو تمہاری معذوری کی خبر سن کر دوسرا سانس نہ لے سکا۔ بہتر یہی ہے اپنے گھر جاؤ ساس اور شوہر سے معافی مانگ کر کان بند کرو، منہ سیے رکھو اور اپنا گھر بساؤ اور رہی تمہاری معذوری کی بات روحان بتا رہا تھا کہ چانسز ہیں کہ تم آپریشن کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکو۔ ارتضیٰ ڈاکٹرز سے بات کر رہا ہے تمہاری بے اعتنائی کے باوجود وہ تمہارا سوچ رہا ہے۔'' بہتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتے وہ تھک ہار کر ڈھے گئیں۔ پاکیزہ ساکت بیٹھی پلکیں جھپکائے بغیر انہیں دیکھ رہی تھی جو اس سے کچھ بھی جانے بغیر اس کی ہر تکلیف کو سمجھتی تھیں پاکیزہ کو لگتا تھا انہیں سارا دن بولنے اور گھر کے کاموں کے سوا کچھ نہیں آتا اس کے دل میں ماں کے لئے یہی سب سے بڑا شکوہ مچلتا کہ فرزانہ بیگم جب مرضی بے نقط اسے سنا دیتی ہیں اس کا ہر دکھ جانے بغیر مگر وہ غلط ثابت ہوئی۔ فرزانہ بیگم کے ایک ایک لفظ میں حقیقت تھی جس سے وہ پہلے ہی واقف تھی ان کے لہجے میں چھپے خوف سے اسے رونا آیا فکر نہیں کریں امی طلاق نہیں لوں گی اپنے ماتھے اور خاندان پر یہ داغ مر کر بھی قبول نہیں کروں گی میں تو بس ایک فریبی محبت کا آخری کانٹا دل سے نکالنا چاہتی تھی کسی کی محبت کا بوجھ جس کے سہارے میں نے وہ فیصلہ کیا کہ تباہی کے دہانے پر آن کھڑی ہوئی ہوں اسے کندھوں سے اتار کر پھینک رہی ہوں میں اس محبت کو بھی وہی دفن کروں گی جہاں میری عزت نفس دفن ہوگی، اگر میں اپنے بیٹے کے لئے قربانی دے رہی ہوں تو تائی امی کو بھی اپنے بیٹے کے لئے کوئی چارہ کرنا پڑے گا۔ ارتضیٰ کو طلاق کے پیپرز بنوانا بہت مہنگا پڑے گا اس نے مجھے چھوڑنے کا سوچ بھی کیسے لیا، مضبوط لہجے میں بولتے آخر میں اس کی آواز بھرا سی گئی آنکھوں سے آنسو پھر سے خود بخود پھسل آئے ہاتھ کی پشت سے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا تو چہرہ مزید سرخ ہوا اس کی دو دن کی خاموشی یونہی نہیں تھی وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی اور اس سوچ میں اسے اپنا خسارہ بہت کم نظر آیا مگر امید ٹوٹنے کا غم بہت بڑا تھا اور اسے ارتضیٰ سے ہرگز امید نہیں تھی کہ وہ بات طلاق کی حد تک لے آئے گا اس بات کا غم بہت بڑا تھا جسے وہ بمشکل ہی سہی مگر سہہ گئی اس لئے کہ وہ مزید ماں پر بوجھ ڈال کر اس کے لئے دکھ کا باعث نہیں بن سکتی۔ اس نے فرزانہ بیگم کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہ اب بھی سر جھکائے مطمئن سی دکھتیں اپنے مشغلے میں مصروف ہو گئیں جیسے بہت سا بوجھ سر سے سرک گیا ہو مگر آنسو اب بھی چھپا رہی تھیں پاکیزہ کے ہونٹوں پر ایک بھٹکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری دوسرے ہی پل وہیل چیئر گھماتے اس کا رخ کمرے کی طرف تھا بہتی آنکھوں سمیت وہ سوچ چکی تھی کہ اب ارتضیٰ بخاری سے بات کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

✧✧✧

ارتضیٰ بخاری عالیہ اور وجاہت بخاری کا اکلوتا چشم و چراغ جسے پا کر گویا دونوں کی دنیا مکمل ہو گئی۔ ارتضیٰ کی گندمی رنگت اور بھوری چمکتی آنکھوں نے اس کی وجاہت کو چار چاند سے لگا دیئے بیٹے کی وجاہت اور میکے سے ملنے والی دولت نے عالیہ بخاری کو مغرور سا بنا دیا۔

بڑھتی عمر کے ساتھ ارتضیٰ کا باپ جیسا سنجیدہ متانت بھرا لہجہ اور باپ ہی کی طرف بڑھتا جھکاؤ عالیہ بخاری کو خائف کرنے لگا وہ آئے روز باپ کی باتوں میں اپنے دودھیال کے قصے سننے میں دلچسپی لینے لگا۔ جن میں چچا کے ساتھ ساتھ ان کی اولاد کا ذکر خاص ہوتا وجاہت بخاری کو وہ سفید رنگت، گھنگھریالے بال اور سنہری آنکھوں والی گڑیا نہ بولتی جسے وہ بھائی کی پہلی بڑی خوشی میں شریک ہوتے عالیہ کی ناراضگی کے باوجود ہسپتال دیکھنے گئے۔ تب سے ان کے دل میں ایک خواہش سی پنپتی رہی اپنی بوڑھی بیوہ ماں اور بے سہارا بھائی کو وہ یونہی عالیہ کی ضد پر تنہا چھوڑ آئے پھر شروع شروع میں تو خبر گیری رکھی مگر بڑھتے ہوئے بزنس کی مصروفیت نے انہیں اپنی طرف ہی الجھالیا کہ ماں کی موت کی خبر نے انہیں ہوش دلایا۔ تب بھی عالیہ کی ضد پر وہ ملک سے باہر تھے حیات بخاری نے ان کے منیجر کو کئی فون کالز کیں جس کا پتہ بس عالیہ بخاری تک ہی پہنچ سکا۔ حیات بخاری چاہتے تھے کہ وہ آخری بار ماں سے بھائی اور بھتیجے کی ملاقات کروا دیں۔ جو ہسپتال کے بستر پر پڑیں وجاہت بخاری کو پکار رہی تھیں مگر عالیہ بخاری کو اپنے پسندیدہ مشاغل میں خلل پڑتا نظر آیا تو منیجر کو ہر بار جھاڑ کر رکھ دیتیں اور وجاہت بخاری کی بدقسمتی تھی کہ وہ ماں کا آخری دیدار نہ کر سکے۔ تب سے عالیہ کے لئے ان کے دل میں وبال سا آ گیا مگر وہ ارتضیٰ کی وجہ سے خاموش رہنے لگے۔ ادھر حیات بخاری پہلے ہی اپنی بھابھی کی فطرت کو جان گئے خاموشی سے ہو کر اپنی زندگی میں مگن ہو گئے کیونکہ پہلی بیٹی کی پیدائش کی خوشی ان سے سنبھالی نہ گئی تو ماں کے کہنے پر بھائی کو فون کھڑکا دیا۔ عالیہ کو ان کے ہسپتال جانے کا پتہ چلا تو انہوں نے ہنگامہ سا کھڑا کر دیا۔ وجاہت بخاری نے ماں باپ کے جھگڑے پر اپنے کمرے کے دروازے پر سہمے کھڑے بیٹے کو دیکھا تو ہر طرف سے چپ سادھ لی حتیٰ کہ سگے بھائی اور ماں سے فاصلے مزید بڑھا لئے۔ حیات بخاری بھی بھائی کی دولت اور امارت دیکھ کر اپنی اور ان کی حیثیت دیکھ کر خاموشی سے پیچھے ہٹ گئے۔ وقت اپنی رفتار چلتا آگے بڑھا تو ارتضیٰ بھی اپنی تعلیم کے آخری مراحل طے کرتا باپ کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے لگا اور حیات بخاری کی بھی دو بیٹیاں پاکیزہ اور عائشہ اور بیٹا روحان اپنی زندگی میں تسلسل کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ تینوں بچوں میں جو عادت مشترکہ تھی جو فرزانہ بیگم اور حیات بخاری کے توسط سے انہیں ملی حالات جیسے بھی ہوا انہوں نے ہمیشہ خوش اور صبر سے رہنا سیکھا تھا۔ تینوں بچوں کے رکھ رکھاؤ نے محلے میں ان کی عزت کو بڑھاوا دیا۔ حیات بخاری کی بھی بازار میں برتنوں کی دکان تھی ان کی ایمانداری نے اس کام میں خاصی برکت ڈالی روحان بھی کالج لائف شروع ہوتے باپ کے ساتھ دکان پر ٹائم دینے لگا وہ سب اپنی دنیا میں خوش و خرم اور مگن تھے جب ایک دن حیات بخاری اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے ہوا کے جھونکے کی طرح ان کے گھر چلے آئے۔ حیات بخاری تو بھائی کو اتنے سال بعد روبرو دیکھ کر آبدیدہ سے ہو گئے۔ جبکہ بچے تایا کی دوستانہ اور چھا جانے والی شخصیت سے کافی متاثر ہوئے۔ پھر آئے روز وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آنے لگے اس گھر میں انہیں مخلصانہ سی خوشبو کھینچ لائی۔ دوسرا اب ارتضیٰ مکمل طور پر بزنس سنبھالتا اپنی عملی زندگی میں قدم رکھ چکا تھا

عالیہ اس کے لئے کئی لڑکیاں ریجیکٹ کر چکی تھیں۔ وجاہت بخاری نے چھوٹے بھائی کے سامنے اپنی خواہش رکھی تو حیات بخاری کی خوشی دیکھنے لائق تھی وہ دونوں بھائی پھر سے ایک ہونے جارہے تھے انہیں تو اس خوشی کے سامنے کچھ بھی نظر نہ آیا مگر فرزانہ بیگم نے عالیہ بخاری کے حوالے سے کئی خدشات ظاہر کئے تو وجاہت بخاری نے انہیں ڈھیروں ڈھیر تسلیاں دیں۔ اس بار عالیہ بخاری کو بری طرح مات ہوئی کیونکہ ارتضیٰ باپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ عالیہ نے پھر سے طوفان کھڑا کر دیا مگر وجاہت بخاری نے منہ کے ساتھ کان بھی بند کر لئے۔ ارتضیٰ ماں کو وضاحتیں دیتا رہ گیا وہ بھی ایک دو بار باپ کے ساتھ چچا کے گھر گیا تو تینوں بچوں نے اسے خوشی سے ویلکم کیا پاکیزہ بھی چند باتیں کر لیتیں۔ باپ کی خواہش سے وہ پہلے ہی آگاہ تھا اب باپ کی گڑیا دیکھ کر مطمئن سا ہو گیا۔ رشتے کی بات چلی تو پاکیزہ کا انداز کترایا کترایا سا رہنے لگا وہ کم ہی اس کے سامنے آتی اس کی اس ادا پر وہ مسکرا دیتا دل کی دنیا اس قدر اچانک سے بدلی کہ باپ کی خواہش کہیں پیچھے رہ گئی۔ اب تو وہ ماں کے واویلوں پر بھی کم ہی کان دھرتا بس بات بات پر مسکرائے دیتا۔ عالیہ تو بیٹے کے یہ انداز دیکھ کر پاکیزہ کو کوستی رہتیں۔ وجاہت بخاری نے باقاعدہ منگنی کا اعلان کیا، عالیہ نے طوفان مچا ڈالا پاکیزہ کے خلاف زہر اگلنے لگیں۔ وجاہت بخاری نے بھی اس بار لحاظ نہ کیا بس ہاتھ اٹھانے کی کسر رہ گئی۔ وہ بھی پوری ہو جاتی اگر ارتضیٰ آگے بڑھ کر لڑکھڑاتے ہوئے باپ کو تھام نہ لیتا۔ عالیہ نے بھی پہلی بار شوہر کی بگڑتی حالت دیکھ کر زبان بند کر لی اور پھر وہی ہوا جو وجاہت بخاری چاہتے تھے۔ منگنی والے دن عالیہ بخاری کا رویہ پاکیزہ کو بہت کچھ سمجھا گیا۔ اتنے لوگوں کے بیچ عالیہ بخاری منہ بنائے الگ تھلگ بیٹھی رہیں۔ حیات بخارت کو بھابھی کے تیور ایک آنکھ نہ بھائے۔ فرزانہ بیگم بھی انہیں ناراض نظروں سے دیکھتی رہیں۔ مگر وہ بھائی اور بھتیجے کی محبت میں خاموش رہے۔ وجاہت بخاری تو تسلیاں دیتے بھائی کو مطمئن کرتے رہتے اور وہ تسلیاں بھی ایک دن اپنے اختتام کو جا پہنچیں جب ایک رات وجاہت بخاری سوئے تو دوبارہ نہ اٹھ سکے اس صدمے نے جہاں سب کو نڈھال کیا وہاں عالیہ کو بھلے شوہر کا غم تھا مگر ایک اور بوجھ سر سے ہٹتا محسوس ہوا یہ بوجھ بھی وجاہت بخاری کے چالیسویں دن سب کے سامنے آ گیا۔ جب بھرے لاؤنج میں انہوں نے پاکیزہ کے ہاتھ سے انگوٹھی کھینچ کر نکال لی۔ پاکیزہ کا رنگ زرد پڑا۔ ارتضیٰ بھی ماں کو صدمے سے دیکھتا رہ گیا۔ بیٹی کی زرد رنگت دیکھ کر حیات بخاری کے دل پر قیامت سی گزری۔ لوگوں کے سامنے عالیہ نے جو تماشہ لگایا ان میں زیادہ عالیہ کے میکے والے تھے جو دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے مگر منظر تب پلٹا جب حیات بخاری پاکیزہ کا ہاتھ تھامے وہاں سے نکلنے لگے تو ارتضیٰ ان کے قدموں میں جھک گیا ماں کے کیے کی معافی مانگی اور باپ کی آخری خواہش پوری کرنے کی التجا کی۔ پاکیزہ تو سر جھکائے آنسو بہاتی رہی۔ حیات بخاری نے یتیم بھتیجے کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور بھائی کی آخری خواہش پوری کرنے کا عہد کیا۔ چچا کی فیملی کے وہاں سے جاتے ہی ارتضیٰ ماں پر نگاہ ڈالے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا اور دنوں تک عالیہ بخاری کو اپنی شکل نہیں دکھائی۔ وہ تو تڑپ کر رہ گئیں۔ ان کا اکلوتا بیٹا ان سے بدگمان اور خفا ہو گیا۔ یہ ان

کی واضح نظر آتی شکست جسے وہ کبھی تو قبول نہیں کرسکتی تھیں تبھی اپنا پینترا بدل کر خود حیات بخاری کے ہاں گئیں اور معافی مانگ کر شادی کی تاریخ طے کرنے کا ارادہ ظاہر کئے اپنے بیٹے کی نظروں میں سرخرو ہو گئیں مگر پاکیزہ ارتضیٰ کو عالیہ بخاری کے حوالے سے کچوکے لگاتی اس سے الجھ پڑتی۔ ارتضیٰ خندہ پیشانی سے اس کی ہر بات برداشت کرتا مگر یہ سب شادی سے پہلے تک تھا۔ حیات بخاری نے کچھ عرصہ سوچ کر پاکیزہ کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد شادی کی تاریخ دے دی۔ جہاں ارتضیٰ بے تحاشہ خوش تھا وہیں باپ کی کمی اسے اداس سی کر دیتی۔ عالیہ بخاری نے بجھی بجھے دل سے بیٹے کی ہر خوشی میں شرکت کی۔ شادی کے بعد ارتضیٰ کی دنیا جیسے بدل گئی۔ وہ جو اس کے باپ کی گڑیا تھی موم کی گڑیا ثابت ہوئی جس نے پل بھر میں خود کو موم کی ڈھال لیا، اس کی وہ مسکراہٹ جسے ارتضیٰ خواب سمجھتا، سراب مانتا تھا جب وہ حقیقت بنی تو وہ پوری طرح دل ہار گیا وہ اس کی محبت پر نہ اٹھلاتی نہ ناز کرتی بس سر جھکاتی اور مسکرا دیتی اور ارتضیٰ بخاری کی نگاہ کہیں بھی بھٹکنے سے انکار کر دیتی اس کی ہر ادا نرالی ہوتی، ارتضیٰ سے بات کرتے اس کا نرم لہجہ جو پھول برساتا تھا ارتضیٰ کو شادی سے سارے شکوے بھول گئے، اس کا معصوم چہرہ دل فریب تھا وہ چاہتا تھا کہ دنیا کی ہر آسائش اس کے قدموں میں لا رکھے مگر وہ عجیب لڑکی تھی اسے ان مادی چیزوں سے فرق نہیں پڑتا تھا اور اسے تو ارتضیٰ بخاری کی محبت سے محبت ہونے لگی صرف اس کی محبت سے غرض ٹھہرنے لگی۔ پھر وقت اپنا منتر بدلنے لگا دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے۔ پاکیزہ کی آنکھوں کی جوت بجھنے لگی۔ وجہ عالیہ بخاری کی زہر اگلتی زبان تھی۔ وہ ارتضیٰ بخاری کی محبت کا احتساب کرنے لگی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر عالیہ بخاری کی حرکتوں کو نظر انداز کر رہا ہے ایک آدھ بار اس نے ارتضیٰ کے سامنے دبا دبا احتجاج بھی کیا مگر اس نے یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ اس معاملے میں وہ اپنی ماں سے بحث میں نہیں جیت سکتا اور پاکیزہ دھواں دار چہرہ لئے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے ارتضیٰ کی محبت ڈرامہ دکھنے لگی۔ چپ سادھے وہ اندر ہی اندر گھلنے لگی۔ وہ جو ہر چیز سہہ رہی تھی سہہ لیتی اگر اپنے بیٹے کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سے پاتال میں نہ کھینچ لے جاتے۔

✦✦✦

''اپنی بیوی کو سمجھاؤ ارتضیٰ میرے گھر میں یہ سب نہیں چلے گا۔'' وسیع لاؤنج میں جدید تراش کا لباس زیب تن کئے بیٹھیں عالیہ بخاری کے ہر انداز میں کروفر جھلک رہا تھا ماتھے پر بل لئے وہ مسلسل ارتضیٰ کو گھور رہی تھیں جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے مضطرب تھکان زدہ سا نیم وا آنکھوں سے ماں کو دیکھ رہا تھا ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کئے ماتھے پر بکھرے بال لئے وہ دونوں آنکھوں کو انگشت شہادت اور انگوٹھے سے دبا رہا تھا مگر سفر کی تھکان تھی کہ دور ہونے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ نظر بار بار اپنے کمرے کے بند دروازے کی طرف پلٹ جاتی مگر وہ تھی کہ گاڑی کا ہارن سن کر بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی وہ بزنس کے سلسلے میں پورا ایک ہفتہ شہر سے باہر رہا۔ اپنے اچانک سے آجانے کی خوشی کے رنگوں کو اس کے چہرے پر دیکھ کر سرشار ہونا چاہتا تھا مگر بند کمرے نے اس کے ارمانوں پر اوس سی ڈال دی تھی وہ عالیہ بخاری کی سب باتیں بے دلی سے سن رہا تھا۔

''اب کیا ہوا؟'' انداز بے زاری لئے تھا۔

"کچھ زیادہ ہی ڈھنگ کا پہننے اوڑھنے کو مل گیا تو محترمہ کے مزاج ہی نہیں ملتے ایک ہفتے سے تم گھر سے باہر تھے اسے آرام سے فرصت نہیں۔ سارا دن کمرہ بند کئے پڑی رہتی ہے میری دوستیں ملنے آجائیں تو منہ لگانا پسند نہیں کرتی" وہ ایک ایک بات بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی تھیں ارتضیٰ بے زاری سے سب سنتا رہا مزید کچھ کہنے سے روکتا یا ٹوکتا تو ایک نئی بحث چھڑ جاتی جس پر بند باندھنا مشکل ہو جاتا۔

"میں اسے سمجھاؤں گا ابھی فریش ہو جاؤں آپ پلیز کھانا لگوادیں دوپہر میں سفر کی وجہ سے لنچ بھی نہیں کر سکا" وہ سیدھا ہوتا بیچاری سی شکل بنائے ماں کو دیکھنے لگا۔ جو سر اثبات میں ہلائے اب بھی اسے گھور رہی تھیں۔ وہ صوفے سے اٹھتے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا دروازہ کھولتے ہی نائٹ بلب کی مدھم روشنی نے اس کا استقبال کیا۔ ونڈوز پر پردے پڑے تھے گہری دبیز خاموشی میں وہ کرٹ کے بل لیٹی تھی۔ قریب ہی اس کی پشت کی طرف ولی سو رہا تھا گہری سانس بھرتے وہ آگے بڑھا دونوں کو ڈسٹرب کئے بغیر صوفے پر جا بیٹھا چہرے کی خوشی ماند سی پڑ گئی۔ ٹائی کو کھینچ کر نکالتے نظر بھر بیڈ پر گئی۔ چہرے پر تشویش سی ابھری وہ مغرب کے فوراً بعد کم ہی سوتی ہمیشہ اس کے آنے پر چاق و چوبند رہتی مگر کبھی طبیعت بھی بگڑ جاتی تو یوں منہ سر لپیٹے نہیں لیٹتی تھی کلائی سے گھڑی نکالتے اس نے ہلکی سی آواز پیدا کئے اسے ٹیبل پر رکھا۔ ولی تھوڑا سا کسمسا کر پھر سے سو گیا مگر وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ موبائل کی ٹارچ آن کئے اس نے وارڈ روب سے اپنا آرام دہ ڈریس نکالا اور واش روم کی طرف بڑھا دس منٹ تک وہ شاور لیکر تولیے سے بال رگڑتا باہر آیا تو وہ اب بھی کندھوں تک چادر اوڑھے سو رہی تھی۔ بیڈ پر اس کی پشت پر بکھرے گولڈن بال نیم اندھیرے میں بھی تانبے کی مانند چمک رہے تھے۔

"پاکیزہ" کچھ بن نہ سکا تو ارتضیٰ نے اس کے سر پر کھڑے ہوتے آہستگی سے اسے پکارا وہ پھر بھی نہیں ہلی۔ چہرے کے گرد بازو پٹنے کے باعث ارتضیٰ دیکھ ہی نہ پایا کہ وہ آنکھوں کو سختی سے میچے آنسو روکتی جاگ رہی تھی۔ دروازے پر ہوتی دستک پر ولی کے اٹھ جانے کے ڈر سے وہ تیزی سے دروازے کی طرف آیا اسے کھولا تو سامنے ملازمہ کھڑی تھی۔

"صاحب جی وہ بڑی بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ کھانا ٹیبل پر لگوادیا ہے آپ فوراً ڈائننگ ہال میں آیئے" ملازمہ کا لہجہ بتا رہا تھا کہ عالیہ بخاری کا آرڈر سخت ہے وہ بے بس سی نظر کمرے میں ڈال کر باہر نکل آیا۔

"پاکیزہ نے دوپہر میں کھانا کھایا؟" اس ن پیچھے چلتی ملازمہ سے پوچھا نہیں صاحب جی وہ تو صبح سے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلیں، ملازمہ نے اس کے پیچھے قدم بڑھاتے ڈرتے ڈرتے بتایا تو ارتضیٰ ایڑھیوں کے بل پیچھے گھوما۔ مطلب اس نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا، لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑے وہ درشتگی سے بولا۔

"صاحب میں صبح بلانے گئی تو وہ نہیں آئیں بڑی بیگم صاحبہ نے کہا کہ نہیں کھاتی تو نہ کھائے زیادہ نخرے اٹھانے کی ضرورت نہیں" بنا لحاظ کئے ملازمہ نے سب اسے بتادیا ارتضیٰ کا غصہ ساتویں آسمان تک جا پہنچا۔

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے" زندگی میں پہلی بار وہ کسی ملازم پر برسا تھا اٹھارہ سال کی وہ لڑکی ان کی خانساماں

رشیدہ کی بیٹی تھی۔ ارتضیٰ کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ کھلے دروازے کے باعث جاگتی ہوئی پاکیزہ تک پہنچی تو وہ گھبرا کر بیڈ سے اٹھی۔ ارتضیٰ کے غصے سے وہ آج پہلی بار ڈری جبکہ عالیہ ملازمہ کی اس حرکت پر دانت پیس کر رہ گئیں۔ ارتضیٰ مٹھیاں بھینچتا غصہ ضبط کرتا ڈائننگ ہال میں پہنچا تو سربراہی کرسی پر بیٹھی عالیہ اسے دیکھ کر مصنوعی سا مسکرائی۔

''کیا ہے یہ سب ماما؟ اگر میں ہفتہ بھر کے لئے گھر سے باہر چلا ہی گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پاکیزہ کے ساتھ یہ سلوک کریں'' لہجہ متحمل ضرور تھا مگر اس کے الفاظ نے انہیں چونکا دیا۔

''کیا مطلب! تمہاری بیوی بچی نہیں ہے پہلی بات تو یہ کہ اسے خود ہی ناشتے کے لئے آجانا چاہئے تھا میں نے ملازمہ کو بھی بلانے بھیجا وہ نہیں آئی اس میں میرا کیا قصور'' ماں کے کرارے جواب پر وہ ٹھس سا کرسی پر بیٹھ گیا۔

''اسلام علیکم!'' نرم، الجھی سی آواز پر اس نے چہرہ اٹھایا تو وہ بھیگا چہرہ اور سوجی ہوئی آنکھیں لئے سر پر دوپٹہ اوڑھے ڈائننگ ہال کے دروازے پر کھڑی تھی اس کی نرم سی آواز نے ارتضیٰ کے لاوا بنے وجود پر ٹھنڈی آبشار سی ڈال دی۔ اس کے اس انداز پر عالیہ بخاری نے زہر بھری نظر اس پر ڈالی۔

''سوری! مجھے پتا نہیں چلا آپ کس وقت آئے، زکام زدہ سی آواز لئے وہ نارمل ہوتی اس کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا'' اس کی آواز میں بھیگا پن محسوس کئے ارتضیٰ الجھ کر رہ گیا۔ سر جھکا لینے پر وہ دوبارہ اس کی روئی روئی سرخ آنکھیں نہ دیکھ پایا۔ عالیہ بخاری بے زاری سی یک ٹک پاکیزہ کو گھور رہی تھیں۔ یقیناً ان کا تیر نشانے پر لگا تھا۔

''اگر یہ کھانا کھانے کا موڈ نہیں تو میں اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں تا کہ تم دونوں کو گفتگو جاری رکھنے میں مسئلہ نہ ہو'' پاکیزہ کے جواب دینے کے بجائے عالیہ بخاری نے طنز کیا تو ارتضیٰ فوراً سیدھا ہوا اور اپنا کھانا پلیٹ میں رکھنے لگا۔ ارتضیٰ نے پہلا نوالہ لیا، دوسرا، اور پھر تیسرا لیا تو بے اختیار اس کی پلیٹ کی جانب دیکھا وہ سر جھکائے پلیٹ میں پڑے چاولوں میں یونہی چمچ چلا رہی تھی وہ ہمیشہ ارتضیٰ کے پہلے نوالہ لینے کے بعد اپنا کھانا شروع کرتی مگر اب وہ انتظار کرتا رہ گیا۔

''کیا ہوا کھانا نہیں کھا رہی؟'' اس فکرمندی پر پاکیزہ کی آنکھیں نم ہوئیں چاولوں سے بھرا چمچ منہ میں رکھا تو ارتضیٰ بھی کچھ سوچتا بے دلی سے کھانا زہر مار کرنے لگا۔ اور عالیہ بخاری بہو کے چہرے پر واضح ہوتے شکست کے رنگ دیکھ کر مسکرا دیں کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تو پاکیزہ دونوں ماں بیٹے کو لاؤنج میں چھوڑ کر کمرے میں چلی گئی ارتضیٰ تو بس اس کی نم آنکھیں اور خاموشی دیکھ کر الجھ کر رہ گیا۔ عالیہ کو اپنے بزنس ٹور کا احوال سنا کر وہ آدھے گھنٹے سے لاونج میں بیٹھا تھا۔ یہ سچ تھا کہ وہ صرف ایک پاکیزہ والی نافرمانی کے سوا ایک اچھا بیٹا ہونے کا ہمیشہ ثبوت دیتا۔ اب بھی وہ پاکیزہ والے موضوع سے بار بار بچا تھا اتنے دن بعد گھر آنے پر وہ اپنے موڈ کو ناخوشگوار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ملازمہ تیار ہوئے فریش سے ولی کو لئے کمرے سے باہر نکلی تو ارتضیٰ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور لپک کر اس کی طرف بڑھا ولی بھی اسے دیکھ کر ملازمہ کے ہاتھوں میں ہاتھ پاؤں چلانے

لگا۔ ملازمہ نے اسے زمین پر چھوڑا تو وہ ہنستا ہوا باپ کی طرف دوڑا۔

''پاپا'' ارتضیٰ نے مسکرا کر بیٹے کو بازوؤں میں لیا۔

''پاپا کو مس کیا'' وہ اس کے چہرے کے نقوش کو دیکھنے لگا جو ہو بہو اس سے ملتے تھے جبکہ سفید رنگت پاکیزہ پر تھی۔

''بہت زیادہ'' آنکھیں جھپکتے لہجے میں بھرپور معصومیت تھی ارتضیٰ کو اس پر ڈھیروں پیار آیا واپس صوفے پر بیٹھتے وہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگا۔ عالیہ بھی قریب بیٹھیں دونوں باپ بیٹے کی محبت دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

''آپ دادو پاس بیٹھو میں ایک ضروری کال کر کے آیا'' اس کے ماتھے پر بوسہ دیئے وہ اٹھ کر کمرے میں چلا آیا اب بھی وہ پورے کمرے میں کہیں نہیں تھی ہاں البتہ واش روم کا دروازہ بند تھا سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھائے اس نے منیجر کو کال کی اور اگلے دن آفس سے آف کا بتا کر جیسے ہی کال ڈسکنکٹ کر کے پلٹا تو واش روم کا دروازہ کھلا دھلا دھلایا نکھرا چہرہ لئے وہ واش روم سے نکل کر اسے دیکھے بغیر نظریں چراتی یہاں وہاں دیکھنے لگی۔

''کیسی ہو!'' متبسم چہرہ لئے وہ اسے دیکھنے لگا۔

''ٹھیک ہوں'' ذرا سے فاصلے سے گزرتے وہ کمرے سے نکلنے لگی تو ارتضیٰ کو اس کا لیا دیا سارا انداز دیکھ کر جھٹکا لگا۔

''میں اتنے دن بعد گھر لوٹا ہوں تمہیں احساس ہونا چاہئے کم از کم اپنا موڈ تو ٹھیک کرو'' اس کا کترانا ارتضیٰ کو بہت برا لگا تھا۔

''ولی نے ابھی کھانا نہیں کھایا'' دوٹوک لہجے میں بولتی وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ پیچھے ارتضیٰ اس کے رویے پر پریشان ہوتا کافی دیر اس کا انتظار کرتا کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر کچھ دیر یونہی موبائل سے لگا رہا مگر وہ ولی کو لئے کمرے سے باہر رہی۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے جانے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتا ہی نہیں چلا۔ ویسے بھی پورا ہفتہ بزنس میں مصروفیت کی وجہ سے اسے آرام کی ضرورت تھی۔ رات کے دوسرے پہر اس کی اچانک سے آنکھ کھلی تو وہ یونہی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ نگاہ دوسری جانب اٹھی تو وہاں صرف ولی سو رہا تھا وہ نہیں تھی۔

''پاکیزہ'' حواس باختہ سا وہ سیدھا ہوا کمرے میں چاروں طرف دیکھا تو ٹیرس کے پردے ہٹے اور ونڈو کھلی تو منہ پر ہاتھ پھیرے اس نے خود کو پرسکون کیا۔ پھر اٹھ کر ٹیرس پر چلا آیا پورے چاند کی روشنی نے ٹیرس سے لیکر کمرے تک اپنے دودھیا پر پھیلا رکھے تھے۔ خاموش سناٹے بھرے ماحول میں وہ ٹمٹماتے تاروں بھری چھت تلے ٹیرس کی ریلنگ کے سامنے الجھی سوچیں لئے کھڑی تھی۔

''پاکیزہ'' اس سکوت بھری فضا میں اس کے پیچھے کھڑے ارتضیٰ کی نرم سی سرگوشی پر وہ سہمتی دل پر ہاتھ رکھتے تیزی سے پلٹی پھر دھندلی بھرائی آنکھوں سے اب محبوب شخص کو دیکھا جس کے چہرے کا نقوش اس کی محبت کے رنگوں کی طرح دھندلا گئے۔

''آپ'' واپس رخ موڑے اس نے ارتضیٰ سے اپنے آنسو چھپائے۔

''اس سب کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' اس کے ساتھ کھڑے ہوئے اس نے تاروں بھرے آسمان کو دیکھا پھر رخ موڑے اس کی پلکوں پر اٹکے ان موتیوں کو دیکھا اسے تکلیف

ہوئی اور شدید ہوئی جواب میں وہ دل کے درد کو چھپاتی خاموش رہی۔ وہ کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا پھر بازو سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جس میں ویرانیاں سی بس گئیں۔ پاکیزہ چند سیکنڈ آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا اور نظریں جھکا گئی وہ آنسو ٹوٹ کر گالوں پر گرے۔ ارتضیٰ کے دل پر بھاری پتھر سے گرے۔

''کچھ نہیں ہوا ہمیشہ سے ٹھیک تھی اب بھی ٹھیک ہی ہوں نیند نہیں آ رہی تھی تو یہاں چلی آئی۔'' بازو چھڑوائے بغیر بھی اس کے لہجے میں احتجاج معلوم ہوا۔

''تو پھر یہ آنسو؟''

''پتا نہیں کیسے نکل آئے'' وہ اپنے ماؤف ہوتے دماغ کو بمشکل سنبھالتے اس سے نظریں چرا کر بولی ورنہ دل تو چاہا کہ اندر ابھرتے غبار کو نکال باہر پھینکے جو ارتضیٰ کی ذات کو بہا لے جائے۔

''تو پھر یوں کہو کہ خواہ مخواہ مجھے تکلیف دے رہی ہو'' اس کی اس قدر باز پرس پر پاکیزہ کا ذہن الٹ پڑا۔ دوسرے ہی پل وہ پورا زور لگائے اپنا بازو چھڑائے پیچھے ہوتی پھٹ پڑی۔

''ہاں دے رہی ہوں تکلیف ہمیشہ میں ہی سب کو تکلیف دیتی ہوں اتنا ہی تنگ آ گئے ہیں مجھ سے تو چھوڑ دیں۔''

''اسٹاپ دس پاکیزہ'' اونچی آواز میں چیخنے پر بھی وہ ذرا نہیں بھڑکا بس ذرا سا ڈپٹ کر ٹوک دیا پاکیزہ نے بے بسی سے اس کی اس مہربانی کو برداشت کیا اس کا دل چاہا کہ وہ اس وقت اس سے لڑتا اور خوب لڑتا کہ جواب میں وہ اپنے اندر کا درد باہر نکال سکتی اس وقت اس کی یہ مہربانی پاکیزہ کو زہر لگی۔

''میں جانتا ہوں تم ماما کی وجہ سے ڈسٹرب ہو مگر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ انہیں سمجھاؤں تو الجھ پڑتی ہیں جواب میں میں کیسے انہی کے انداز میں ان سے بات کروں ماں ہیں وہ میری'' آواز میں دکھ کی آمیزش اور بے بسی تھی۔

''اس بار آپ کچھ نہ کریں ارتضیٰ جو کروں گی میں کروں گی بہت یقین کر لیا آپ پر یہ رشتہ کھوکھلا بن کر میری جان کا عذاب بنتا جا رہا ہے میں کچھ دن اور یہاں رہی تو اس قید میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی، میں اب کچھ نہیں بتاؤں گی، ارتضیٰ میرا کہا آپ پر اثر نہیں کرتا۔ وقت آپ کو سب سمجھا دے گا میں نے یہاں رہ کر کیا کیا سہا ہے'' روتے ہوئے اس کی آواز اونچی ہو گئی۔

''تم خود کو پرسکون کرو پلیز اور صبح چاچو کی طرف چلی جانا دو تین دن رہ بھی لینا۔'' اس کی تلخ باتوں پر ارتضیٰ کا دل زخمی ضرور ہوا مگر اس کی حالت اس سے بڑھ کر تھی تبھی اپنی ساری خوش فہمیاں ترک کیے اسے دلاسا دینے لگا اپنی ماں پر اسے بے انتہا غصہ آیا مگر کیا کر سکتا تھا ماں کے معاملے میں وہ ہمیشہ بے بس تھا۔ پاکیزہ کچھ بھی کہے بغیر کمرے میں چلی گئی اور وہ تھکی تھکی سی سانس خارج کرتے ٹیرس پر پڑی کرسی پر بیٹھتے رات کاٹنے لگا۔ پیشانی پر بنا شکستوں کا جال اس کے تفکر کا گواہ تھا۔ اگلی صبح اس سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ جب صبح کی سپیدی نمودار ہوئی، ٹیرس پر سوئے ارتضیٰ کی آنکھ کھلی تو رات کا سارا منظر پوری جزئیات کے ساتھ آنکھوں میں اتر آیا متفکر سا کمرے میں آیا تو پورا کمرہ سائیں سائیں کر رہا تھا اس کے لیے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ ڈرائیور کے ساتھ صبح ہونے سے پہلے ہی چلی گئی۔ اب ارتضیٰ کے پاس سر تھامنے

کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اس کے تین دن کیسے دو ہفتوں میں بدلے، فون کرتا رہا مگر پاکیزہ کا نمبر بند رہنے لگا۔ حیات بخاری سے بات ہوتی تو اس کا مزید وہاں رہنے کا بہانہ اسے تپانے لگا آخر پندرہ دن بعد وہ خود ہی چچا کے گھر چلا آیا یہاں آنے کا مدعا بیان کیا تو پاکیزہ نے سردو سپاٹ انداز لئے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حیات بخاری تو بیٹی کی اس قدر دیدہ لیری پر ہکابکا رہ گئے جبکہ فرزانہ بیگم نے دل تھام لیا اور ارتضیٰ وہ تو اس کے انکار پر ششدر رتھا کتنی آسانی سے وہ ساتھ جانے سے انکار کر چکی تھی وہ بے یقینی اور صدمے سے اسے دیکھتا رہ گیا مگر پھر بھی بہت دیر خاموشی سے منتظر رہا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل لے مگر جب پاکیزہ کے تاثرات میں کہیں کمی نہ آئی تو ولی کی انگلی تھامے وہ پاکیزہ کو ماں سے بڑھ کر صدمے دیے چچا کے گھر کی دہلیز پار کر گیا اور وہ روتی ہوئی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر پلٹ کر کمرے میں بھاگی حیات بخاری نے تو پریشانی میں بیوی پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی مگر فرزانہ بیگم نے نظریں چراتے لاعلمی کا اظہار کیا کیونکہ پاکیزہ نے ان سے ہر بات مخفی رکھی۔ پوری رات وہ دروازہ بند کئے ارتضیٰ کے اس آخری ظلم کو یاد کرتی بلکتی رہی۔ ولی کی جدائی ناقابل برداشت تھی۔ رات دن میں ڈھلنے سے پہلے ہی وہ باپ کی گاڑی کی چابی اٹھاتی ہر لحاظ بالائے طاق رکھے بیٹے کے حصول کے لئے نکل گئی۔ ارتضیٰ وقفے وقفے سے اسے ڈرائیونگ سکھاتا رہا تھا مگر اکیلے چلانے کا رسک اس نے پہلی بار لیا۔ سوچوں میں الجھا سن سا دماغ، دھندلی آنکھیں اور کپکپاتے ہاتھوں سے گاڑی بے قابو ہوئی تو سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکراؤ سے گاڑی بیچ سڑک میں الٹ پڑی اس قیامت

خیز خبر نے حیات بخاری سمیت پوری فیملی کے حواس چھین لئے حیات بخاری آئی سی یو کے باہر کھڑے اپنے آنسوؤں کو روکتے رہے۔ ان کی بیٹی ان کے فیصلے کے سامنے سر جھکاتی آج اس حالت کو پہنچی تھی وہ اتنی کم ہمت نہیں تھی کہ معمولی سی بات پر گھر چھوڑ آتی انہیں بھتیجے پر بھی غصہ آیا جو چچا کا لحاظ کئے بغیر ولی کو ان کی بیٹی سے چھین کر لے گیا انہوں نے ارتضیٰ کو فون کرنا گوارہ نہ کیا۔ فرزانہ بیگم ہاتھ اٹھائے مصلے پر بیٹھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔ باقی دونوں بہن بھائی کی حالت بھی کم نہ تھی ایک جان لیوا انتظار کے بعد آئی سی یو کا دروازہ کھلا تو پاکیزہ کی معذوری کی خبر سن کر حیات بخاری دل تھام کر وہیں گر گئے اور پھر کچھ ہی لمحوں بعد ان کی موت کی خبر سے پورے ہسپتال میں کہرام سا مچ گیا۔ فرزانہ بیگم کی بے ہوشی اور عائشہ کی چیخ و پکار پر روحان نے روتے ہوئے ارتضیٰ کو فون کیا۔ عزیز جان چچا کی موت کی خبر اس پر بجلی بن کر گری۔ ہواؤں میں اڑتیں عالیہ بخاری نے بھی دنیا دکھاوے کے لئے عرصہ بعد اس گھر کی دہلیز پار کی۔ اس سارے معاملے سے بے نیاز پاکیزہ بے ہوش ہسپتال کے بستر پر پڑی تھی۔ ارتضیٰ کو اس کی اس حالت سے بے خبر رکھا گیا، پاکیزہ کا اپنے سامنے نہ آنا وہ اپنی انا کا مسئلہ بنا چکا تھا۔ تین دن بعد ہوش میں آتے ہی پاکیزہ کو باپ کی موت کا گویا الہام ہوا تھا۔ وہ مسلسل حیات بخاری سے ملنے کا اصرار کرتی رہی۔ ہسپتال میں اپنے آنسو چھپاتے روحان نے تنگ آ کر اسے بتا دیا اور پھر اس کی چیخوں پر اسے سنبھالتی نرسز کے ہاتھوں نکلی وہ اپنا آپ نوچتی پورے ہسپتال کو سر پر اٹھانے لگی تو نیند کے انجیکشن نے اسے پھر سے ہوش حواس سے بیگانہ کر دیا۔ وقت

کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ماں اور بہن بھائی کی طرح حالات سے سمجھوتہ کرلیا وقتی طور پر ہی سہی مگر ارتضیٰ والا باب بند کر چکی تھی اور ولی وہ ہفتے بعد آتا اور پورا ایک دن اس کے ساتھ گزار کر چلا جاتا۔ ارتضیٰ بھی دوسری طرف خاموشی دیکھ کر اپنی تمام تر مزاحمت ترک کر چکا تھا حقیقت یہی تھی جو عالیہ بخاری چاہتی تھیں وہ سب ہو چکا تھا۔

✧✧✧

''پاپا'' موبائل سے سر اٹھا کر ارتضیٰ نے دیکھا تو وہ دروازے پر کھڑا اندر کمرے میں آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا کیونکہ آج ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے ارتضیٰ کا دوسرا روز تھا۔ عالیہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ باپ کو زیادہ تنگ مت کریں اس لئے وہ دو دن سے کم ہی باپ کے آس پاس گھوم رہا تھا۔

''کیا ہوا! آجاؤ پاپا پاس'' موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھے ارتضیٰ نے اپنے دونوں بازو کھولے تو وہ بھاگ کر آتے باپ سے لپٹ گیا مگر اس کی سسکیاں سن کر ارتضیٰ کو جھٹکا لگا اسے اپنے سامنے کیا تو وہ سچ میں رو رہا تھا اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو دیکھنا ارتضیٰ کو دنیا کا مشکل ترین کام لگا۔

''رو کیوں رہے ہو؟''

''ماما پاس جانا ہے'' آنسوؤں میں ڈوبی آواز اور بے چین لہجے نے ارتضیٰ کی سانس ہی سینے میں ہی اٹکا دی اپنی اپنی اناؤں میں جیتے سب نے اس معصوم کو بھلا دیا جو ننھا سا بے ریا دل رکھتا تھا وہ پہلے بھی کئی بار یہ رٹ لگا چکا تھا مگر اس کا یوں باپ سے لپٹ کر رونا اور ارتضیٰ کو تڑپا گیا۔

''دادو سچ کہتی تھیں ماما گندی ہیں وہ یہاں سے چلی جائیں وہ اچھی نہیں ہیں وہ کریکٹرلیس ہیں اس لئے مجھے اور آپ کو چھوڑ کر چلی گئیں'' اس کے زہر سے لبریز الفاظ نے ارتضیٰ کا چہرہ سفید کر دیا۔ پتھر کا مجسمہ بنا وہ کچھ دیر ان الفاظ پر یقین کرتا رہا۔

''یہ سب دادو نے تم سے کہا؟ کب؟ اور ماما کو بھی بتایا تم نے'' لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا ولی آنسو بھلائے سہم کر باپ کو دیکھنے لگا۔

''میں نے ماما کو بتایا کہ آپ کریکٹرلیس ماما ہیں جو گندی ماما ہوتی ہیں۔ ماما نے مجھے تھپڑ لگایا اور خود بھی پوری رات روتی رہیں میں نے سوری بھی کیا مگر وہ پھر بھی مجھے اور آپ کو چھوڑ کر نانو گھر چلی گئیں مگر پاپا مجھے تو دادو نے یہ سب بتایا تو میں نے ماما کو بتایا کیونکہ ماما کہتی ہیں اچھے بچے اپنی باتیں ہمیشہ ماما سے شیئر کرتے ہیں'' اپنی معصومیت میں پوری بات بتا گیا۔ ارتضیٰ سرخ لہو رنگ آنکھیں لئے اس کے چہرے کو تکتا رہ گیا آنکھوں میں رکتی نمی بے اختیار ہوئی۔

''یہ کیا کیا آپ نے ماما اپنے ہی بیٹے کی زندگی میں زہر گھول دیا کیسے ملاؤں نظریں میں اس لڑکی سے بہت چھوٹا کر دیا آپ نے مجھے'' وہ بڑبڑاتا اذیت زدہ تھا آنکھوں سے پانی نکلا تو سر درد سے پھٹنے لگا عالیہ بخاری نے قدموں کی چاپ کمرے میں محسوس کئے وہ بے حس سا سر دونوں ہاتھوں میں گرائے پڑا رہا۔ عالیہ بخاری کا دل اس کی اس حالت پر کٹ کر رہ گیا ولی کے منہ سے نکلتی ہر بات سنتیں وہ بیٹے کے سامنے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گریں۔

''مجھے صفائی میں کچھ نہیں سننا کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا؟ بس اتنا کہ وہ آپ کے شوہر کی آخری خواہش اور آپ کے بیٹے کی دل کی چاہ تھی۔ مجھے احساس ہوتا بھی رہا میں اتنی سوچ لیکر

پاکیزہ سے اتنی فاصلے پر کیسے جارہا ہوں مگر اب احساس ہوا میں آپ ہی کا بیٹا ہوں وہ سطحی سوچ لیکر آپ سے الگ کیسے ہوسکتا ہوں۔" ماں کے آنسوؤں کی پرواہ کئے بغیر وہ بڑبڑاتا رہا اور عالیہ بخاری سر جھکائے روتی رہیں کیسا وار کیا تھا وقت نے کہ وہ اپنے ہی بیٹے کے شیریں لہجے میں زہر گھلا دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے معاف کردو ارتضیٰ تم سچ کہتے ہو، وہ معصوم ہے میں نے اس پر بہت سے بہتان لگائے۔اسے برا بھلا کہا مگر وہ تو شاید منہ میں زبان ہی نہیں رکھتی تھی پلٹ کر کبھی جواب نہیں دیا تم سے شکوہ نہیں کیا اس کا صبر رنگ لے آیا میں تمہاری ہی نظروں سے کیا اپنی ہی نظروں سے گر گئی۔کبھی شوہر کو خوش نہیں رکھا بیٹے کی بھی خوشیاں چھین رہی تھی۔ دیکھو یہ سب میں نے غلط کیا ہے نا تو ٹھیک بھی میں ہی کروں گی تم میرے ساتھ چلو میں پاکیزہ کو آج ہی گھر لے آؤں گی اور اس سے معافی بھی مانگوں گی" انا کا خول چٹخ گیا تو جیت ہار ذہن سے محو ہو گئی انہیں بہت جلد سب ٹھیک کرنا تھا اپنے بیٹے کی زندگی میں پھر سے خوشیوں کے رنگ بھرنے تھے اور پاکیزہ کی چیخیں کانوں میں گونجتی تو ان کا ضمیر انہیں کچوکے لگانے لگتا نیند آنکھوں سے روٹھنے لگی اور بیٹے کے سامنے تو نظریں اٹھانا مشکل ہو گیا تھا ارتضیٰ نے بوجھل زدہ سی آنکھیں کھول کر اوپر دیکھا تو وہ سر جھکائے رو رہی تھیں۔

"اس نے ٹھیک کہا تھا اس کا کہا شاید مجھ پر زیادہ اثر نہ کر سکے وقت سب سمجھا دے گا یہ کیسا رشتہ؟ اور کیسی محبت تھی کہ وہ میرے ہوتے ہوئے بھی تپتی دھوپ تلے کھڑی رہی۔میرے لئے بہت کچھ جھیلتی رہی اور میں نے کیا کیا اس سے ناکردہ گناہوں کی سزا طلاق کی صورت میں دینے لگا کیسے سامنا کر پاؤں گا اس کا؟" گھٹی گھٹی آواز میں اس نے ماں سے سوال کیا تو وہ خاموش رہیں وہ جواب دے بھی کیا سکتی تھیں اپنے بیٹے کو بھی اس موڑ تک وہی لائی تھیں۔

"تم تیار ہو کر ولی کو لئے باہر آؤ میں گاڑی نکلواتی ہوں وہ آجائے گی محبت کرنے والوں کے دل اتنے سخت نہیں ہوتے" اپنی بات مکمل کئے اسے تسلی دیتی وہ پلیٹ گئیں اور ارتضیٰ اس سے سامنا کرنے کی ہمت مجتمع کرنے لگا غلط فہمی میں ہی سہی وہ بھی کہیں نہ کہیں اس کا مجرم ضرور تھا۔

❖❖❖

سیاہ تارکول سڑک کے وسط میں چلتی گاڑی کے دونوں اطراف لگے سرسبز وشاداب درخت ٹھنڈی میٹھی ہوا سے لہراتے جھوم رہے تھے۔ دل کے موسم کا اثر تھا کہ موسم بہار کی موجودگی کا احساس غالب آ گیا اردگرد کا ہر رنگ آنکھوں کو بھلا لگنے لگا مگر اس کے چہرے سے چھلکتے اضطراب کے باوجود اس کی آنکھوں میں دہکتے خوشی کے رنگ واضح تھے گاڑی میں چہکتی اس کے بیٹے کی آواز اور اس کی ماں کی خاموشی سے اس کی نظریں اتارتی آنکھیں اس کے دل میں بہت سا سکون اتر آیا مگر سکون کی آخری کڑی وہی تھی جس کی ناراضگی کا بوجھ اس پر بھاری پڑ گیا کسی وقت میں کی گئی اپنی خواہش یاد آئی تو ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری موبائل کی رنگ ٹون بجنے پر اس نے اپنی مسکراہٹ سمیٹ کر موبائل جیب سے نکالا ایک ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھے اس نے نمبر دیکھا تو دھڑکنیں منتشر سی ہوئیں۔

"پاکیزہ کالنگ" آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں وہ آج آٹھ ماہ بعد اسے فون کر رہی تھی۔

"وہ جھک کر لوٹ تو آئے گی مگر اس کے دل

میں تمہاری محبت کا یقین نہیں دم توڑ جائے گا
دانیال کی آواز کہیں قریب سے گونجی تو اس کے کندھے ڈھیلے پڑے ہاتھ میں تھاما موبائل مٹھی میں بھینچ لیا وہ ایسا کبھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے جھکے اسے اپنی انا کو پیروں تلے روندھ کر اس کے باپ کی دہلیز پر جانا چاہئے تھا بھلے بار بار جاتا اور وہ اتنی سنگ دل نہ تھی کہ اسے ہر بار دھتکار دیتی اس کے اندر کی عورت کو تقویت ملتی اور وہ اس کی محبت پر ناز کرتی واپس پلٹ آتی اسے پہلے سے بڑھ کر عزت دیتی مگر ارتضیٰ نے خود ہی اتنے فاصلے بڑھا لئے کہ پلٹ کر اس کی خبر لینا گوارا نہ کی اور اب وہ جھک کر پہل ہی کر رہی تھی تو وہ بھی گوارا نہ تھی موبائل کی اسکرین پھر سے سیاہ پڑ گئی۔

''کس کی کال ہے؟'' ماں کے سوال پر وہ گاڑی ڈرائیور کرتا بہت دیر چپ رہا موبائل ایک بار پھر سے بجنے لگا اور ارتضیٰ کا دل سکڑ کر پھیل رہا تھا۔

''پاکیزہ کی'' پھر سے موبائل پر نگاہ جمائی انداز میں بے بسی تھی۔

''بات کیوں نہیں کر رہے؟ وہ حیران سی ہوئیں۔''

''کیونکہ میں اپنی مشکلات نہیں بڑھانا چاہتا اب روبرو بات کرونگا جو ہوگا دیکھا جائے گا'' پھیکا سا مسکراتے اس نے موبائل سائلنٹ پر لگائے جیب میں رکھا اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی مگر موبائل کی تھرتھراہٹ اب بھی جاری تھی۔

❖❖❖

وہ موبائل ہاتھ میں تھامے مسلسل ارتضیٰ کا نمبر ملا رہی تھی مگر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا بائیں ہاتھ کے ناخن دانتوں تلے کترتی اس کی پریشانی اور سوئیں بمشکل جتنی بڑھتے ہی آئے امید نہیں تھی کہ ارتضیٰ اسے اس حد تک اگنور کرے گا ایک بار اور نمبر ملاتے وہ جو رونا نہیں چاہتی تھی رو پڑی کیا سچ میں وہ اس سے بے زار ہو گیا؟ پاکیزہ کی معذوری اس کا ہتھیار بن گئی کہ وہ اسے آسانی سے چھوڑ سکے؟ وہ ان سوچوں میں الجھی تو دل ڈوبنے لگا اس سے بڑھ کر وہ کیا کر سکتی تھی اس کے پاؤں پڑ سکتی تھی وہ پھر سے نمبر ملاتے آخری بات سوچ رہی تھی کہ گلی میں گاڑی کا مخصوص ہارن بجا۔

''ولی'' دو ہفتے بعد اس کی آمد نے پاکیزہ کو خوشی سے ہمکنار کیا۔ موبائل بیڈ پر رکھے اس نے تیزی سے آنسو صاف کئے اور بکھرے بالوں کو جوڑے میں سمیٹا ابھی وہیل چیئر کا رخ دروازے کی طرف کیا ہی تھا کہ دھاڑ سے دروازہ کھلا اور ولی بھاگ کر آتا کھلکھلاتا ہوا پاکیزہ کی گود میں چڑھا۔ ایک ٹانگ پر وزن پڑا تو درد کی ایک لہر پورے وجود میں سرایت کر گئی مگر ضبط کرتی اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لئے دھندلائی نظروں سے دیکھتی اسے خود میں بھینچنے لگی وہ ہر رات کروٹ بدل بدل کر بیٹے کو یاد کرتی روتی تڑپتی رہتی۔ ہفتے میں ایک بار چند گھنٹوں کے لئے آتا تو اس کا جی نہ بھر پاتا ایک بار اس نے ولی کو اپنے پاس بھی رکھ لیا ایک پورا ہفتہ اس کے پاس رہ کر وہ باپ سے ملنے کی ضد کرنے لگا وہ گیا تو تین ہفتوں تک واپس نہ آیا یہ اس کے لئے واضح دھمکی تھی اب بھی دو ہفتوں کے بعد آیا تو وہ اپنا گناہ گننے لگی۔

''ماما کی جان'' آنکھیں بند کئے اس کی آنکھوں سے آنسو قطار در قطار نکلنے لگے دہلیز پر کھڑے ارتضیٰ سے اس کی یہ تڑپ برداشت نہ ہوئی تو اذیت سے آنکھیں میچ لیں پھر کھولیں تو

ویل چیئر پر بے بس سی بیٹھی دونوں ٹانگوں پر
چادر ڈالے رکھے اس کے چہرے کی رنگت
زردی مائل اور وجود لاغر سا لگ رہا تھا دوسری
طرف اس کے ناک کے نتھنوں سے مخصوص
خوشبو کا ریلا گھسا تو اس نے سر جھٹک کر خود کو
پرانے وہم سے نکالا پھر ولی کو دیکھا جو اسے دیکھ
کر مسکرا رہا تھا اسے اس کی مسکراہٹ میں کچھ
خاص پن محسوس ہوا۔

''تمہارے پاپا کیسے''

''تمہیں یہ مجھ سے پوچھنا چاہئے میں تمہیں
تفصیل سے بتاؤں گا'' بھاری آواز پر ہاتھ آنسو
صاف کرتے ہاتھ ساکت ہوئے آنکھوں کو سختی
سے بند کر لینے پر ارتضیٰ ذرا سا مسکرایا ولی ماں کی
گردن سے سر نکال کر پیچھے دیکھنے لگا۔

''ارے ہمارا ہیرو ماما پاس چھپا ہے ادھر آؤ
خالہ پاس'' عائشہ کمرے میں آتی ولی کو بہلا پھسلا
کر اپنے پاس بلانے لگی جو اس سے چھپتا سیدھا
کمرے میں آیا تھا۔

''نہیں جانا خالہ پاس ولی ماما پاس رہے گا''
مگر عائشہ احتجاج کرتے ہوئے اٹھا کر باہر لے
گئی۔ پاکیزہ اسے چاہ کر بھی روک نہ پائی اس کی
آمد نے اس کے حواس گم کر دیئے پھر جانے کیا
ہوا کہ جھکی آنکھوں میں پھر سے پانی بھرا اور
گالوں پر آن بہا۔ ارتضیٰ جو یک ٹک اس کے
چہرے کی پھیکی رنگت کو دیکھتے مزید اذیت زدہ
تھا قدم بڑھاتا آگے آیا۔ وہیل چیئر کے پاس
پہنچا تو گھٹنوں کے بل اس کے قریب زمین پر
بیٹھا پاکیزہ نے سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا وہ اس
کے جھکے سر اور گود میں گرتے آنسوؤں کو دیکھتا
رہا۔ پھر اپنا کپکپاتا ہاتھ سفید چادر میں ڈھکے اس
کے پاؤں پر رکھا پاکیزہ کا ہچکیاں بھرتا وجود
ساکت ہوا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ اک پل
لے لئے اسے لگا وہ منہ کے بل زمین پر آن گری
ہو۔ دوسرے ہی پل اس نے پاؤں اس کے
ہاتھ سے دور کرنا چاہا مگر ناکام رہی۔

''ایسا مت کریں ارتضیٰ مجھے یوں بے
موت مت ماریں'' بلک بلک کر روتے اس نے
جھک کر اس کا ہاتھ ہٹانا چاہا تو ارتضیٰ نے درمیان
میں ہی اس کا ہاتھ اُچک لیا۔

''ایم سوری! ماما، ولی اور میری طرف سے''
اس کا سفید مخملی ہاتھ اپنے ہاتھ میں قید کئے اس
نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا ان
براؤن آنکھوں میں محبت پوری طرح آن بسی۔
اسے لگتا تھا لوگ اتنی اذیت دینے کے بعد ایک
لفظ ''معافی'' کیسے ادا کر لیتے ہیں مگر اس کا ادا
کرنے کا انداز اور لہجہ اس کی بدگمانی دھونے لگا
وہ آٹھ ماہ بعد ہی سہی مگر خود چل کر اسے پھر سے
لینے آیا تھا اس کی اس بات نے اس کے رتجگوں
اور بے چینیوں میں گزرے دن و رات پر پردہ
سا ڈال دیا۔ دل میں جمی کثافت کو صاف کر دیا
اس کے لہجے سے چھلکتی محبت نے اس کے مردہ
وجود میں جان سی ڈال دی آنکھوں کو رگڑ کر
آنسوؤں کی چادر ہٹائی تو وہ سامنے بیٹھا سر اٹھا
کر اس کے سرخ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ براؤن
آنکھیں جگنوؤں کی مانند ٹمٹما رہی تھیں وہ زیادہ
دیر یہ سحر انگیز منظر دیکھ نہ پائی تو نظر جھکا کر گود
میں رکھے اپنے دوسرے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔

''پلیز اوپر بیڈ پر بیٹھ جائیے اور آپ کو یوں
نہیں کرنا چاہئے تھا'' کچھ دیر پہلے کے اس کے
عمل پر وہ سخت شرمندہ ہوئی وہ اٹھ کر بیڈ کے
کنارے بیٹھا ہاتھ ہنوز اپنے ہاتھ میں رکھا جیسے
اس کے پھر سے چھوڑ جانے کا ڈر ہو۔ باہر سے
آتی عائشہ اور روحان کی لڑائی کی آواز اور ولی کی
کھلکھلاہٹ گونج رہی تھی۔ یقیناً وہ ولی کو ایک

دوسرے سے چھین رہے تھے۔

''آپ سچ میں طلاق جیسا قدم اٹھا رہے تھے؟'' بولتے بولتے اس کی آواز پھر رندھ گئی ارتضیٰ اسے جواب دینے کے بجائے شرمندہ ہوتا چپ ہوگیا پاکیزہ کو اس کا خاموش ہونا بہت محسوس ہوا۔

''دوسرا قدم بھی اٹھا لیتے ویسے بھی اب مجھے جیسی ادھوری عورت آپ کے قابل بھی کہاں رہے گی پہلے تو بغیر قصور کے نوبت یہاں تک لے آئے اب تو پھر نقص زدہ ہوں۔''

''اس سے آگے ایک لفظ بھی نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا پاکیزہ میری برداشت مت آزماؤ میں کوئی گرا پڑا نہیں ہوں جو خود سے من گھڑت باتیں کر رہی ہو'' اس قدر غصیلے لہجے پر پاکیزہ سہم گئی ارتضیٰ نے اس کا خوف زدہ چہرہ دیکھا تو مدھم پڑا۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا یہ رشتہ تمہارے گلے کا طوق بنتا جا رہا ہے میں نے بھی دل پر پتھر رکھ کر فیصلہ کیا مگر دل بری طرح دغا دے گیا دو دن ہسپتال رہ کر آیا ہوں۔''

''کک کیا ہوا آپ کو'' فکر مندی سے بولتے اس نے ارتضیٰ کے چہرے پر غور کیا تو آنکھوں کے گرد حلقے اسے اب نظر آئے چہرے کی ماند پڑی رنگت پر اسے شدید تشویش ہوئی۔

''کچھ نہیں بس طلاق والی بات کو لیکر زیادہ سٹریس لیا لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں'' اس کے چہرے پر پھیلتی پریشانی دیکھ کر اس نے مٹھی میں دبے اس کے ہاتھ کو دبا کر تسلی دی۔

''میں ایسا کبھی نہیں چاہتی جو ہوا مگر میری ذات کو اس گھر میں کچل دیا گیا بے شک آپ فرماں بردار بیٹے رہتے میں نے آپ کی فرماں برداری میں کوئی خلل نہیں ڈالا مگر آپ کو میری

میرے لئے اتنی بڑی نہ تھی میں تو اسی روز مر گئی جس دن اپنے بیٹے کے منہ سے اپنے لئے وہ لفظ سنا جس کا سوچنا بھی میرے لئے گناہ تھا اس نے مجھ سے پوچھا نہیں تھا اس نے مجھے بتایا تھا۔ ارتضیٰ حیات بخاری کی بیٹی اور ارتضیٰ بخاری کی بیوی ایک بدکردار لڑکی ہے۔ میرے چھوٹے سے ناسمجھ بچے کے ذہن میں میرے لئے گند بھرا جا رہا تھا میں آپ کا اور آپ کی ماما کا مقابلہ تو کر سکتی تھی مگر اس کا نہیں اتنی سی عمر میں اس کی نظروں سے گرا دی گئی تو اس کی نظر میں میری کیا وقعت ٹھہرتی میں نے اسے مارا کس کے کئے کی سزا اسے دی آج نہیں تو کل آپ کے سامنے بھی الزام زدہ ٹھہرا دی جاتی'' اس کا بے بس سا لہجہ ارتضیٰ کو تڑپا گیا۔

''تمہارے کردار کی گواہی کے لئے مجھے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔''

''آپ کے لئے نہ سہی مگر میرے بیٹے کے لئے میرا کردار سوالیہ نشان بن جاتا میں اس گھر میں رہ کر ہر بات تو سہہ سکتی تھی مگر بات حد سے بڑھ گئی اوپر سے رہی سہی کسر آپ کے بعد والے رویے نے پوری کر دی۔ ولی کو مجھ سے چھین کر لے گئے کوئی اس طرح بھی کرتا ہے بھلا۔'' آخری بات میں ناز بھرا شکوہ تھا وہ مدھم سا مسکرایا۔

''ولی کو اس لئے لیکر گیا کہ تمہارے جلد واپس لوٹ آنے کی امید باقی رہتی بعد والے رویے کی تو بات ہی مت کرو تم سے غافل کبھی نہیں رہا اور نہ ہی اس گھر سے تم مجھے چاچو کی موت کا قصور وار سمجھتی رہی سچ پوچھو تو میں بھی بہت دیر پشیمان رہا مگر یہ بہانہ نہ سہی کچھ اور اور وقت بھی ہوتا تو یہ سب اپنے وقت ہو کر رہتا۔

تب بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چچی سے ہر دوسرے روز تفصیلی بات ہوتی رہتی۔ عائشہ اور روحان کی سٹڈی پر میری نظر رہتی ہے۔ تبھی تو چچی جان مطمئن رہتی ہیں اور رہی تمہاری بات تو ڈاکٹرز سے میری بات ہو چکی ہے چند دن تک تمہارا میجر آپریشن ہے پھر کچھ ماہ فزیوتھراپی کے بعد تم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاؤ گی۔ تم اتنا تو جان ہی چکی ہو مجھے پاکیزہ کہ میں اپنے ہر رشتے کو اس کے اصل مقام پر ہی رکھنا چاہتا ہوں وہ میری ماں تھی میں انہیں اپنے لہجے اور اور آواز سے نہیں جھکا سکتا تھا۔ تمہارے ساتھ بھی میں نے کوئی زور زبردستی نہیں کی میں تمہیں کوئی دھمکی دے کر یہاں سے لے جاتا روزانہ تم گھر چھوڑ کر بھاگی چلی آتی میں بار بار پیچھے آتا تو تم سے اکتا جاتا میں بھی انسان ہوں رستہ کانٹوں سے لبریز ہوتا تو راستہ ہی بدل لیتا میرا بدلتا رستہ، میری محبت کو آلودہ کر دیتا میں نے تمہیں اور ماما کو تم دونوں کے حال پر چھوڑ دیا خود بھلے بے حال رہا اور طلاق جیسا فعل بھی میری برداشت کی حد تھی میں نے برداشت کی یہ آخری حد کو بھی آزمایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طلاق کے کاغذات دیکھ کر میں ہوش کھو بیٹھا۔ ہمارا یہ رشتہ جس میں میری محبت اور تمہاری وفا شامل تھی وہ ہمارے غلط فیصلوں کی صورت طوفان کی زد میں آ گیا۔ آئندہ کسی بات کو لیکر ہائپر ہو تو گھر چھوڑنے کی بجائے سب سے پہلے مجھ سے بات کرنا میں کوئی سدِ باب نہ کر سکا تو پھر تم اس بات پر حق رکھتی ہو کہ میں اپنی انا کو بھلا کر اپنی غلطی تسلیم کروں یہاں آؤں اور تم سے معافی مانگوں تمہیں پتا ہے تمہارے اس عمل سے میرا کتنا تماشا بنا کہ میری بیوی مجھ سے ناراض ہو کر چلی گئی۔ پلیز پاکیزہ آئندہ بند کمرے میں میرا گریبان پکڑ لینا لیکن یوں سرِعام میری تذلیل مت کروانا یوں چھوڑ کر مت آنا۔ ہمیشہ مجھ پر بھروسہ رکھنا رکھو گی نا؟'' محبت کی چاشنی میں ڈوبے وہ الفاظ پاکیزہ کا دل پوری طرح موم ہوا وہ چاہتا تو یہ باز پرس چیخ کر بھی کرسکتا۔ خود پر بھروسہ نہ کرنے کی اس کی غلطی آٹھ ماہ کی بکی کا حساب اور آٹھ ماہ سے اس کی خاموشی کا کوئی اور رنگ دیتا کوئی دوسرا طریقہ اپنا لیتا مگر وہ تو سراپا محبت بنا اس کے روبرو تھا اور پاکیزہ کا دل تو عرصے سے اس کی محبت کا قائل تھا۔

''رکھوں گی'' وہ مدھم سا بولی کہ ارتضیٰ بمشکل ہی سن سکا۔ دانیال کی باتیں پھر سے یاد آئیں

''اور محبت وہ تو مجھ سے کرتی ہو نا؟''

آسودگی سے مسکراتے اس کا اگلا سوال غیر متوقع تھا پاکیزہ آنکھیں پھیلائے منہ کھولے اسے دیکھنے لگی پھر کچھ یاد آنے پر ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ کو دانتوں تلے دبایا پھر جھکے سر سمیت نفی میں سر ہلا کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر جیسے کسی نے سفید رنگ پھیر دیا ہو۔ دانیال کی باتیں اسے سچ معلوم ہوئیں اس کا ہاتھ چھوڑتا وہ سیدھا ہوتا ذرا سا پیچھے ہوا بالوں میں ہاتھ پھیرے رخ موڑ گیا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر سنجیدگی نے بھی اپنا خوبصورت رنگ دکھایا خود کو نارمل کرتے چہرے پر مصنوعی رونق لاتا اسے دیکھنے لگا جو تپتی سرخ رنگت لئے بڑے ضبط سے اپنی مسکراہٹ روکے بیٹھی تھی ارتضیٰ نے آنکھیں سکیڑ کر اس کے تاثرات نوٹ کئے جس کی آنکھوں میں شرارت بھی نظر آئی۔

''مجھے آپ سے محبت کا پتہ نہ سہی مگر مجھے آپ کی محبت سے محبت ضرور ہے ارتضیٰ'' پورے اطمینان سے کہتے زیادہ دیر ضبط نہ کر سکی تو ہنستے ہوئے بول اٹھی اس کی نم پلکیں، سرخ

چہرہ اور ہونٹوں پر مسکراہٹ دھوپ چھاؤں سے اس منظر پر ارتضیٰ مسمرائز سا ہوگیا۔ پاکیزہ اب منہ پر ہاتھ رکھے گردن پیچھے گرائے اس کے کچھ دیر پہلے منہ کے بنے زاویے یاد کرتی قہقہے لگا رہی تھی۔ سارے غم اس کی سنگت میں کہیں دور جا سوئے وہ بھول گئی کہ پچھلے آٹھ ماہ اس نے وہیل چیئر پر اس کے انتظار میں گنوا دیئے۔ بس یاد رہا تو اتنا کہ اس کا انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ عالیہ بخاری کی قریب سے آتی آواز پر اس کا قہقہہ منہ میں ہی دب گیا طلسم ٹوٹنے کے بعد بھی ارتضیٰ کا دماغ غیر حاضر سا رہا اس کی ماں سچ کہتی ہے وہ ساحرہ ہے جس کا جادو ارتضیٰ کے حواس چھین لیتا ہے۔

''ارتضیٰ تائی ام کی آواز'' بے یقینی میں اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''وہ خود تمہیں لینے آئی ہیں تم بھی اپنا دل صاف کر لینا'' لہجہ التجایا تھا پاکیزہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''اگر تمہاری باتیں مکمل ہو گئیں ہو تو میں اپنی بہو سے بات کر سکتی ہوں'' کمرے میں آتے وہ ارتضیٰ سے مخاطب تھیں جو ماں کے بے تکلف لہجے پر دل سے خوش ہوا۔ پاکیزہ سر اٹھائے سہم کر اسے دیکھنے لگی جس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی۔ وہیل چیئر پر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ کر عالیہ بخاری کا دل ندامت سے گھر آیا ان کے سب اندازے غلط ثابت ہوئے اس چھوٹے سے گھر میں رہنے والے لوگوں کے دل سادہ، شفاف اور مخلص ان کی آمد نے ان سب کے چہروں پر بے غرض سی مسکراہٹ پھیلا دی۔ عائشہ بیگم سے بات کر کے گزری باتوں کو یاد کرتے انہیں اپنا آپ ان سے کم تر لگا۔ دولت کی چکا چوند نے ان کے اندر کی بھلائی کو ان سے دور کر دیا تھا۔

''مجھے معاف کر دو پاکیزہ'' ندامت سے سر جھکائے وہ اس کے قریب کھڑیں معافی کی طلب گار تھیں وہ اس سے پہلے اس کی خیریت دریافت کرنا چاہتی تھیں مگر اپنے کچھ دن پہلے والے الفاظ یاد آئے تو ہمت نہ ہو سکی اور پاکیزہ تو ان کے منہ سے اپنا نام سن کر حیرت زدہ تھی ہمیشہ وہ اسے لڑکی کہہ کر مخاطب کرتی رہیں۔

''معافی مانگ کر مجھے شرمندہ مت کریں میرے لئے اس سے بڑھ کر بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپ پورے دل سے اس گھر کی دہلیز پار کرتی مجھے لینے آئی ہیں'' بھیگی پلکیں لئے اس نے مسکرا کر سچے دل سے ان سے کہا تھا عالیہ بخاری کو اس نرم جذبات سے گندھی اس لڑکی سے یہی امید تھی جو دل میں کوئی بھی بغض رکھے بغیر انہیں معاف کر دے گی۔ انہیں انا کو بھلائے ذرا سا جھکنا پڑا تو اس خاردار راستے سے پلٹ آئیں جس راستے میں ان کے پیچھے پیچھے چلتا ان کا بیٹا بھی زخمی ہوا۔ ولی پھر سے کمرے میں آیا۔ ارتضیٰ کی گود میں چڑھا تو ان تینوں کو خوش و خرم آپس میں مگن دیکھ کر ان کے چہرے پر بھی طمانیت بھرا احساس ابھرا اور دل بھی جیسے پوری طرح پرسکون ہوا! مگر انہیں لگا کہ سب ٹھیک کرنے میں انہوں نے بہت دیر کر دی وجاہت بخاری زندہ ہوتے تو ان سے دوگنا خوش ہوتے اپنے کیے کا پچھتاوا حاصل ہوا تو وہ اداس سا مسکرا دیں۔ خوشیاں ہر سو پھیل گئی تھیں۔

❖❖❖

سندس جبیں

چوتھی قسط کا خلاصہ

سہیل مرزا گل لالہ کی زلف کا اسیر ہے۔ دونوں یونیورسٹی فیلو ہیں۔ گل لالہ سردار قبیلے سے ہے جہاں وٹے سٹے کی شادی میں اس کی شادی زبردستی سردار ہاشم الامین کے ساتھ کر دی جاتی ہے۔ سردار ہاشم الامین اپنے قبیلے کا سردار ہے اور پہلے سے شادی شدہ ہے، مگر اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ سہیل مرزا گل لالہ کی بے وفائی سہہ نہیں پاتا اور خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔

دوسری طرف صفا اور اویس ہیں۔ صفا ایک یتیم لڑکی ہے اور نہایت غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خالہ اس کی شادی اویس سے کر دیتی ہیں۔ جس کا رویہ صفا کے ساتھ بہت ابتر ہے۔ شادی کے آٹھ ماہ بعد ایک پولیس مقابلے میں مارا جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوتھی قسط قسط

''فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ زخم زیادہ گہرا نہیں ہے، میں نے بینڈ یج کر دی ہے۔ دو سے تین دن میں فرق پڑ جائے گا۔ باقی ان کا خیال رکھیں۔ انہوں نے کوئی سخت پریشانی ذہن پر سوار کی ہوئی ہے''۔

خاندانی ڈاکٹر تھا جس نے کسی قسم کے تجسس کے بغیر بڑے پیشہ ورانہ طریقے سے صفا کی حالت کے بارے فیروز اور فریا کو آگاہ کیا تھا۔

فیروز نے گہرا سانس لے کر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا ورنہ اس کے ذہن نے تو صفا کا جنازہ تیار کر لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ خودکشی کر چکی تھی۔ بھلا ہو ڈاکٹر کا جس نے بتایا کہ اس کے صرف ہاتھ پہ زخم آیا تھا وہ بھی تیز دھار چھری کو مضبوطی سے پکڑنے کی وجہ سے۔ زیبوا سے گرم دودھ پلا رہی تھی۔ فریا اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ بھی گہری سانس بھرتا باہر نکل آیا۔

کمرے سے باہر نکل کر اسے سردی کا احساس ہوا جبکہ کمرے میں گرم جوش حدّت تھی۔ اس نے اپنی ٹینشن کم کرنے کے لئے سگریٹ لگایا اور جلدی جلدی کش لینے لگا۔ اسے اس بات کی رتی بھر بھی فکر نہ تھی کہ صفا اسے سگریٹ پیتے دیکھ کر کیا سوچے گی؟ بھلا یہ کونسا کوئی روایتی شادی تھی جو وہ اُس کے جذبات واحساسات کا پاس کرتا۔ اسے کیا فکر تھی؟ زیبو کو باہر آتے دیکھ کر اس نے سگریٹ پیر کے نیچے مسل کر بجھایا اور جلدی جلدی اندر بڑھا۔

وہ سامنے ہی تو تھی۔ ایکدم زرد رنگت لئے ......اسکے بستر پر دراز! اس نے فیروز کو اندر آتے دیکھا تو زرد رنگت میں کچھ مزید زردی گھل گئی تھی۔ وہ دروازہ بند کر کے اسکے سامنے جا کھڑا ہوا......صفا اب اسے نہیں دیکھ رہی تھی اس کی نظر اب اپنے زخمی ہاتھ پہ تھی۔ فیروز کو تجسس ہوا کہ وہ اس سے پوچھے کہ آخر وہ کیا سوچ رہی تھی۔

''کیا اویس سے اتنی محبت کرتی ہو کہ مجھ سے تو کیا کسی سے بھی شادی کرنے پہ راضی نہ تھی؟'' فیروز نے بڑے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا تھا۔

صفا کے چہرے کے تاثرات بدل گئے، اس کے چہرے کی زردی میں خوف کی آمیزش صاف نظر آئی۔ فیروز چونک گیا۔

''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ دیکھو! میں اس حقیقت کو خوب جانتا ہوں کہ وہ تمہارا شوہر تھا۔ اور بدقسمتی سے میرا بھائی بھی، اس لئے بے فکر رہو میں اس کا ذکر کبھی بھی ممنوع نہیں کروں گا۔'' اس نے اپنے تئیں تسلی دی تھی۔

صفا کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ فیروز کو اُلجھن ہوئی اس نے صفا کا زخمی ہاتھ تھام لیا۔ وہ بے ساختہ سِسک اٹھی۔

''کیا بہت زیادہ درد ہو رہا ہے؟'' فیروز نے فکرمندی سے پوچھا۔

اس نے روتے ہوئے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ فیروز کو دکھ ہوا۔

''تم نے خود کو چوٹ کیوں پہنچائی؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''وہ بنا جواب دیئے آنکھیں بند کئے پڑی رہی جبکہ آنسو ایک قطار کی صورت اس کی آنکھوں سے بہتے جا رہے تھے۔''

فیروز کو بڑا عجیب سا احساس ہوا۔ جیسے جیسے یہ کہ وہ لڑکی کہ جس کا نام صفا تھا۔ اس میں سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ کچھ ابنارملی تو لازماً تھی۔

اس نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور اُٹھ کر لباس تبدیل کرنے کیلئے چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اس کا ذہن عجیب سے انداز میں پراگندہ تھا۔ آج وہ بہت خوش تھا آج اُس نے اویس کو شکست دے دی تھی کیا ہوا جو وہ اپنی ہار دیکھنے کیلئے زندہ نہ تھا۔ آج فیروز کے پاس اس کا سارا بینک بیلنس، یہ گھر، زمینیں، باغات اور گاڑیاں سب کچھ تھا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی بھی......! وہ چہرے پر چھینٹے مارتے ہوئے عجیب سے انداز میں ہنسا......

قسمت بڑی عجیب چیز ہے۔ بعض دفعہ بڑی بُری مار مارتی ہے۔

اسے یاد آیا بچپن میں اکثر اماں اسے اویس کے پرانے کپڑے پہنا دیا کرتی تھیں اور اسے ہمیشہ فخر ہوتا تھا کہ وہ اپنے عزیز از جان بڑے بھائی کے کپڑے پہن رہا تھا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ آیا تھا کہ وہ ''اُترن'' تھی۔ بچپن کی عادتیں بھلا کب چھوٹتی ہیں۔ آج بھی وہ اویس کی اُترن استعمال کر رہا تھا۔

سبھی کچھ اس کا تھا۔ وہ عجیب سے انداز میں دُکھی ہو گیا۔ خود ترسی کا ایک ایسا دھچکا تھا جس نے اسے جیت کا جشن منانے کی ساری توانائی چھین لی۔

وہ مرے مرے قدموں سے واپس بیڈ روم میں آیا اور روشنیاں بجھا کر صفا کی دوسری طرف دراز ہو گیا۔

✧✧✧

آج اُس پاگل کے ساتھ بجیل مراد کا تیسرا سیشن تھا۔ وہ پاگل تھا جبھی پاگلوں والی باتیں کرتا تھا مگر کیسی عجیب بات تھی کہ آج اس کی باتیں بجیل کے دل پہ عجیب سے انداز میں اثر کر رہی تھیں۔

وہ بولنے لگا...... حالانکہ پہلے دو سیشن اس نے چُپ چاپ گزارے تھے۔ سائیکاٹرسٹ کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس کا گونگے پن کا ڈرامہ ختم نہ ہوا تھا۔ مگر آج اس کی بس ہو گئی تھی۔ وہ ٹوٹے پھوٹے جملے بولنے لگا...... اس کا درد لفظوں کی صورت باہر آنے لگا، آنسو، لفظوں کو سہارا دینے بہتے چلے آئے۔ وہ کبھی روتا اور چند لفظ بولتا اور کبھی بولتا چلا جاتا اور آنسو پلکوں پہ اٹکے رہ جائے۔

بابر چودھری اس کی باتیں مکمل دھیان اور توجہ سے سُن رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ اپنے سامنے رکھے نوٹ پیڈ پر نوٹس لیتے جا رہے تھے۔

اُس کی تکلیف بتاتی تھی کہ زخم بہت گہرا تھا۔ اتنا گہرا کہ بھرنے میں زمانے درکار تھے۔

✧✧✧

تبریز لالہ اسے لینے آئے تھے، بڑے مان اور محبتوں کے ساتھ۔ خوب لدے پھندے۔ باغات کا اعلیٰ پھل اور گڑ شکر کی سوغات کے ساتھ، گھر والوں کیلئے ڈھیروں تحائف لے کر، وہ شادی کے بعد پہلی بار گل کو اس کے میکے لیجانے کے لیے لائے تھے۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اُس سے خوشی سنبھالی ہی نہ جا رہی تھی...... سردار ہاشم اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران تھا، اتنا خوش تو اس نے گل کو کبھی بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔ شوہر کو مکمل طور پر بھلائے اسے بس فکر تھی تو اپنے لالہ کی

کہ وہ ٹھیک سے کھانا کھا رہے تھے وہ آرام دہ طریقے سے بیٹھے تھے ناں......اُسے جیسے ہر چیز کی فکر تھی سوائے اپنے شوہر کے...... بعض دفعہ تو ہاشم کو یہ محسوس ہوا کہ شائد وہ میز پہ دونوں اکیلے تھے، اُن دو نفوس کے سوا میز پہ کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اور یہ چیز اس کے لئے واضح طور پر حسد کا باعث تھی، وہ اپنے اندر اٹھتی حسد کی اُس لہر کو دبانے میں واضح طور پرنا کام تھا جو اسے اپنے حصار میں جکڑتی جا رہی تھی۔

طعام کے طویل سلسلے سے فراغت کے بعد سردار تبریز نے رسماً اس سے گل لالہ کو لے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ اجازت نہ دینے والی کوئی بات ہی نہ تھی۔ اندر کی خبروں کے مطابق سحر اُمید سے تھی۔ اور بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنے اہم اور نازک موقع پر تبریز کی اکلوتی بہن غیر حاضر ہو۔ سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اگر وہ موجود نہ ہوتی تو سردار تبریز اور سردار محمود عالم اس کی غیر موجودگی کی بھلا کیا توجیح پیش کرتے؟ اسے لے جانا بڑا ضروری تھا۔

اور یوں وہ غالباً آٹھ مہینوں بعد اس گھر میں قدم رکھ رہی تھی جہاں سے رُخصت ہوتے سمے اسے لگا تھا کہ بس اب وہ مر کر ہی یہاں واپس لوٹے گی۔ بعض دفعہ انسان کے گمان کتنے غلط ثابت ہوتے ہیں۔

❖❖❖

صفا اور فیروز کے نکاح کو چار دن ہو چکے تھے اور ان چار دنوں میں اس کا ہاتھ کا زخم بھر چکا تھا۔ وہ گھر کے معمولات میں پہلے کی طرح ہی شامل ہو رہی تھی۔ فیروز آج کل بے حد مصروف تھا، اویس کی چھوڑی ہوئی دولت جو اس کے حصے میں نئی نئی آئی تھی۔ وہ اسے ٹھکانے لگانے میں بے حد مصروف تھا۔ صفا سے نکاح کے فوراً بعد وہ سارے کاغذات جن پہ اس نے دستخط کروائے تھے وہ اویس کی ملکیت میں سے نکل کر اب فیروز کی ملکیت میں آ چکے تھے۔ اُسے اس سارے مال و دولت کو اپنی مرضی سے خرچ کرنا تھا، اس نے بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ زمینیں جائیدادیں سنبھالنے کا اسے نہ کوئی تجربہ تھا نہ وہ اس کام کو کرنا ہی چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے مزاج کے حساب سے پلان بنائے تھے۔

اُسے یہ سب بیچ کر جدید آٹومیٹک کار واش کھولنا تھا اور اس کے ساتھ گاڑیوں کا ایک بڑا سا شو روم......

اپنی ساری حسرتیں پوری کرنا تھیں۔ وہ سب کرنا جس کے لئے وہ آج تک ترستا رہا تھا۔

ہر وہ چیز اپنی مٹھی میں کر لینا تھی جو آج تک اس کی دسترس سے دور رہی تھی۔

اپنی ساری ادھوری خواہشات کو پورا کر لینا تھا۔

اس لئے وہ 101 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کام کر رہا تھا۔ دھڑا دھڑ بروکرز سے مل رہا تھا۔ سودے کر رہا تھا۔ چار دنوں میں چار مہینوں جتنا کام کر چکا تھا۔

آج شام جب وہ اپنی پسند کی گاڑی میں گیٹ سے اندر آیا تو اس کے روم روم میں سرشاری اور مسرت تھی آج وہ اپنے شوروم کیلئے جگہ دیکھ کر آیا تھا۔

منزل کتنا قریب تھی۔ بس چند قدموں کی مسافت اور ستارے اس کی مٹھی میں آ جاتے......!!!

❖❖❖

گل لالہ کو وہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہ تھا۔ سحر کی طبیعت کافی ناساز تھی

اور ڈاکٹرز نے اسے کچھ پیچیدگیوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر والدہ زندہ ہوتیں تو شاید وہی خیال رکھتیں مگر اب اُن کے نہ ہونے کی وجہ سے سب کچھ اسے دیکھنا تھا اور وہ خوشی خوشی اس ذمہ داری کو نبھانے کو تیار تھی کیوں نہ ہوں آخر وہ لالہ تھے اس کے...... جن کی پہلی اولاد جلد ہی ان سب کی گود میں آنے والی تھی۔

اس نے سحر کی خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ دونوں میں اچھی دوست ہوگئی تھی۔

سردار محمود عالم اور تبریز دونوں ہی اس صورتحال سے خوب مطمئن نظر آتے تھے۔ خصوصاً تبریز تو بے حد خوش تھا۔

اس نے کب سوچا تھا کہ ایسا ہوگا؟ وہ تو سمجھا تھا کہ اب گل لالہ مر کر بھی واپس نہ آئے گی مگر وہ غلط تھا۔ اس نے جب سردار محمود سے لالی کو واپس لانے کا تذکرہ کیا تو وہ بھی قدرے کشش و پنج کا شکار ہو گئے تھے۔ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ جو کچھ تبریز اس کے ساتھ کر چکا تھا یہ ممکن ہی نہ تھا کہ لالی فراموش کر پاتی...... البتہ اندر کی بات سے وہ بھی آگاہ نہ تھے کہ تبریز نے صرف لالی کی زبردستی کی شادی نہیں کروائی تھی بلکہ اس کی محبت بھی اس سے چھین لی تھی۔

مگر وہ دونوں باپ بیٹے کے سارے اندازے غلط ثابت کرتی ایک بار پھر لال حویلی آ گئی تھی۔

وہ بے حد خوش تھی۔ سحر ثناء قطعی طور پر روایتی بھابھی ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اس کا رویہ گل کے ساتھ اتنا بہترین تھا۔ کہ گل کو افسوس ہوا کہ وہ پہلے کیوں نہ میکے آ گئی۔ اس کی محدود زندگی میں رشتوں کی ویسے ہی بہت کمی تھی۔ اس صورتِ حال میں یہ نیا رشتہ اپنے اندر بڑی دلچسپی اور عزت سمیٹتے ہوئے تھا اور سو باتوں کی ایک بات سحر ثناء اس کے لالہ کو پیاری تھی...... اتنی پیاری کہ اس کی محبت میں تبریز نے اپنی بہن گل کو قربان کر دیا تھا......

''بہن؟'' اس نے لان کے جھولے پہ جھولتے ہوئے سوچا اور لفظ بہن اس کے ذہن کی خالی دیواروں سے ٹکرا کر سر پٹخنے لگا......

وہ اس کی بہن کب تھی؟

وہ اس کی بہن ہی تو نہیں تھی۔

بہن ہوتی تو وہ اس کے ساتھ ایسا کرتا؟؟

اس نے تلخی سے سوچا۔

درد و کرب کی ایک لہر تھی جو اس کے پورے وجود کو چیرتی ہوئی گزری تھی۔ اس نے آنکھیں میچ لیں......

یکا یک موبائل کی بیپ بجی...... اس نے بے دھیانی سے موبائل اٹھایا اور اسکرین پہ نگاہ دوڑائی۔ دل کو جیسے دھکا سا لگا۔

موبائل اسے ری مائنڈ دے رہا تھا کہ آج پانچ اکتوبر تھی۔

بجیل مراد کا جنم دن......

وہ چند لمحے بے جان سے ہاتھوں سے موبائل تھامے اسکرین کو دیکھتی رہی...... پھر بے ساختہ اس کی انگلیاں اسکرین پہ چلنے لگیں۔

رات گہری ہورہی تھی اردگرد کھڑے درخت خاموش تھے اور ستارے مدھم روشنی بکھیرتے ہوئے قدرے حیران سے اُس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ جولان کے تاریک جھولے میں بیٹھی تھی، موبائل کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور اس کے ہاتھ ٹچ پیڈ پہ پھسل رہے تھے...... وہ ایک پیغام تحریر کر رہی تھی۔

✧✧✧

زندگی خاک نہ تھی
خاک اُڑاتے گزری
تجھ سے کیا کہتے
تیرے پاس جو آتے گزری

بڑا معمول کا منظر تھا۔ فریا کے پاس سیپارہ پڑھنے والے بچے آئے ہوئے تھے اور دروازے کے باہر بچوں کی جوتیوں کا ڈھیر سا لگا تھا جن پہ صفا بیٹھی تھی۔ اس کے کان دیوار سے لگے تھے۔ وہ بڑے غور سے فریا کو سُن رہی تھی جو کہ ایک بچے کو سبق پڑھا رہی تھی۔

فیروز کیلئے یہ منظر نیا نہیں تھا اس نے ایک بار پہلے بھی یہ منظر دیکھا تھا...... حیرانگی کی بات یہ تھی کہ آخر وہ کر کیا رہی تھی؟ اگر وہ بچوں کا سبق سُننا چاہتی تھی تو وہ اندر کیوں نہیں چلی جاتی تھی؟ فیروز کیلئے اس کے تاثرات بڑے حیرت انگیز تھے۔ وہ بالکل یوں تھی جیسے کوئی صدیوں سے پیاسا کنویں کو دیکھ رہا ہو۔ یہ لڑکی اس کیلئے معمہ بنتی جا رہی تھی۔ پہلے وہ یونہی واپس مُڑنے لگا۔ پھر جانے اس کے جی میں کیا آئی کہ وہ تھوڑا سا آگے بڑھا۔

''صفا''۔ اس نے قریب جا کر دھیرے سے پکارا۔

وہ یوں چونک کر ہلی جیسے کسی بچھو نے ڈنگ مارا ہو۔ کچھ کہنے کی بجائے وہ ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم کیا کر رہی ہو یہاں؟'' اس نے بڑے عام سے لہجے میں پوچھا۔ اس کی گھبراہٹ فیروز کو بڑی عجیب لگی تھی۔

''وہ...... میں...... کک...... پتہ......'' وہ بے ربطی سے بولتی دیوار کی اوٹ میں ہوگئی جیسے فریا کی نظروں میں نہ آنا چاہتی ہو...... فیروز بڑی گہری نظروں سے اُسے نوٹس کر رہا تھا...... پس منظر میں چھوٹے بچوں کے زور زور سے پڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں...... فیروز نے ایک نظر کمرے کے اندرونی منظر کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ تھام کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا...... مگر...... اسے رُکنا پڑا...... وہ ہاتھ اس کی گرفت میں تھا اس کی مزاحمت نے اسے حیران کیا تھا۔ اس نے عجیب جھنجھلاہٹ میں زور سے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک طرف سے کھینچتا ہوا اندر کی طرف بڑھا۔ گراؤنڈ فلور پہ موجود اپنے کمرے میں لے جا کر اس نے صفا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''تم کیا کر رہی تھی وہاں پہ؟'' اس نے سخت انداز میں پوچھا۔ اب وہ قدرے سنبھلی نظر آ رہی تھی اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ کو دیکھا جو زور سے کھینچنے کے باعث سُرخ ہو رہا تھا پھر فیروز کو دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' بالآخر وہ بولی۔

فیروز کو جیسے اس جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے صفا کو گھورا۔ وہ بڑ گڑا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
اس سے پہلے کہ وہ مزید باز پرس کرتا اس کے موبائل کی گھنٹی بجی اور پھر بجتی ہی چلی گئی۔
''فون کی طرف متوجہ ہوا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔
''واپس آ کر بات کرتا ہوں تم سے''۔ وہ انگلی کر کے وارننگ دینے والے انداز میں کہتا باہر نکل گیا۔
صفا کی جیسے جان میں جان آئی۔ کم از کم اسے اتنا وقت مل گیا تھا کہ وہ کوئی کہانی بنا سکتی تھی۔

❖❖❖

مرشد، تھا جس کا ڈر
وہی بات ہو گئی......
مرشد، میری سنو، کہ
مجھے مات ہو گئی......
مرشد، میرے تو جذبے
سارے ہی بیان تھے
مرشد، اُسی کے ساتھ
میرے، دو جہاں تھے......
مرشد، خوشی ملی بھی تو......
آ کر......پلٹ گئی......
مرشد، میرے نصیب پر''
سیاہی......اُلٹ گئی......
مرشد، کچھ اور بولوں اب
جرأت......نہیں رہی......
مرشد، تسلیوں کی
ضرورت......نہیں رہی......!!
مرشد، اب زندگی میں،
سویرا نہیں رہا
مرشد، وہ میرا......کہتے
میری بات رُک گئی......
مرشد، لکھے کے آگے
میری ذات جُھک گئی
مرشد، یہ میرے سر کی
بلائیں......نہیں گئیں......
مرشد، عرش سے پار

دعائیں......نہیں گئیں......!!!

منظر تھا سائیکاٹرسٹ کے کلینک کا، جہاں محبت کا مارا...... بجیل مراد تھکا ہارا سا اس خنک اور نیم تاریک کمرے میں کاؤچ پر نیم دراز تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ڈھیر تھے جو بہنے کو بے تاب تھے۔

''مجھے زندہ ہی نہیں رہنا...... آپ فضول کیوں وقت برباد کررہے ہیں''۔ وہ اُکتا کر کہہ رہا تھا۔

''بابر چودھری نے جواباً اسے کچھ کہا مگر وہ سُننے کے موڈ میں کہاں تھا۔

''زندگی اتنی اہم نہیں ہے میرے لئے کہ میں ''اُس'' کے بعد بھی جینے کا سوچوں...... کیا فائدہ اس زندگی کا جس میں ''وہ'' نہیں ہے...... بس کچھ ہی دن جاتے ہیں یہ وجود زندگی کے بوجھ سے آزاد ہو جائے گا۔'' وہ تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بابر چودھری نے چونک کر اسے دیکھا۔

''آپ کو خودکشی کے خیالات آتے ہیں؟'' انہوں نے پوچھا

جواباً اس نے دور کسی تاریک خلا میں گھورتے ہوئے بڑے کھوئے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

''زندگی کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی...... وہ خودکشی کے خیالات تو وہ سوچے جو زندگی سے مایوس ہو۔ میں زندگی سے مایوس کب ہوں؟ میں تو صرف خود کو اس کے بوجھ سے آزد کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور اس سارے منظر نامے میں...... آپ کے والدین کہاں ہیں؟ کیا آپ کو کبھی ان کا خیال آتا ہے؟'' وہ اس کی باتوں کا جواب دینے کی بجائے اگلا سوال پوچھ رہے تھے۔

''نہیں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''کیوں؟''

''پتہ نہیں۔''

''آپ کو نہیں لگتا آپ ان کے ساتھ ظلم کررہے ہیں۔''

''نہیں...... میں اتنا نہیں سوچتا......''

''حالانکہ آپ کو سوچنا چاہئے۔''

''میرا تو کسی نے نہ سوچا۔''

''کسی نے؟ یا صرف اس لڑکی نے؟''

''اسے بیچ میں مت لائیں۔''

''وہ تو بیچ میں ہی ہے۔ کہیں گئی ہی نہیں ہے۔''

جواب میں خاموشی

''کسی کے کیئے کی سزا والدین کو کیوں؟''

''پلیز...... یہ ایموشنل بلیک میل مت کریں۔''

''بلیک میل تو آپ کررہے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''انہیں جیتے جی مار کر......''

''زندہ لاش کس کے کہنے پہ بابر چودھری کے پاس آ گئی؟''

''مجبُوری ہے۔ میں مام کو انکار نہیں کر سکا۔''

''اگر ایک وزٹ کیلئے آپ ماں کو انکار نہیں کر سکے تو خود کو اُن سے دور کرنے کے بارے میں کیسے سوچ رہے ہیں؟''

''پتہ نہیں''

گفتگو پھر سے اسکوائر ون پہ آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ایسی اسکوائر جو بند تھی اور راستہ کسی طرف نکلتا محسوس نہ ہوتا تھا۔

☆☆☆

کسے سناؤں گی میں جا کے اپنے دُکھ مالک
تو جانتا ہے میرے پاس میرے ماں بھی نہیں

(ناہید اختر بلوچ)

رات تاریک اور گہری تھی۔ وہ تاریکی میں ایک سایہ سا نظر آتی تھی۔ وہ لان کی زمین پہ بیٹھی مٹی کھود رہی تھی۔ اس کے ماتھے پہ مٹی لگی نظر آ رہی تھی۔ مگر وہ اس سے بے خبری تھی اس نے مٹی کھودتے ہوئے اُس گڑھے کو دیکھا جو کافی گہرا ہو چُکا تھا۔ اس نے ہاتھ اندر ڈال کر گڑھے کی گہرائی کا جائزہ لیا اور پھر اطمینان سے ہاتھ باہر نکالا۔ گہرائی تسلی بخش تھی۔ اس نے احتیاطاً اِدھر اُدھر دیکھا پھر ایک طرف رکھی پوٹلی اٹھائی اور گڑھے میں دبا دی۔ اس کے بعد اس نے مٹی اوپر ڈالتے ہوئے اسے برابر کر دیا۔ پھر ساتھ لگے چھوٹے سے پودے کو دیکھا جس پہ گلابی سدا بہار کا پہلا پھول کِھلا ہوا تھا۔

✧✧✧

اس نے خواب میں دیکھا
وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا
جس کے صحن میں چند پھول کھلے تھے
اور سامنے رُخ پہ دو کمرے تھے
جن کے آگے برآمدہ تھا
برآمدے کے استون کے گرد
بوگن بیل لپٹی تھی
جس پہ دو گلابی پھول
تازہ کِھل نظر آ رہے تھے
بیرونی دیواری کے ساتھ
خوب بڑا سا گملا رکھا تھا
جس میں موتیے کا پودا تھا۔
مگر اس پہ پھول نہیں تھے۔

دروازہ سیاہ رنگ کا تھا
اور دروازے کے پاس
کوئی پُشت کیئے کھڑا تھا
اس نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ
دیکھنے کی کوشش کی......
وہ دراز قامت مرد اس کی طرف
مڑا......
ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔

✣✣✣

وہ ایک فارماسٹ تھا۔ اس نے ساری زندگی دوسروں کی فارمیسی پہ نوکری کی تھی۔ خود وہ کبھی بھی اتنے روپے اکٹھے نہیں کر سکا تھا۔ کہ اپنی فارمیسی تو دور چھوٹا موٹا میڈیکل اسٹور ہی کھول سکتا۔ اگر چہ اس کے خواب بھی ہر نوجوان کی طرح یہی تھے کہ اِدھر وہ فارمیسی کا آخری پراف دے گا اُدھر اس کا اپنا بزنس شروع ہو جائے گا مگر ایسا نہ ہو سکا۔

وہ کنویں کے مینڈک کی طرح ایک ہی فارمیسی میں گزشتہ گیارہ سال سے وابستہ تھا۔ دن رات دوائیوں کا حساب رکھتے رکھتے اسے اپنی عمر اور زندگی دونوں کا حساس بھولتا جا رہا تھا۔ ہر دوسرے انسان کی طرح وہ بھی راتوں رات کوئی ایسا شارٹ کٹ چاہتا تھا جسے استعمال کر کے وہ اپنا طرزِ زندگی اور بینک بیلنس دونوں بدل سکے۔ مگر موقع بھی تو ملتا...... موقع ہی تو نہیں ملا تھا۔

اس کے دکھ کا کوئی انت نہ تھا۔

ہر صبح وہ دس بجے معمولی کے انداز میں اس فارمیسی میں پہنچ جاتا جہاں شیشے کے ایک کاؤنٹر کے پار اسے سفید لیب کوٹ پہن کر رات دس بجے تک کھڑا ہونا ہوتا تھا۔

وہ بھی ایک عام سی صبح تھی۔ آج وہ تاخیر سے جاگا تھا جس کی وجہ سے وہ ناشتہ نہیں کر سکا تھا۔ اپنے خراب موڈ کو ٹھیک کرنے کے لئے اس نے چائے پینے کا سوچا۔

ہاتھ میں ڈسپوزیبل کپ پکڑے فارمایسی کا بھاری گلاس ڈور دھکیل کر وہ اندر داخل ہوا تو کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

''ایم سوری...... ایم سو سوری......'' اُس نے بے ساختہ بولتے ہوئے نظر اٹھائی [illegible] ایک خوش پوش نوجوان کو پایا۔

''اٹس او کے...... مجھے آپ سے ہی کام تھا۔'' نوجوان نے کہا۔

اپنے چائے کے کپ کو سیدھا کرتے ہوئے اُس نے چونک کر اس نوجوان کو دیکھا۔

''لیکن میں آپ کو نہیں جانتا۔'' اس نے سنبھل کر کہا۔

''کیا فرق پڑتا ہے جب میں آپ کو جانتا ہوں۔'' وہ نوجوان عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

✣✣✣

مراد احمد کے خوبصورت بنگلے میں ایک اُداس صبح اُتری تھی۔ دونوں میاں بیوی ناشتے کی میز پہ

سامنے دھرے کھانے کے لوازمات سے بے خبر نظر آتے تھے۔
''کل کے سیشن کے بعد آپ کو کوئی تبدیلی نظر آئی بجیل کے رویے میں؟'' سیمی نے مراد سے پوچھا۔
''کوئی آئیڈیا نہیں؟'' مراد نے ہونٹوں کو ہتھیلی سے ڈھانپا ہوا تھا۔
''بابر کیا کہتا ہے؟'' سیمی نے پوچھا۔
''وہ کیا کہہ سکتا ہے سوائے اس کے کہ، بجیل تعاون کیلئے تیار نہیں ہے۔'' مراد نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔
چائے کے مگوں سے بھاپ نکل رہی تھی۔
''وہ تو بڑے دعوے کرتا پھرتا ہے کہ تین سیشن اور مسائل ختم...... اور اب وہ یوں ہر چیز سے ہاتھ اُٹھا چکا ہے۔'' انہوں نے طنزیہ کہا۔
مراد کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ سیمی سے مکمل طور پر متفق ہیں مگر زبان سے انہوں نے کچھ کہا نہیں۔
''اگر مجھے مزید ایک اور سیشن کے بعد فرق محسوس نہ ہوا تو میں اس کو چینج کر دوں گا۔'' مراد کا انداز فیصلہ کن تھا۔
''مجھے تو بابر سب سے قابل لگا تھا...... سوچا تھا بس کسی طرح بجیل کو اس کے کلینک تک لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں تو کمال ہو جائے گا...... ادھر ایک سیشن ہونے کی دیر ہوگی بجیل پھر سے نارمل بی ہیو کرنے لگے گا''۔ سیمی آہ بھرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
دونوں کے درمیان دھرے چائے کے کپوں سے نکلتی بھاپ اب مدھم ہوتی جا رہی تھی۔
''سیمی! آپ اتنا بھی مایوس مت ہوں۔ میں بابر سے واضح بات کرتا ہوں کہ اگر اسے معاملہ ہینڈل ہو سکتا ہے تو بتائے ورنہ میں ڈاکٹر بدل لیتا ہوں۔'' مراد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
''بالکل...... میں تو خود اسی حق میں ہوں جب......'' سیمی کی بات ادھوری رہ گئی اور منہ کھلے کا کھلا کیونکہ ڈائننگ روم کے دروازے سے بجیل اندر داخل ہو رہا تھا۔
مراد نے ان کی نظروں کے تعاقب میں پیچھے مُڑ کر دیکھا تو حیران رہ گئے۔
بہت دل سے تیار سجا بنا سا بجیل مراد اس وقت سفید گول گلے والی شرٹ اور بلو جینز میں ملبوس، بالوں کو جیل سے جمائے بہت فریش سا لگ رہا تھا۔ اس نے قریب آ کر ماں باپ کو صبح بخیر کے کلمات کہے۔
''ہیلو ڈیڈ، مام گڈ مارننگ......'' اس نے باپ کا کندھا چھو کر ماں کے سر پے بوسا دیا۔
مراد اور سیمی جو ابھی تک حیرت آمیز خوشی سے ساکت سے بیٹھے تھے۔ یکدم چونک کر جیسے ہوش میں آ گئے۔
''بجیل'' سیمی نے وارفتگی سے اسے دیکھا۔
''یس مام...... سب سے پہلے تو گرما گرم چائے پلوائیے۔'' وہ اتنے معمول کے انداز میں بول رہا

کھانے پڑھ، لواس نہ ہو۔

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں......'' سیمی نے خوشی سے بدحواس ہوتے ہوئے کہا۔

''مہرن......'' وہ ملازمہ کو آواز دینے لگیں۔

اب وہ باپ کی طرف متوجہ ہوا۔

''ڈیڈ......''

''یس مائی سَن'' مراد کی آنکھیں نم تھیں۔

''کچھ پیسے چاہیں تھے۔'' وہ موبائل ہاتھ میں ان کی طرف دیکھے بنا اسکرین اسکرول کررہا تھا۔

''شیور...... وائے ناٹ۔'' انہوں نے فوراً موبائل جیب سے نکالا اور شاید آلائن ٹرانزیکشن کرنا چاہ رہے تھے۔

سیمی کی ان سے نظر ملی تو انہوں نے وکٹری کا سائن دیا تھا۔

❖❖❖

غموں کی جو فصیل ہے
وہ اس قدر طویل ہے
غضب تو ہے کہ اِک نہیں
فصیل در فصیل ہے
تم اس کی ہر منڈیر پر
آرزوؤں کے تیل سے
چراغِ دل جلاؤں ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں
وہ پھر سے یاد آ گیا
جو روٹھ کر چلا گیا
اُسے تو خبر بھی نہیں
کسی کا دل دُکھا گیا
اب اس کی میٹھی یاد میں
شبوں کو جاگ جاگ کر
یہ رُت جگے مناؤں ناں
ذرا سا مسکراؤ ناں......

اس نے فیس بک پہ اسٹیٹس اَپ ڈیٹ کیا اور چند لمحے اُسی خالی الذہنی کے عالم میں اسکرین کو دیکھتی رہی پھر فون ایک طرف ڈال دیا۔

اسے وہ بے حد یاد آتا تھا۔ ہر قدم پہ، ہر لمحہ، ہر پل...... کبھی کبھی وہ سوچتی کہ وہ اسے اتنا کیوں یاد آتا تھا۔ اتنا زیادہ کہ اس کا سانس اٹکنے لگتا تھا۔ اور دم گھٹنے لگتا تھا۔ اس سے بے وفائی ایسا ظالم خیال تھا کہ جب بھی وہ اپنے اور ہاشم کے نکاح کے بارے میں سوچتی اسے یقین ہی نہ آتا۔

اور بھلا کیا ہوا تھا اس دن؟

اس کا ذہن دس مہینے پیچھے اس دن کو یاد کرنے لگا جس دن اسے دولہن بنایا گیا تھا۔
وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ بار بار شاکرہ کو دیکھ رہی تھی۔
''شاکرہ! لالہ کدھر ہیں؟''
بے تابی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی تھی اور وہ ارد گرد سے بے خبر بس شاکرہ کو پکارے جاتی تھی۔ شاکرہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔
''اِدھر ہی ہیں بی بی۔'' وہ اس کے ماتھے کا ٹیکا ٹھیک کرنے لگی۔
گل نے بے زاری سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔
وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر اُٹھی اور اسے رُک جانا پڑا۔ اس کا مدار لباس بہت بھاری تھا،۔ اسے سنبھلنا پڑا...... خود کو حوصلہ دینے کیلئے اس نے چٹکیوں کی شکل میں اطراف سے لباس اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔

راہداری میں کھڑی، چلتی پھرتی تو خادمائیں، رشتے دار خواتین اسے حیرت سے تکتی تھیں۔
مگر وہ بے خبر، ایک سے دوسرے کمرے میں بے قراری سے تبریز کو ڈھونڈتی تھی۔
وہ ایک کمرے کے دروازے کی ناب پہ ہاتھ رکھ کر اسے دھکیل رہی تھی جب اسے اندر سے تبریز کی آواز آئی، گلِ لالہ کے تو جیسے سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔ وہ بے تابی سے اندر داخل ہوئی۔
تبریز جو کہ بڑے خوشگوار موڈ میں فون پر بات کر رہا تھا۔ ایکدم چونکا۔ فوراً فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کی آواز میں موجود ناپسندیدگی نے لالہ کو چند لمحے کیلئے اپنی جگہ پہ فریز کر دیا تھا۔
''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ نظر انداز کر کے اس کی طرف بڑھی...... اسے تبریز کا لہجہ نظر انداز کرنا ہی تھا۔ اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔
بھاری لباس اس کے راستے کی رکاوٹ تھا۔ وہ دونوں اطراف سے اپنے کامدار لہنگے کو اٹھائے آگے بڑھی۔
''کونسی بات؟'' تبریز کی آنکھیں ماتھے پہ تھیں۔
گل کے دل کو کچھ ہوا۔
یہ وہ تبریز نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ یہ وہ ہو بھی کیسے سکتا تھا؟
''آپ نے کہا تھا کہ ابھی صرف بات پکی ہوگی۔'' گل کا لہجہ کپکپا رہا تھا۔
''تو؟'' تبریز کا انداز ہنوز تھا۔
''مگر یہاں تو نکاح کی تیاری ہے۔'' گل اٹکنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔
''تو؟'' تبریز نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔
''آپ؟...... '' وہ چکرا گئی......
''میں کیا گل؟'' وہ انجان تھا۔

[illegible] وہ اسے یاددلا رہی تھی۔

''پہلی بات...... مجھے ایسا کوئی وعدہ یاد نہیں...... دوسری بات یہ فیصلہ بابا کا ہے میں اس میں بے بس ہوں۔'' اگرچہ وہ خود کو بے بس کہہ رہا تھا مگر لہجہ بے بسوں جیسا کیوں نہ تھا؟ گل کو حیرت ہوئی۔

''اسے سمجھ آئی تو بس اتنی کہ بھائی میں کچھ بدلا ہوا تھا یہ بھائی وہ نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ جو اس کا تبریز تھا۔ یہ سردار محمود کا بیٹا تھا۔

''میں انکار کردوں گی۔'' اس کی ہٹ دھرمی عود کر آئی......

''تم انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔ گل تھرا اُٹھی۔ اُسے بڑا مضبوط احساس ہوا کہ اسے اس جال میں پھانسا جا چکا تھا اور اب وہ اس جال میں پھڑ پھڑا تو سکتی تھی مگر نکل نہیں سکتی تھی۔

❖❖❖

گھر تھا اویس لغاری کا، منظر تھا فریا کے کمرے کا،

جہاں فیروز اس وقت فریا سے اُلجھ رہا تھا۔

''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں فیروز...... میرے پاس کبھی بھی اتنا وقت نہیں رہا کہ میں غور کروں کہ صفا کس وقت کیا کر رہی ہے؟'' فریا کا لہجہ بے زار تھا۔

''فیروز نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

''آپ میری بات کو سمجھیں آپا...... صورتِ حال اتنی نارمل نہیں جتنی نظر آ رہی ہے...... اس لڑکی کی حرکتوں میں کوئی تو ابنارملٹی ہے۔'' وہ مشکوک تھا۔

''کیسی ابنارملٹی؟'' وہ چونک گئیں۔

''وہ آپ کے سیپارہ پڑھنے والے بچوں کو باہر بیٹھ کر سُنتی ہے اور میں اسے دو سے تین بار نوٹس کر چکا ہوں کہ اس دوران وہ رو رہی ہوتی ہے۔'' وہ جھلا کر اسے بتا رہا تھا۔

فریا حیران ہوئیں۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟'' فریا نے پوچھا۔

''مجھے کیا پتا......'' اس نے کندھے اُچکائے۔

''تم نے اس سے پوچھا؟''

''میں نے پوچھنے کی کوشش کی ہے مگر وہ اتنی ڈفر اور ڈل ہے کہ اسے بات سمجھ ہی نہیں آتی۔'' وہ اُکتایا ہوا سا تھا۔ فریا جواب دیئے بغیر کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔

فیروز کا فون بج رہا تھا۔

اس نے فریا کو دیکھتے ہوئے فون کان سے لگالیا۔

''جی رضوی صاحب۔'' اس نے کہا پھر دوسری طرف کی بات سننے لگا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''ایسے کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے خود آپ کو سارے کاغذات دیئے تھے۔'' وہ ایکدم مضطرب نظر

آنے لگا۔
''میں آپ کو چیک کر کے بتاتا ہوں۔'' اس نے عجلت میں فون بند کیا۔
اور فریا کی طرف متوجہ ہوا۔
''کیا ہوا؟'' وہ اس کی پریشانی بھانپ گئیں۔
''پراپرٹی ٹرانسفر کیلئے جو کاغذات میں نے رضوی صاحب کو دیئے تھے اس میں سے اس گھر کے کاغذات غائب ہیں۔'' وہ شدید پریشانی سے بتا رہا تھا۔
''کیا؟'' فریا کا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔
''جی ہاں۔'' اس نے ماتھے کو مسلا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔
''میں ذرا اس معاملے کو دیکھ لوں۔'' وہ تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔

✧✧✧

یہ سوزِ دروں، یہ اشکِ رواں
یہ کاوشِ ہستی کیا کہیے
مرتے ہیں کہ کچھ جی لیں ہم
جیتے ہیں کہ آخر مرنا ہے

رات سیاہ سائے کی مانند در و دیوار پہ لپٹی ہوئی تھی۔ بنگلوں کے درمیان تعمیر کیا گیا وہ گھر بالکل تازہ تعمیر شدہ لگتا تھا۔ اس وقت وہ سارا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسی تاریکی میں وہ سایہ سا تھا جو اس گھر میں بڑے مانوس انداز میں کچھ کر رہا تھا۔ اس کے قریب جاؤ تو پتا لگتا تھا کہ وہ فرش پہ کچھ پلستر کر رہا تھا۔
اس جگہ کا فرش وہاں سے تازہ تازہ اُکھڑا لگتا تھا، یوں جیسے اس کی کھدائی کی گئی اور اب اسے دوبارہ برابر کر کے پلستر کیا گیا تھا۔ اِردگرد سے بے خبر وہ اپنے کام میں بہت مگن نظر آتا تھا۔

✧✧✧

وہ جو مرنے پہ تُلا ہے اختر؟
اُس نے جی کر بھی تو دیکھا ہوگا

بجیل مراد اپنی سیاہ گاڑی میں گیٹ سے نکلتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے وہی گول گلے والی سفید شرٹ اور نیلی جینز پہنی ہوئی تھی اور اس کے بالوں میں سَن گلاسز اٹکے ہوئے تھے۔ چوکیدار کے چہرے پہ حیرانی تھی آج کئی مہینوں بعد وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا۔ حیرانگی تو بنتی تھی۔
اس نے تیزی سے گاڑی گیٹ سے نکالی...... یوں جیسے کہیں جانے کی بہت جلدی تھی۔ اور اسی تیزی کے چکر میں گاڑی گیٹ کے ساتھ رگڑتی ہوئی گئی۔ چمچماتی گاڑی پہ لمبی سی رگڑ واضح دکھائی دیتی تھی۔ چوکیدار نے افسوس سے اسے دیکھا اور دل میں سوچا شاید صاحب گاڑی چلانا بھول گئے تھے۔
وہ اسی رفتار کے ساتھ گاڑی اُڑاتا جا رہا تھا پھر ایک موڑ کاٹ کر اس نے رفتار آہستہ کی، اس کا مطلوبہ ایڈریس آ چکا تھا۔

✧✧✧

ایسا بھی کیا کہ یادلہو میں گھلی رہے
ایسا بھی کیا عمر گزشتہ بسر نہ ہو......!

بجیل مراد ایک ریسٹورنٹ میں لمبی سی میز کے گرد بہت سارے ہم عمر لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان گھرا نظر آرہا تھا۔ وہ یقیناً ایک لمبا چوڑا مینو آرڈر کر چکے تھے۔ جبھی اس وقت اپنے کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ساتھ ساتھ سلفیز کا دور بھی چل رہا تھا۔ بجیل مراد اس وقت سربراہی کرسی پہ بیٹھا نظر آرہا تھا۔ اس کے سن گلاسز اس وقت اس کے گریبان سے اٹکے تھے۔

وہ سفید رنگت اور بھوری آنکھوں والی زولوجی ڈیپارٹمنٹ کی حاجرہ تھی جو اس کے ساتھ کھڑی سیلفی لے رہی تھی۔ بجیل کے چہرے پہ ایک گہری مسکراہٹ تھی۔

اس نے دایاں ہاتھ حاجرہ کے شانے پہ رکھا تھا۔ دونوں کے سر جڑے تھے۔

تصویر میں حاجرہ کی بھوری آنکھوں کا کاجل بے حد نمایاں نظر آتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تصویر اپ لوڈ کر دی گئی۔

❖❖❖

میں نے کبھی کلائی پہ گھڑی نہیں باندھی
اُنگلی میں انگوٹھی تک نہیں پہنی،
میرے یار جیب میں کنگھی رکھتے تھے
میں ہاتھوں کی اُنگلیوں سے
بال سیدھے کرلیا کرتا......
بٹوے کو بارِ گراں سمجھتا تھا،
جیب میں کاغذ، پیسے اور اشیاء
آزاد گھومتے رہتے
اور کبھی گر بھی جاتے
سفر پہ جاتا تو ایک کپڑوں کا جوڑا
ساتھ لے جانا مصیبت بن جاتا تھا،
یہ سب چیزیں میں اضافی سمجھتا تھا
اور اضافی چیزیں بوجھ تھیں میرے لئے
تمہیں !!!
تمہیں تو میں نے دل کی گٹھڑی میں باندھ
کر رکھا تھا......
تم کیسے گر گئیں ؟؟؟؟

بجیل مراد اس وقت اپنے گھر کے کچن میں نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سفوف کی پڑیا تھی جسے پانی میں حل کر رہا تھا۔ پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے گلاس منہ سے لگایا اور سارا محلول پی گیا۔ اس کے چہرے پہ اس وقت کوئی تاثرات نہ تھے۔

اس نے خالی گلاس سنک میں دھویا اور پھر واپس اپنی جگہ پہ رکھ دیا، اس نے ایک نظر چاروں طرف دوڑائی اور پھر باہر نکل آیا۔ اس کا رُخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ گھر کی ساری روشنیاں جلی ہوئی تھیں مگر اِک اَن دیکھا اندھیرا تھا جو اس کے اندر گھر کرتا جا رہا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور موبائل لے کر بیڈ پہ دراز ہو گیا۔

اس نے گھڑی پہ ٹائم دیکھا۔

گھڑی ایک بج کر ستائیس منٹ کا وقت بتا رہی تھی۔

اس نے موبائل کی گیلری کھول لی۔

وہاں صرف ایک تصویر تھی۔

اس نے تصویر کو اُنگلی سے چھوا۔

تصویر زوم ہو کر سامنے آ گئی۔

وہ ''گلِ لالہ'' تھی۔

گلابی اور نیلے لباس میں پھولوں کی باڑ کے سامنے کھڑی وہ کسی بات پہ بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ اس کے موتیوں کی لڑی سے دانت...... تصویر اس کی بے خبری میں لے گئی تھی۔

بجیل نے تصویر کو مکمل زوم کر دیا۔ وہ اتنی بڑی ہو گئی کہ اسکرین پہ صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور موبائل سینے پہ اوندھا رکھ لیا۔ وہ اس وقت سفید شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس تھا۔

اے میرے محرمِ جاں
مجھے نہیں معلوم وفا کسے کہتے ہیں
مگر یہ جو لفظ ''ساتھ'' ہے نا
میں آخری سانس تک نبھاؤں گا۔

اس کے ہونٹوں سے جھاگ کی ایک لکیر نکل کر اس کی گردن پہ بہتی ہوئی تکیے تک جا رہی تھی۔

(باقی آئندہ)

وہم میں الجھا نا اس قدر

حنا اصغر

آسمان پر چمکتے ستاروں کی روشنی ماند پڑنے لگی تھی بادِ نسیم کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اس چاندنی بھری رات کے فسوں میں اضافہ کر رہی تھیں وہ حسبِ معمول اپنے کمرے کی واحد کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے میں مگن تھی۔ چنبیلی کے پھولوں کی معطر کر دینے والی خوشبو نے پورے صحن کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ ابا میاں ابھی تک نہیں آئے...... اس کی نظریں افق پر تھیں لیکن سوچیں کسی اور سمت محو رقص تھیں آناً فاناً منظر بدل گیا ابا میاں اور عباس گھر میں داخل ہوئے دونوں کے ماتھے تیوریوں سے پُر تھے ابا میاں غصے سے بڑبڑا رہے تھے جبکہ عباس کی زبان سے مغلظات کا فوارا پھوٹ رہا تھا اس کا دل کانپا ایسے جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھینچ لیا ہو...... وہ دونوں اماں بی کے کمرے میں چلے گئے جبکہ اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا پہلے پہل وہاں سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھول کر امی جان اور ابا جان اندر داخل ہوئے اس میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ ان کا سامنا ہی کر پائی۔

''کل تمہارا نکاح ہے انصر جمال سے انصر جمال'' شاید اس کی سننے کی صلاحیت سلب ہوئی تھیں لیکن اس کی شادی تو شاید پرویز سے ہونے والی تھی۔ ذہن میں یک ٹک جھما کا ہوا اور سامنے کے منظر پرت در پرت آشکار ہوئے تو تم کامیاب ہو گئے...... ابا میاں کی آواز غیض و غضب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ماتھے پر چڑھی تیوریاں اور آنکھوں میں جھانکتی اس کے لئے نفرت و بے زاری نے اس کو اپنی جگہ ساکت کر دیا۔

''تم جیسی لڑکیوں کی وجہ سے خاندان کے سر تاعمر سرنگوں ہو جاتے ہیں، بھائیوں اور باپ کی پگڑیاں دوسروں کے پیروں تلے روندھی جاتی ہیں، اب جا رہی وہ تو ایک بات اپنے دماغ میں اچھی طرح بٹھا لینا ہم تمہارے لئے اور تم ہمارے لئے مر گئی ہو جس کھونٹے سے تم بندھنے جا رہی ہو وہی کھونٹا ہو گا تاحیات تمہارے لئے سمجھیں......''

ابا میاں کی گرج برس کے ساتھ امی جان بھی شروع ہو گئیں۔

''عباس کے ابا س مجھے تو خبر ہی نہیں تھی کہ یہ رات رات بھر اس کالی کوٹھڑی میں رہ کر یہ گل کھلائے گی میں جب کمرے میں جھانکتی یہ ہمہ وقت کاغذوں کا پلندہ اپنے سامنے بکھیرے ہوئے ہوتی اور آپ بھی تو خوش ہوتے تھے ناں کہ میری ادیب بیٹی کو ڈسٹرب نہ کیا کرو اب دیکھ لیں اس نے کیا کیا ہے؟ ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے پرایا بندہ کیسے رسوا کر گیا ہے، دھمکیاں دے کر گیا ہے، مسجد میں اپنے اور ہماری بیٹی کے معاشقے کے ثبوت لئے پھر رہا ہے۔''

امی فرش پر بیٹھ کر بین کرنے لگی۔

''عباس کی ماں رونا دھونا بعد میں کرنا پہلے تو شاہد کے گھر والوں کو انکار کرو اور اس کو جو دینا دلانا ہو دے کر فارغ کرو میں مزید اس کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

ابا میاں زہر خند لہجے میں بولے۔

"خدا تجھے برباد کرے مریم تو نے میرا سارا مان سارا فخر مٹی میں ملا دیا۔"

امی جان چیل کی طرح اس پر جھپٹی۔ ابا میاں نے ان کو بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

"دفع کرو اس کو میں تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

وہ زبردستی امی جان کو کھینچتے ہوئے کمرے سے لے گئے جبکہ وہ متوش نظروں سے ادھ کھلے دروازے میں سے جاتے ہوئے ان کے وجود کو دیکھ رہی تھی۔

یہ وہ سایہ دار گھنے درخت تھے جنہوں نے اس کو تحفظ دیا اور اب ایک چھوٹی سی غلطی نے اس شجر کو شجرِ ممنوعہ بنا دیا تھا۔

⁂

سارا دن وہ چوروں کی طرح ایک کمرے میں مقید رہی فرحت نے صبح ناشتے کی ٹرے اس کے آگے رکھی اور نخوت سے بولی:

''امی کہہ رہی ہیں تم نے جو سامان ساتھ لے جانا ہے باندھ لو، سارا سامان آج ہی تمہارے ساتھ جائے گا۔''

وہ کہہ کر رکی نہیں جبکہ وہ اس کو روکنا چاہتی تھی اس سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار آئی اور چلی گئی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں کھلنے سے انکاری تھیں سر ایسے دکھ رہا تھا جیسے کوئی بھاری تیز رفتار انجن اس کو کچل گیا ہو دل میں خوف سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ رگ رگ میں دہشت و اضطراب نے ڈیرے جما لیے۔ اماں بی اس کے کمرے میں آئیں اس نے اشکبار نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

''اماں بی میں بے قصور ہوں اماں بی۔''

وہ لپک کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئی اس نے اپنا سر ان کے پاؤں پر رکھ دیا۔

''اٹھ جا مریم میری بچی اٹھ جا۔''

انہوں نے جھک کر اس کو اٹھایا۔ ماں باپ سے لیکر بہن بھائیوں کے بدلتے روپ نے جہاں اس کو کرب میں مبتلا کیا ہوا تھا وہی اماں بی کی حسبِ معمول گرم نرم گرم آواز نے اس کے سارے دکھ سارے آبلوں پر مرہم سا رکھ دیا وہ اس کے برابر آ بیٹھیں۔

''اماں بی یقین کریں وہ جھوٹ بول رہا ہے ایسا کچھ نہیں ہوے میں ایسا کچھ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔''

وہ زار و قطار روتے ہوئے بولی جبکہ اماں بی تاسف سے نہ صرف اس کو دیکھ رہی تھیں بلکہ اس کا سر بھی سہلا رہی تھیں۔

''غلطی تمہاری ہے بیٹا کیا ضرورت تھی راہ و رسم بڑھانے کی جب تم اس کو جانتی بھی نہیں تھی عباس تو مرنے مارنے پر تلا ہوا ہے بڑی مشکل سے تمہارے آغا نے اس کو لیاقت پور بھیجا ہے''

ابھی اماں بی کے الفاظ منہ میں ہی تھے کہ امی جان آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہو کر بولی: ''اماں جان اس کو اکیلا چھوڑ دیں جن ماؤں کی بیٹیاں ایسے کارنامے کرتی ہیں ان کو دلاسے نہیں دیئے جاتے بلکہ ان کے اعمال کی گٹھڑیاں ان کے سر پر لاد کر ان کو رخصت کر دیا جاتا ہے، آپ کو اشفاق بلا رہے ہیں آ جائیں مہمان آنے والے ہیں۔''

وہ اماں بی کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی ان کو کمرے سے لے گئیں مریم روتے روتے ادھ موئے لاشے کی طرح وہیں بستر پر ڈھیر ہو گئی۔

⁂

بیٹا کیا آپ کو انصر جمال کے ساتھ نکاح قبول ہے مولوی صاحب نے تیسری بار جملہ دہرایا قریب بیٹھی امی جان نے اس کا بازو ہلایا اماں بی کی دبی دبی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی سامنے کھڑے ابا میاں اور آغا جان کی خشمگیں نگاہیں خود پر مرکوز پا کر بھی اس کا دل نہیں کانپا تھا اسے پتھر کی بھاری سل اپنے دل پر رکھ لی لیکن آنکھوں میں سے اب بھی کچھ دھواں دھواں سا نکل رہا تھا۔

''اگر تم نے ہاں نہ کی تو مولوی کے جانے کے بعد یہ گھر لاشوں سے بھرا قبرستان بن جائے گا۔''

ابا میاں کی ٹھوس بے لچک اور بھاری آواز نے اس کی حنوط زدہ لاش میں جان بھر دی تھی۔

''قبول ہے۔''

مولوی جو مایوس ہو چکا تھا اس کے الفاظوں پر جھٹ رجسٹر اس کے آگے کیا اسے تین بار اپنا نام گھسیٹا اور زندگی کی ڈور ماں باپ کے ہاتھ سے چھڑا کر اس انسان کے ہاتھ میں تھما دی جس کی وجہ وہ ان حالوں کو پہنچی تھی۔ نکاح کے بعد اس کو ایک ناپسندیدہ ہستی کی طرح رخصت کر دیا گیا۔ شاید وہ دنیا کی پہلی لڑکی تھی جس کی شادی پر گھر کو سنوارا نہیں گیا جس کے ہاتھ پر مہندی نہیں لگی۔ جس کے لئے شگن کے گیت نہیں گائے گئے اور سب سے بڑھ کر اس کی رخصتی پر رونے والا ملال کرنے والا کوئی نہ تھا وہ میکے والوں کے لئے باعث زحمت بن چکی تھی۔

یہی حال سسرال کا بھی تھا اس کی ساس مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ اس کی دو نندیں کونے میں منہ بنا کر ایسے بیٹھی تھیں جیسے ان کو زبردستی لایا گیا ہو۔ رخصتی کا لمحہ بھی آ گیا اس کا سامان صبح ہی روانہ کر دیا گیا تھا اس کو رخصت کرنے والوں میں امی اور اماں بی تھیں آغا جان اور ابا میاں کب کے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔

''سدا سہاگن رہو اماں بی نے اس کو گلے سے لگایا۔''

وہ جو ان دنوں رو رو کر بے حال ہو چکی تھی اب کی بار اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا وہ کسی روبوٹ کی طرح انصر جمال کے ساتھ چلتے ہوئے ان کے گھر کی دہلیز پار کر گئی۔

✦✦✦

''تمہیں دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو بہت خوش اخلاق ہونگے تمہارے لئے حد سے زیادہ مخلص ہونگے تمہاری خوشی میں خوشی اور پریشانی میں غم زدہ ہو جائیں گے اور جب تم ان کو برتوں گی آزماؤں گی تو تمہیں پتہ چلے گا یہ سب تمہارا واہمہ تھا وجدان میں بسا ایک سیراب تھا وہ لوگ گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیں گے۔ سانپ کی طرح تمہیں ڈسیں گے اس لئے اپنا دامن ہمیشہ مضبوط رکھنا خود کو ارزاں کرو گی تو دنیا کی ٹھوکروں میں پڑی رہو گی۔ آن بان کے ساتھ چلو گی تو تمہیں دنیا محض دیکھے گی تم پر انگلی نہیں اٹھا سکے گی۔ میری بچی! چار دیواری میں پلنے والے بچے ہر پہلا ہاتھ بڑھانے والے کو اپنا ہمدرد غمگسار سمجھتے ہیں۔''

اماں بی کی آواز اس کے چاروں طرف گونج رہی تھی لیکن وہ خود نہیں تھیں اس گھٹن زدہ کمرے میں اس کا دم نکلنے لگا۔ کمرے کی واحد کھڑکی کھلی ہوئی تھی محض مروتاً بھی اس کمرے کی آرائش و زیبائش پر نہ تو کسی نے اپنا وقت ضائع کیا تھا اور نہ ہی پیسہ ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک تلخ تھکن آموز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی اگلے ہی پل اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

کمرے کا دروازہ کھلنے سے بند ہونے تک اس کی نظریں ساکت و جامد اپنے سفید ملائی جیسے پاؤں پر ٹکی رہ گئیں وہ کھنکھارا تھا لیکن اس نے اس کو اس شخص سے اتنی نفرت اتنی کراہت تھی کہ دل چاہ رہا تھا اس کا منہ نوچ ڈالے اپنی ساری بھڑاس اس پر الٹ دے اس کا گریبان چاک کر دے اس ایک انسان نے اس کی ہستی کو نہ صرف پامال کیا تھا بلکہ اس کو اپنوں کی نظروں میں اتنا ارزاں کر دیا تھا کہ وہ اب اس کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔

''حریم جو کچھ ہوا اور جن حالات میں ہوا وہ نہیں ہونا چاہئے تھا'' وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا وہ ایک دم سے یوں پیچھے کی جانب دبکی جیسے اس کے برابر انسان کا وجود آ کر نہ بیٹھا ہو بلکہ سانپ ہو۔

''یہ سب کچھ تم نے کیا ہے انصر جمال، تم نے، تم نے مجھے روندا ہے میری عزت پامال کی ہے۔''

وہ روہانسے لہجے میں بولی قطرہ قطرہ آنسو اس کے گالوں پر آبشار کی طرح لڑھکنے لگے۔

''میں تم سے اتنی شدید نفرت کرتی ہوں کہ مجھ سے اس وقت تمہارا وجود نا قابل برداشت ہے۔''

وہ بیڈ سے اترنا چاہتی تھی لیکن انصر جمال نے بروقت اس کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ اس طرح سے کہ اس کا سر اس کے سینے سے جا ٹکرایا وہ ان چھوئی تھی آج تک کسی محرم نے اس کو نہیں چھوا تھا اس کے نرم گرم لمس نے اس کے اندر محشر کا شور برپا کر دیا۔ وہ ایک لمحے کو سٹپٹائی بوکھلائی لیکن اگلے ہی پل نفرت نے اس کے دھڑکتے دل پر مضبوط دیوار تعمیر کر دی جبکہ انصر جمال کی پرشوق گہری بولتی نگاہیں اس کے چہرے پر مس ہو کر رہ گئیں۔ اس کا دل کسی اور لے میں دھڑکنے لگا جس کو پانے کی تمنا کی ہو خواب دیکھیں ہو وہ مل جائے اس سے خوش نصیبی اور کیا ہو گی اسنے محض ایک بار اس کی تصویر دیکھی تھی لیکن وہ اپنی تصویر سے بڑھ کر تھی۔

''اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے میری جان کو......''

وہ مخمور لہجے میں بولا۔ سرشاری اور سرمستی سے لبریز لہجے نے مریم کو سٹپٹا دیا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا وہ اس کے وجود پر اپنی گرفت مضبوط کرتا گیا۔

''میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی چھوڑو مجھے......''

وہ اپنا بازو چھڑانے کی سعی کر رہی تھی لیکن مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکنے لگا جذبوں کا ایک جیتا جاگتا جہاں اس کے مقابل تھا اس ایک انسان نے اپنی خواہش اور منشا کے لئے کتنے لوگوں کی زندگیاں ان کے حسب نسب کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ جو یوں چوروں کی طرح بیاہی گئی تھی سب اس کی مرضی کا شاخسانہ تھا۔

''مجھے تم سے نفرت ہے شدید نفرت، تمہارے اس وجود سے مجھے گھن آ رہی ہے وحشت ہو رہی ہے میں تمہیں اپنے قریب سوچتی ہوں تو جی چاہتا ہے اس دو منزلہ عمارت سے نیچے چھلانگ لگا دوں۔ شاید کسی طور مجھے سکون مل جائے۔''

انصر جمال نے سرعت سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''پلیز مریم! تم نے جو کہنا ہے مجھ سے کہو پھر بھی دل کی بھڑاس نہ نکلے تو مار لو لیکن اپنی آواز اس کمرے سے باہر نہ جانے دو میں مانتا ہوں میری غلطی ہے۔ لیکن میں کیا کرتا تمہیں چاہنے لگا تھا اتنا کہ تمہیں کھو دینے کا احساس ہی میرا دل لرزا دیتا تھا، دن کا سکون اور رات کا قرار گنوا بیٹھا تھا۔''

مریم نے نفرت سے اس کے ہاتھوں کو جھٹکا تھا اور اٹھ کر اس کمرے سے ملحقہ ایک اور روم میں چلی گئی کچھ دیر تک انصر نے اس کے آنے کا انتظار کیا جب اس کو یقین ہو گیا کہ وہ نہیں آئے گی تو مایوس ہو کر وہیں لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر میں نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی جو کہ چند ہی منٹوں میں اس کو نیند کی وادی میں لے گئی۔

❖❖❖

''ہیلو السلام علیکم......''

انصر جمال کے کان میں انتہائی سریلی آواز نے رس گھولا وہ جو اونگھنے لگا تھا بیٹھے بیٹھے چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

''جی! وعلیکم السلام''

اس نے جھوم کر جواب دیا۔

''میں مریم اشفاق بول رہی ہوں حاصل

پور سے میں نے آپ کے ڈائجسٹ میں کہانی بھیجی تھی اس کا پوچھنا تھا......"

"آپ اپنی کہانی کا نام بتائیں"

اس نے دلچسپی سے پوچھا

"میں کون ہوں......"

اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

"میں آپ کی کہانی دیکھ کر کچھ دیر بعد بتاتا ہوں اور آپ کیا کرتی ہیں۔"

انصر جمال نے بات کو طویل کرنا چاہا۔

"کہانیاں لکھتی ہوں بس اوکے آپ دیکھ لیں......"

اس نے کورا سا جواب دے کر فون بند کر دیا لیکن انصر جمال نے تمام کال ترک کر کے پچھلے ہفتے کی ڈاک میں سے اس کی کہانی کا پتہ کروایا وہ اب سر سجاد کے پاس تھی۔

"سر آپ نے پڑھی ہے یہ کہانی"

ان کے کیبن میں جا کر اس نے کہانی اٹھائی اور ان کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں یار ٹائم ہی نہیں ملا تم دیکھ لو......"

انہوں نے کہا اور پھر سے کاغذوں میں گم ہو گئے صاف ستھری لکھائی کے اوپر بلیک روشنائی سے لکھا مریم اشفاق کو اس نے دلچسپی سے دیکھا انتہائی مختصر تحریر کے اینڈ میں اس کا پتہ اور فون نمبر بھی درج تھا۔ تحریر پڑھنے کے بعد اس نے اس کا نمبر ڈائل کیا چار پانچ بیل کے بعد کال ریسو کر لی گئی۔

"ہیوا سلام علیکم"

"وعلیکم اسلام" اس کی نقرئی گھنٹیوں میں آواز اس کے چار سو گونجی مس مریم میں نے آپ کی تحریر پڑھ لی ہے لیکن ایڈیٹر صاحب نے ابھی نہیں پڑھی میں کل ان کو آپ کی تحریر دے دونگا اور جونہی وہ آپ کی تحریر کے متعلق بتائیں گے میں آپ کو انفارم کر دونگا۔"

"آپ حاصل پور سے ہیں"

اگلا سوال بے دھیانی میں اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"جی...... What a coinsidant میں بھی وہیں کا ہوں۔"

اس نے خوشدلی سے کہا۔ جبکہ مریم نے کمال مہارت سے نظر انداز کیا۔

"میں کب کال کروں۔"

اس کے اگلے سوال نے اس کا جی مکدر کر دیا۔

"میں خود کال کرونگا۔"

"اوکے اللہ حافظ"

وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن وہ پہلے ہی فون آف کر چکی تھی جبکہ وہ فون کو گھورتا ہی رہ گیا۔

✧✧✧

"مس مریم امید کرتا ہوں آپ خیریت سے ہوں گی مجھے افسوس سے کہنا پڑھ رہا ہے کہ آپ کی کہانی اگست کے شمارے کے لئے ناقابل اشاعت ہے فقط انصر جمال"

مریم جو کہ کہانی لکھنے میں مگن تھی اس کا موبائل بجا اس نے سرسری سی نگاہ موبائل پر ڈالی اور حقیقی معنوں میں اس کا دل ٹوٹ سا گیا اس نے بے دلی سے اپنی کہانیاں سائیڈ پر رکھ دیں ایک بڑے ڈائجسٹ میں اس کی کہانی ریجکٹ ہوئی تھی جبکہ اس کو سو فیصد یقین تھا کہ اس کی کہانی سلیکٹ ہو جائے گی۔ کافی دیر جھنجھلانے کے بعد اس نے انصر جمال کو میسج کیا یہ نمبر ڈائجسٹ کا نہیں تھا۔ انصر جمال نے اپنے ذاتی نمبر سے اس کو ایس ایم ایس کیا تھا۔ "یہ کہانی بہت جلد بازی میں لکھی تھی میں نے۔ کیا آپ یہ کہانی مجھے واپس پوسٹ کر سکتے ہیں۔"

اس کے ری پلائے کے فوراً بعد جواب

حاضر تھا" ہمارے ادارے میں کہانی واپس بھیجنے کی کوئی پالیسی نہیں ہے۔ لیکن میں ذاتی طور پر آپ کو کہانی بھجوا سکتا ہوں آپ مایوس نہ ہوں آپ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں ۔ آپ ایک دو شمارے کا مطالعہ کریں پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارا ڈائجسٹ مختلف ہے لیکن ہمت ہار کر لکھنا نہ چھوڑیں۔"

اس کے طویل ایم ایس کو پڑھ کر بھی اس کی تشفی نہیں ہوئی تھی اس نے بے ساختہ ٹائپ کیا۔

"میں بہت مایوس ہوگئی ہوں مجھے تو اب یہ لگ رہا ہے شاید میں رائٹر ہی نہیں ہوں۔"

اس کے ایس ایم ایس سینڈ ہونے کے ایک منٹ بعد جواب حاضر تھا۔" ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں ہمت نہ ہاریں"

اس نے بددلی سے پڑھا۔ موبائل سائیڈ پر رکھا اور باہر چلی گئی۔

❖❖❖

کافی سوچ وچار کے بعد اس نے ایک اور کہانی لکھی لیکن مسئلہ وہی تھا اس کو نیٹ کر کے بھیجے یا نہیں وہ اس کشمکش میں گرفتار تھی کہ جھما کے سے انصر جمال کا نام اس کے ذہن میں ابھرا میں نے ایک اور کہانی لکھی ہے۔ اس نے ایس ایم ایس سینڈ کیا۔ اور ٹائم دیکھا پانچ بج چکے تھے اب تو شاید وہ آفس سے چلا بھی گیا ہو۔ اس کا دل مسوس ہو کر رہ گیا لیکن دو منٹ بعد ہی اس کا ایس ایم ایس موبائل اسکرین پر جگمگایا۔

"ویری گڈ کیا لکھا ہے شیئر کریں پلیز۔" اس کے ایس ایم ایس نے اس کو کس قدر تقویت دی اس نے ون لائنز لکھ کر بھیجا

"آپ ایک دوست کو کشمیر بھیج رہی ہیں اور دوسرے کو سوات کشمیر میں جہاد کرنے جا رہا ہے لیکن سوات میں تو کوئی جنگ کا سین ہی نہیں ہے اس پوائنٹ پر نظر ثانی کریں تا کہ کہانی میں کوئی لچک نہ ہو۔"

"اوکے میں اس کو دوبارہ لکھتی ہوں پھر آپ کو سینٹ کرتی ہوں"

"اوکے جی......"

"میں آپ کو کچھ دیر بعد واٹس اپ کرتی ہوں۔"

"اوکے آپ لکھ کر سینڈ کر دیجئے گا" اس نے سہولت سے جواب دیا۔

"Thanks......"

"پلیز شرمندہ نہ کریں، ہم دوست ہیں مجھے آپ کی مدد کر کے دل سے خوشی ہو رہی ہے اور خاص طور پر یہ جان کر کہ آپ میرے اپنے شہر کی ہیں، میں جاب کی وجہ سے لاہور میں مقیم ہوں۔"

"آپ ہر ایک کی ایسے ہی مدد کرتے ہیں۔" اس نے استفسار کیا۔

"ہاہا! جی نہیں، بس جو اچھے لگے یا اپنے اپنے سے لگے ان کی مدد کرتا ہوں اور آپ اپنے شہر کی ہیں آپ مایوس ہوگئی جو کہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔"

اس کے ایس ایم ایس کو اس نے بارہا پڑھا اور وہ خود کو نئے احساس میں گھرتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

"میں نے آپ کو کہانی واٹس اَپ کر دی ہے دیکھ لیں۔"

شام سات بجے کے قریب اس نے ایس ایم ایس کیا جواب حسب معمول حاضر تھا۔

"اوکے دیکھتا ہوں۔"

وہ باہر آگئی تا کہ گھر کے کاموں میں امی کی مدد کر سکے۔ نو بجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں آئی سٹڈی ٹیبل پر جو رکھا ہوا موبائل اٹھایا۔ انصر جمال کے تین طویل ایس ایم ایس موجود

تھے اس نے جس میں پوائنٹ کی نشاندہی کی تھی اس نے ان کو دوبارہ سے ترتیب دیا اور اس کو سینڈ کر دیا۔ اگلے دو دن بعد انصر جمال کا ایس ایم ایس آیا اس نے جو کہانی بھیجی تھی وہ ستمبر کے شمارے کے لئے سلیکٹ ہوگئی تھی۔ جس طرح اس کو خوش ہونا چاہئے تھا وہ اتنی خوش نہیں تھی وہ جانتی تھی اس میں انصر جمال کا زیادہ ہاتھ ہے بلکہ اس کی توجہ اور محنت کا شاخسانہ ہے اس نے اگلے دو تین دنوں میں اس کو مزید اپنی سٹوریز بھیجی جن کو پڑھنے کے بعد اس نے ایک دو تبدیلیوں کا کہا اور یوں مریم کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ معمولی بے ضرر سی بات چیت یہ رنگ اختیار کرے گی۔ وہ اس کو دوست سمجھتی تھی اپنی اور اپنے گھر کی باتیں اس سے شیئر کرتی فون پر اگرچہ کم کم بات ہوتی لیکن ایس ایم ایس پر روز باتیں ہوتیں۔ مریم کا رشتہ طے ہو رہا تھا۔ اس نے یہی بات انصر جمال کو بتائی جس کو سننے کے بعد وہ بھڑک اٹھا۔ ''کیا مطلب رشتہ طے ہو گیا ہے تم شادی کر رہی ہو۔ میں کال کر رہا ہوں ریسیو کرو۔''

اس کا اگلا ایس ایم ایس اس کے لئے حیران کن تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی انصر جمال کی کال اس نے ریسیو کی۔

''ہیلو السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام کیسی ہو؟''

انصر جمال کا سنجیدہ سپاٹ لہجہ کسی تاثر سے عاری محسوس ہوا۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹھکی لیکن اگلے لمحے اس نے اس کو اپنا وہم گردانا۔

''تمہارا رشتہ طے ہو گیا ہے۔''

اس کے کیسی ہو کے سوال کا جواب سنے بغیر وہ سارا لحاظ مروت ادب وآداب بالائے طاق رکھ کر بولا۔ اس کے رعونت بھرے انداز پر وہ بھوچکی رہ گئی اس کا دل خوف سے لرزنے لگا۔ ماتھے پر سلوٹوں کا جال سا بننے لگا۔

''بات طے ہوگئی ہے تقریباً''

اس نے منمنا کر کہا جس کو سننے کے فوراً بعد وہ دھاڑا۔

''تم ایسا کرنا تو دور کی بات سوچ بھی کیسے سکتی ہو میں تمہیں کبھی کسی سے شادی نہیں کرنے دوں گا تم صرف میری ہو سمجھی......''

''کک......کیا......آپ کیا کہہ رہے ہیں''

اس کی زبان لکنت زدہ ہو گئی اس کے سارے وہمے سارے خدشات اژدھے بن کر اس کے سامنے منہ پھاڑے آ کھڑے ہوئے تھے۔

''وہی جو تم نے سنا ہے میں اسی ہفتے آ رہا ہوں۔ اپنے ماں باپ کو تمہارے گھر بھیجوں گا ان کو انکار نہیں ہونا چاہئے۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے کبھی آپ کے بارے میں ایسا نہیں سوچا اور آپ کس بنیاد پر اپنے والدین کو میرے گھر بھیجیں گے۔''

''غلط فہمی بھی مجھے ہوئی ہے محترمہ رات تین تین بجے تک ہم باتیں کرتے رہے ہیں کتنی ہی بار آپ ناراض ہوئی ہیں مجھ سے اور میں دیوانوں کی طرح مناتا رہا ہوں یہ غلط فہمی ہے میں تمہارے متعلق ایک ایک بات جانتا ہوں اگر اتنی ہی پاک دامن تھی تو سارا دن کیوں ایک اجنبی سے باتیں کرتی تھیں اپنی پکس بھیجتی تھی۔ اپنی سٹوریز بھیجتی تھیں۔ شعر وشاعری اور محبت بھرے مکالمے اپنی شرم وحیا ل بالائے طاق رکھ کر کس برتے پر بھیجتی رہی ہو۔ میرے والدین آئیں گے اور انکار نہیں ہونا چاہئے اگر انکار ہوا تو وہ تمام ایم ایم ایس فلٹر شدہ پکس تمہارے گھر والوں کو دکھاؤں گا۔ سیدھے

ساد ھے لوگ ہیں یقین کرلیں گے۔"
وہ اپنی اصلیت اس پر انڈیل کر فون بند کر
چکا تھا اور مریم پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیوار کو
گھورتی زمین پر بیٹھتی چلی گئی اسے یوں لگا جیسے
وہ جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں وہاں منڈلاتی
رہی۔موبائل اس نے آف کرلیا تھا لکھنا لکھانا تو
دور رائٹنگ ٹیبل کے قریب جاتے ہی اس کے
ہاتھ پیپر کپکپانے لگتے۔ انصر جمال نے اپنے
وعدے کے مطابق اپنے والدین اس کے گھر
بھیجے پہلے تو سب لوگ ان انجان لوگوں کی آمد پر
ٹھٹکے۔امی جان نے وضع داری سے رشتے سے
انکار کر دیا جس پر انصر جمال کے والدین
قدرے مطمئن ہوئے اور ڈٹ کر نہ صرف بیٹھ
گئے بلکہ جان پہچان نکال کر ہی گئے اس کے
اگلے دن انصر جمال خود عباس بھائی کے پاس پہنچ
گیا ان کو اپنی اور مریم کی محبت کے متعلق نہ
صرف بتایا بلکہ وہ سارے ڈائیلاگ بطور نشانی
دکھائے اس نے جیسا چاہا ویسا ہی ہوا اور مریم
اپنے گھر والوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔

***

رات پتہ نہیں کونسے پہر اس کو نیند آئی رورو
کر اس کی آنکھیں سرخ پڑ گئیں۔اذان کی آواز
پر اس کی آنکھ کھلی اس کا سر بھاری اور آنکھیں
گریہ وزاری سے سوجی ہوئی تھیں۔کل کے پہنے
فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اس کا اجڑا
بکھرا سراپا اس پر اچانک ٹوٹنے والی قیامت کا
غماز تھا۔ڈریسنگ روم کو ان کے روم کے برعکس
نفاست سے سجایا گیا تھا سامنے دیوار گیر الماری
کے ایک پٹ پر بڑا سا شیشہ نصب تھا جبکہ
دوسرے میں بکس رکھی ہوئی تھیں۔فلور پر ڈارک
میرو کلر کی قالین کے اوپر جمبو سائز صوفے تھے
جن میں سے ایک پر وہ کل رات سوئی تھی اس
نے کمرے کے بائیں جانب دیکھا جہاں ان
کے سوٹ کیس رکھے تھے۔اس نے سوٹ کیس
کھولا بے دلی سے ایک سوٹ نکال کر پہنا
آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ زیرو
بلب کی مدھم اور نہ کافی روشنی میں بھی انصر جمال
سویا ہوا اس کو غم و غصے سے دوچار کر گیا وہ اس کو
نظر انداز کرتی واش روم میں گھس گئی۔ وضو
کرنے کے بعد نماز ادا کی۔ دعا کے لئے ہاتھ
اٹھائے تو ایک لمحے کے لئے مریم کو ایسا لگا جیسے
دعائیں تو کہیں ہواؤں میں تحلیل ہو گئی ہیں۔
طوفان اپنی تباہ کاریاں پھیلا کر جا چکا ہے وہ
مہر بہ لب تہی دست و تہی داماں رہ گئی۔ ماضی پر
شرمندگی تھی تو حال منہ چھپانے پر مجبور کرنے لگا
اور مستقبل اس پر سوالیہ نشان کا بڑا سا بورڈ چسپاں
تھا۔
انصر جمال کی نظروں کے ارتکاز سے وہ
پہلے چونکی ٹھٹکی اور پھر ماتھے پر بنتے بلوں کے
جال نے اس کو وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔وہ
ڈریسنگ روم میں جا چکی تھی۔ لیکن اب کی بار
اس نے دروازہ بند نہیں کیا۔ ایک گھنٹے بعد وہ
ٹرے اٹھا کر اندر آیا۔
"ناشتہ کرلو۔"
وہ ہنوز اپنے پاؤں سمیٹے صوفے پر کسی
اداس پنچھی کی طرح بیٹھی تھی اس کی آواز پر اس کا
چہرہ تن سا گیا۔
"اگر تم اس خیال میں بیٹھی ہو کہ میری
بہنیں یا ماں تمہاری خاطر مدارات کو آئیں گی وہ
اب اس کمرے میں کبھی نہیں جھانکیں گے میں
تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں ان کے متعلق۔"
وہ ٹرے اسکے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے
بولا۔اس کی آنکھیں اشکبار ہونے لگیں۔
"اب کیا ہوسکتا ہے تم رورو کر خود کو ہلکان کر

رہی ہو جو ہونا تھا ہو گیا ہماری شادی ایسے ہی ہونا
تھی میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا لیکن
انجانے میں دے گیا میں ہر محاذ پر لڑا ہوں
چاہے وہ اپنے گھر والوں کے سامنے ہو یا
تمہارے گھر والوں کے سامنے لیکن اس محبت کی
جنگ میں تمہارا کردار داغدار کر گیا ہوں اور کوئی
راستہ نہیں تھا میرے سامنے۔" وہ ہولے سے
کہہ کر چلا گیا مریم نے تاسف سے اس کو جاتے
ہوئے دیکھا۔

❖❖❖

"کہیں جا رہے ہو تم......"

انصر تیار ہو رہا تھا جب اماں نے اچانک
سے ان کے کمرے میں قدم رکھا۔ مریم بددلی
سے ٹی وی دیکھ رہی تھی ان کی اچانک آمد سے
چوکنا ہو کر بیٹھ گئی۔

"جی ہم ذرا گھومنے جا رہے ہیں۔"

انصر نے سفید جھوٹ بولا۔

"خاندان والے باتیں بنا رہے ہیں تمہاری
بہنوں کے سسرال والوں نے جینا حرام کیا ہوا
ہے کہ یہ کیسی شادی ہے جو یوں اچانک ہو گئی
اوپر سے ولیمے وغیرہ کا کھڑاک بھی نہیں ہوا۔
ایسی شادی ہے جس کا کسی کو کچھ پتہ بھی نہیں چلا۔
اب میں کس کس کو وضاحت دوں کہ لڑکا اور لڑکی
کے درمیان شادی ہوئی ہے۔ دو خاندانوں کے
درمیان نہیں۔"

اماں نے تیکھے چتونوں سے بظاہر ناول
پڑھتی مریم کو گھورا۔ انصر ان کی جانب متوجہ ہوا
اور خائف بھی وہ تمام باتیں جو خاندان کے لوگ
اور اس کی ماں بہنیں کر رہی تھیں وہ نہیں چاہتا
آگے ہار مان گئے۔"

اماں نے ایک اور تیر پھینکا جو رائیگاں نہیں
گیا اس نے سرد نگاہوں سے انصر کو گھورا۔ اس کی
ماں جانے اور کیا کیا کہہ رہی تھی۔ مریم کی
آنکھوں میں دھند بھرنے لگی اس کے صبر کا پیمانہ
لبریز ہو گیا وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آ گئی۔

"اماں اب یہ سب باتیں کرنے کا کیا فائدہ
ہے میں اس کو یہاں سے ہی لے جاؤں گا آپ کو
پہلے سے سب بتایا ہے میں نے اس شادی میں
اس کی نہیں میری مرضی تھی۔ اور ویسے بھی یہ
ہمارے خاندان کی لڑکیوں سے بہت بہتر ہے
اور اپنا دل بڑا کرو اور اس کو قبول کر لو۔ عفت اور
ثناء سے کہا کرو اس سے باتیں کیا کریں۔ میں
لاہور جاتے ہی کوشش کروں گا انتظام ہو جائے
میں اس کو لے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب وہ یہاں نہیں رہے گی
کیا......"

"اس لئے شادی کی تھی میں نے تیری مرضی
کی کہ تو اس کو یہاں سے لے جائے......"

"ساتھ لے جانے کی بات نہیں ہے آپ
جانتی ہیں مجھے چھٹی نہیں ملتی تین دن کے لئے
بامشکل آپاتا ہوں اب کل پھر مجھے چلے جانا ہے
اگر ہمارا وہاں سیٹ اپ ہو جاتا ہے تو اچھا ہے
ناں"

وہ اماں کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"اب کھانا ہی کھلا دو باہر تو نہ وہ جائے گی
اور نہ ہی میرا دل چاہ رہا ہے اب اور ویسے
بھی......"

اماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ اماں

رہی ہو جو ہونا تھا ہو گیا ہماری شادی ایسے ہی ہونا تھی میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا لیکن انجانے میں دے گیا میں ہر محاذ پر لڑا ہوں چاہے وہ اپنے گھر والوں کے سامنے ہو یا تمہارے گھر والوں کے سامنے لیکن اس محبت کی جنگ میں تمہارا کردار داغدار کر گیا ہوں اور کوئی راستہ نہیں تھا میرے سامنے۔" وہ ہولے سے کہہ کر چلا گیا مریم نے تاسف سے اس کو جاتے ہوئے دیکھا۔

✧✧✧

"کہیں جا رہے ہو تم......"

انصر تیار ہو رہا تھا جب اماں نے اچانک سے ان کے کمرے میں قدم رکھا۔ مریم بددلی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی ان کی اچانک آمد سے چوکنا ہو کر بیٹھ گئی۔

"جی ہم ذرا گھومنے جا رہے ہیں۔"

انصر نے سفید جھوٹ بولا۔

"خاندان والے باتیں بنا رہے ہیں تمہاری بہنوں کے سسرال والوں نے جینا حرام کیا ہوا ہے کہ یہ کیسی شادی ہے جو یوں اچانک ہو گئی اوپر سے ولیمے وغیرہ کا کھڑاک بھی نہیں ہوا۔ ایسی شادی ہے جس کا کسی کو کچھ پتہ بھی نہیں چلا۔ اب میں کس کس کو وضاحت دوں کہ لڑکا اور لڑکی کے درمیان شادی ہوئی ہے۔ دو خاندانوں کے درمیان نہیں۔"

اماں نے تیکھے چتونوں سے بظاہر ناول پڑھتی مریم کو گھورا۔ انصر ان کی جانب متوجہ ہوا اور خائف بھی وہ تمام باتیں جو خاندان کے لوگ اور اس کی ماں بہنیں کر رہی تھیں وہ نہیں چاہتا مریم تک پہنچیں۔

"اب اس کو ماں باپ سے تو ملا لاؤ۔ بڑے شریف خاندانی لوگ ہیں لیکن بیٹی کے آگے ہار مان گئے۔"

اماں نے ایک اور تیر پھینکا جو رائیگاں نہیں گیا اس نے سرد نگاہوں سے انصر کو گھورا۔ اس کی ماں جانے اور کیا کیا کہہ رہی تھی۔ مریم کی آنکھوں میں دھند بھرنے لگی اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آ گئی۔

"اماں اب یہ سب باتیں کرنے کا کیا فائدہ ہے میں اس کو یہاں سے ہی لے جاؤنگا آپ کو پہلے سے سب بتایا ہے میں نے اس شادی میں اس کی نہیں میری مرضی تھی۔ اور ویسے بھی یہ ہمارے خاندان کی لڑکیوں سے بہت بہتر ہے اور اپنا دل بڑا کرو اور اس کو قبول کر لو۔ عفت اور ثناء سے کہا کرو اس سے باتیں کیا کریں۔ میں لاہور جاتے ہی کوشش کرونگا انتظام ہو جائے میں اس کو لے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب وہ یہاں نہیں رہے گی کیا......"

"اس لئے شادی کی تھی میں نے تیری مرضی کی کہ تو اس کو یہاں سے لے جائے......"

"ساتھ لے جانے کی بات نہیں ہے آپ جانتی ہیں مجھے چھٹی نہیں ملتی تین دن کے لئے بامشکل آپاتا ہوں اب کل پھر مجھے چلے جانا ہے اگر ہمارا وہاں سیٹ اپ ہو جاتا ہے تو اچھا ہے ناں"

وہ اماں کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"اب کھانا ہی کھلا دو باہر تو نہ وہ جائے گی اور نہ ہی میرا دل چاہ رہا ہے اب اور ویسے بھی......"

اماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ اماں بے اختیار مسکرا دیں۔

✧✧✧

میں جا رہا ہوں مریم......وہ مریم کے قریب

آ کر بولا۔ اتنے دنوں سے وہ یہاں تھا تو ایک ڈھارس کا احساس مریم کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا۔ اب اس کے جانے سے بھی وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ حالات سے سمجھوتہ تو وہ کر ہی چکی تھی لیکن اب اس کے اچانک چلے جانے سے اس کا دل ڈوبنے لگا۔ بولتی تو وہ پہلے بھی اس سے نہیں تھی لیکن اب تو جیسے آواز ہی گلے میں پھنس گئی۔

''یہ تمہارے لئے خریدا تھا میں نے''

اس نے موبائل فون اس کے حوالے کیا جبکہ مریم تحیر زدہ سی اس کو دیکھے گئی اس نے موبائل پکڑنے کے لئے ہاتھ ابھی تک آگے نہیں بڑھایا تھا۔

''جو کچھ ہوا وہ ٹھیک نہیں تھا اس میں میری غلطی ہے اور جب سے تم یہاں آئی ہو مجھے خود پر مزید غصہ آتا ہے لیکن میں مجبور تھا محبت کی شاہراہ پر ہمسفر کے کھو جانے کے واہمے انسان کو نیم پاگل کر دیتے ہیں میں بھی اس کرب سے گزرا ہوں۔ جلتے انگاروں پر لوٹا ہوں میرے گھر والے سادہ ہیں اماں کبھی کچھ بول دیں تو بڑی سمجھ کے نظر انداز کر دینا۔ میری بہنیں تمہیں پسند کرتی ہیں لیکن تم پڑھی لکھی ہو اس لئے تم سے دبتی ہیں۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو نہیں پڑھایا جاتا لیکن میری وجہ سے وہ کبھی تمہیں ٹف ٹائم نہیں دیں گی تم نے لکھنا چھوڑ دیا ہے مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی میں تمہیں سپورٹ کرونگا اگر کہو گی تو تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤنگا میں کوشش کرونگا کہ ہم تمہارے والدین کو منا سکیں لیکن کچھ وقت لگے گا۔''

وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ نہ تو اس نے حقارت سے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے اور نہ ہی غصے سے اس کو گھورا تھا بلکہ وہ سر جھکائے سن رہی تھی کیا ہو گیا ہے کہاں تو محترمہ میرا نام سننے کی روادار نہیں تھیں اور کہاں یہ حال ہے کہ محترمہ میرے جانے کا سن کر ہی روہانسی ہو گئی ہیں۔

''ڈونٹ وری میں پہنچتے ہی فون کرونگا اور پلیز دوبارہ سے لکھنا شروع کر دو تم جانتی ہو ناں مجھے تمہارا لکھا ہوا پڑھنے کی عادت ہو گئی ہے۔ اتنے دنوں سے کچھ نہیں پڑھا اس لئے مس کر رہا ہوں۔''

بھائی آ جائیں! سلمان کی آواز پر دونوں چونکے۔

''اپنا خیال رکھنا۔''

وہ اس کے بالوں کو نرمی سے بکھیر کر بولا۔ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس نے آہستگی سے چھوڑا اور باہر نکل گیا اس کے جانے کے بعد مریم کو یہ کمرہ خالی خالی سا لگنے لگا۔ جب وہ یہاں تھا تو وہ بیگانگی و بے نیازی کا لبادہ اوڑھے رکھتی تھی اور اب اس کے جانے کا احساس ہی اس کے دل کی دنیا اتھل پتھل کر گیا۔

✧✧✧

''کیسی ہو تم......؟''

وہاں جانے کے بعد اس نے مریم سے کوئی رابطہ نہیں کیا آج ہفتے کے بعد مریم کا سیل بجا انصر جمال کا نمبر دیکھ کر اس کی بے چینی اور اضطراری کیفیت غصے میں بدل گئی۔ لیکن وہ چاہ کر بھی اس سے پہلو تہی نہیں کر سکی۔

''ٹھیک ہوں''

اس نے بامشکل اپنا لہجہ نارمل رکھا۔

''مجھے یاد نہیں کیا اتنے دنوں بعد فون کر رہا ہوں حالانکہ میں انتظار کرتا رہا ہوں کہ شاید تم ایک ایس ایم ایس ہی کر دو لیکن تم نے نہیں کیا۔''

وہ پر شکوہ لہجے میں بولا۔ مریم نے چپ سادھ لی دل میں انصر جمال کے لئے کدورت

ختم نہیں ہوئی تھی البتہ انصر جمال کی ماں بہنوں کے ساتھ وہ ٹائم گزارنے لگی اس کی بہنوں نے ایک بار بھی اس کو طعنہ نہیں دیا۔ تضحیک نہیں کی۔ سوالات نہیں کئے وہ ان کے درمیان رہ کر اپنا کھویا ہوا کونفیڈینس بحال کر رہی تھی شام کو اپنے کمرے میں آنے کے بعد بھی وہ خود کو لکھنے پڑھنے میں مگن کر لیتی لیکن خود کو لاکھ مصروف کرنے کے باوجود بھی اس کی سوچیں آزاد پنچھیوں کی طرح انصر جمال کے تصور کی جانب پروازیں بھرتیں اور وہ ایسا تھا کہ وہاں جا کر اس کو مکمل طور پر فراموش کر بیٹھا تھا حالانکہ اس کے فون تواتر سے آتے لیکن اس نے ایک بار بھی اپنی بہنوں سے نہیں کہا کہ مریم سے بات کروا دو۔ دو بار وہ اس کو ناول بھجوا چکا تھا ایک ناول کے فرسٹ پیج پر اس نے لکھا تھا۔

انا کے آستانے پر گماں کو قتل کرتے ہیں
زبان کو قتل کرتے ہیں
مجھے مقتول ہونے تک اسی
مقتل میں رہنے دو مجھے ناکام
لوگوں میں سرفہرست رہنے دو

وہ کتنی بار بے ساختہ اس کی ہینڈ رائٹنگ پر ہاتھ پھیرتی رہ گئی اور آج اس کی آواز سننے کے بعد بھی اس سے بے پناہ نفرت، ضد اور بغض کے بعد بھی وہ اس کی آواز سننے کی طلبگار ہے۔

''کیا ابھی تک ناراض ہو میں نے عباس سے بات کی ہے اگرچہ غصے میں ہیں وہ لوگ لیکن میں کوشش کرتا رہونگا کہ ان کو منالوں بات نہیں کروں گی مجھ سے......''

وہ اس کی طویل خاموشی سے کسی قدر تنگ آ کر بولا۔

''سن رہی ہوں...... پہلے تو ہمہ وقت سناتی رہتی تھیں اب سننے کیوں لگے ہو حالانکہ مجھے تمہارا سنانا زیادہ پسند ہے۔ اچھا ایک کام کرو میرے پاس آ جاؤ۔''

وہ واپس اپنے جون میں لوٹتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب میں نہیں سمجھی......؟''

''مطلب یہ کہ کل سلمان لاہور آ رہا ہے میں نے اماں کو فون کر کے کہہ دیا ہے تم اس کے ساتھ آ جاؤ گھومیں گے، پھریں گے، کچھ دن میرے پاس رہنا پھر میں تم کہو گی تو تمہیں چھوڑ جاؤں گا اور اگر کہو گی تو تمہارے والدین کے گھر بھی چلیں گے ان کو منانے کے لئے......''

''وہ کبھی نہیں مانیں گے میں جانتی ہوں......''

''ہم کوشش کرتے رہیں گے، کبھی نہ کبھی تو مان جائیں گے تو پھر بتاؤ آ رہی ہو ناں......''

وہ بہت مان سے بولا اور پہلی بار مریم کو اس کا دل توڑنے سے ڈر لگنے لگا۔

''شاید......''

اس کے شاید سننے پر وہ قہقہہ بار ہوا اس نے سرعت سے فون بند کر دیا۔

زندگی نے ایک کھیل اس کے ساتھ کھیلا تھا لیکن ان گزرتے دنوں نے اس کو یہ احساس شدت سے دلایا کہ انصر جمال کا ہونا اس کے لئے ایک گھنے سائے کے مترادف ہے اس کے بغیر مریم کے پیروں تلے زمین ہے اور نہ ہی سر پر سائبان اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس کو انکار نہیں کرے گی وہ اس کا ساتھ دینے کے لئے مجبور تھی محبت نہیں تو وہ اس سے نفرت بھی نہیں کر سکی۔ وہ اب اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی تھی مریم نے آگے بڑھ کر اپنے کمرے کی واحد کھڑکی کھول دی باہر سے آتی تازہ ہوا اور روشنی نے اس کا خیر مقدم کیا اس نے آسودگی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

✧✧✧

سارا مشعال

مریم آپا کو طلاق ہوگئی۔ اس انہونی خبر نے کتنی ہی دیر کے لئے میرے حواس کو معطل کر دیا دس سالہ مشقت زدہ زندگی گزارنے اور چار بیٹے پیدا کرنے کے بعد جب سب کو لگنے لگا کہ وہ سسرال میں اپنے قدم مضبوط کر چکی ہے ایسے میں ان کا اکھڑ جانا انہونا ہی تو تھا۔

مگر کیوں اماں......؟ بہت دیر بعد جب میں کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو منہ سے بے ساختہ سادگی سوال نکلا پتا نہیں مجھے سننے میں آیا ہے کہ کسی بات پہ ساس سے جھگڑا ہوا تو شوہر نے طیش میں آکر طلاق دے دی۔ اماں کے لہجے میں افسوس سے زیادہ بے زاری کا عنصر تھا ویسے بھی پڑھی لکھی لڑکیوں میں پڑھائی کا زعم بھی تو کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے اور پرائے گھروں میں اکڑ وطنطنے سے کام نہیں چلتا۔ اماں نے بھی باقی سب کی طرح غیر جانبدار سا تبصرہ کر کے ہاتھ جھاڑے آخری جملہ میں تنبیہ تھی یا پھر شاید طنز......اس کے حلق میں نمی کا گولہ سا بننے لگا۔ ہم جیسے سفید پوش گھرانوں میں اتنے مسائل ہوتے ہیں کہ ان سے جان چھڑانے کے لئے ہم کسی ایک کی جان کی بلی چڑھانے کو بھی غلط سے سمجھتے اسے اماں کی مجبوریوں کا احساس تھا ان سے ہمدردی بھی تھی اس لئے پوچھ نہ سکی کہ

......

لڑکی کے لئے پڑھنا جرم ہے یا اپنے حق کے لئے آواز بلند کرنا گناہ ہے......؟

☆☆☆

میں رابعہ رستم جس نے ایک کچی پکی گلیوں کے ایک چھوٹے سے صحن اور دو چھوٹے چھوٹے کمروں والے گزارحال گھر میں جنم پایا۔ تین بھائیوں اور تین بہنوں میں میرا نمبر چوتھا تھا۔ ایک بہن اور دو بھائی مجھ سے بڑے تھے۔ بڑی آپا آسیہ کی شادی سولہ سال کی عمر میں ہی کر دی گئی۔ ہمارے ہاں پڑھائی لکھائی کا زیادہ رجحان نہیں تھا۔ آسیہ آپا کو بھی ساتویں جماعت میں ہی اسکول سے ابا نے اٹھوالیا اور پھر جیسے ہی صادق بھائی کا رشتہ آیا فوراً بات پکی کر کے آپا کو رخصت کر دیا۔ بقول اماں کے اگر رشتہ اچھا ملا تو لڑکیوں کی شادی جلدی کر دینی چاہئے۔ صادق بھائی اماں ابا کے کسی مشترکہ کزن کے بیٹے تھے۔ چار بھائی اور چار بہنیں سب ہی صادق بھائی سے چھوٹے تھے۔ صادق بھائی چوبیس پچیس سال کے قبول صورت تھے۔ میٹرک تک پڑھنے کے بعد، کسی گارمنٹ فیکٹری میں بطور سپروائزر کام کرتے تھے اٹھارہ سے بیس ہزار تک ماہانہ کمانے اور اتنے بڑے کنبے کا پیٹ پالنے والے صادق بھائی کا رشتہ اماں ابا کی نظر میں ایک اچھا رشتہ تھا......

خیر ہم جیسے گھروں میں اگر لڑکا برسر روزگار ہو، خواہ وہ ماہانہ دس ہزار ہی کیوں نہ کماتا ہو اچھا رشتہ ہی کہلاتا ہے اور پھر ہمارے گھر میں جہاں انیس سال کو پہنچا میرا بڑا بھائی جاوید ساری رات سیکنڈ ہینڈ خریدے ہوئے ٹچ موبائل میں فلمیں دیکھتا رہتا اور دن بھر چار پائی پر اوندھا

لیٹا اونگتا رہتا اور ہمارے ذرا سا شور ڈالنے پر گالیاں بکتا رہتا۔ ایسے میں صادق بھائی ہمارے گھرانے کے لئے کسی ہیرو سے کم نہ تھے۔ آسیہ آپا کا بھی ہمہ وقت مرجھایا ہوا زرد چہرہ ان دنوں گلابیاں چھلکانے لگا تھا۔

میں ان سے پورے چھ برس چھوٹی تھی لیکن پھر بھی میرا دل اس رشتے کو اچھا ماننے میں متامل تھا گھر کے ماحول مصائب اور پریشانیوں نے مجھے عمر سے پہلے ہی بہت بڑا کر دیا تھا شاید...... میں اپنے چھوٹے بہن بھائی کی طرح

گھر میں شور نہیں ڈالتی کہ بھائی سے گالیاں نہ سنی پڑے۔ مجھے اپنی عزت نفس بہت عزیز تھی اتنی کہ جس عمر میں میری ہمجولیاں گڈا گڈی کی شادی رچاتیں، رات میں بجلی جانے پر جب گھروں میں حبس واندھیرا چھا جاتا تو وہ ساری گلی میں نکل کر چھوٹی سی بالٹی پہ ڈھول بجاتیں گانے گاتی رہتی میں گھر میں سہمی سی ایک کونہ میں بیٹھی ہر قدم ایسے پھونک پھونک کر رکھتی کہ غلطی سے بھی کوئی چوک نہ ہو اور میری عزت نفس پہ کوئی چوٹ نہ لگے۔ لیکن میری ساری احتیاط کے باوجود روز جذبات مجروح ہو جاتے۔

جاوید اور آسیہ سے چھوٹا بھائی راشد گھر سے اسکول کے لئے نکلتا اور باہر اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتا رہتا۔ اماں کے کانوں تک کسی نہ کسی کے توسط سے خبریں پہنچتی رہتیں کبھی۔ کبھی لعن طعن کر کے تو کبھی رو کر منت کرتی اماں اسے باز رہنے کا کہتیں مگر اس نے اپنی روش نہ بدلی اور ایک دن ابا نے اسے دوستوں کے ساتھ چرس سے بھری سگریٹ پھانکتے پکڑ لیا ابا اسے کالر سے گھسیٹتے ہوئے گھر لائے ہاتھ اٹھانے پر وہ بھی آگے سے بپھر گیا اور اس سے پہلے کہ کفر کی حدوں کو پہنچتا۔ اماں نے دو تھپڑ مار کر گھر سے باہر دھکیل دیا۔ بات کھل جانے پر وہ اور بھی شیر ہو گیا۔ اب تو کئی کئی دن گھر نہ آتا۔ جاوید بھائی تو زخم لگاتے رہتے لیکن راشد نے تو زندگی سے جان ہی نچوڑ لی تھی۔

مرد ذات سے مجھے انس پہلے بھی نہیں تھی کیوں کہ باپ کے روپ میں بھی میں نے کبھی وہ شفقت نہ دیکھی جس کی ہر بیٹی خواہش کرتی ہے۔ لیکن بھائیوں نے آخری کیل ٹھونک کر میرے رہے سہے جذبات کو بھی تابوت میں بند کر دیا تھا۔ شادی کے کچھ ہفتوں بعد ہی آسیہ آپا کی پتی آنکھوں میں ویرانیاں سمائے ہیں۔ ان کے لب تو جامد تھے لیکن آنکھوں کے گرد روز بہ روز گہرے ہوتے حلقے عیاں کر رہے تھے کہ صرف گھر تبدیل ہوا تھا باقی سب ویسا ہی تھا۔

مریم آپا کا گھرانہ ہمارے محلے کا واحد پڑھا لکھا گھرانہ تھا بڑا سا کھلے کھلے کمروں والا ماربل سے بنا گھر تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہونے کا اعزاز الگ۔ صبح جب وہ سفید یونیفارم پہ سیاہ کلر کی بڑی سی چادر لپیٹے کالج جاتیں تو محلے کی لڑکیاں رشک وحسد سے ٹھنڈی آہیں بھر کے رہ جاتی۔ مزے ہیں بھئی کوئی روک ٹوک نہیں...... اس قسم کے تبصرے اکثر محلے کی لڑکیاں ان کے بارے میں کرتی نظر آتیں جن میں کچھ عرصہ پہلے میری اپنی بہن بھی شامل تھی۔

ہم جیسے گھٹن زدہ ماحول میں قیدی بن کر رہنے والوں کے لئے کالج اور یونیورسٹیز میں جانا صرف مزے لوٹنا ہی سمجھا جاتا تھا بھلا اس سے آگے ہم چار دیواری میں محصور لڑکیوں کی سوچ جا بھی کہاں پاتی ہے۔

ارے صبح کو نکلی شام کو لوٹتی ہے خدا جانے سارا دن کیا کرتی پھرتی ہے...... بیٹیوں کے دل جلے تبصرے سن کر مائیں یوں ہی ان کے سلگتے جذبات کو ٹھنڈا کرتیں۔

مریم آپا کے بی اے کرنے کے بعد مزید آگے پڑھنے کی اجازت نہ مل سکی۔ وجہ یقیناً محلے والوں کی چہ میگوئیاں تھیں۔ مریم آپا نے اپنی ذہانت اور تعلیم کو محلے کے کند ذہن بچوں کے لئے بروئے کار لاتے ہوئے گھر میں ٹیوشن سینٹر کھول دیا اور مفت میں بچوں کو پڑھانے لگیں۔

محلے کی عورتوں کی نظر میں ان کا کردار مشکوک ہی سہی لیکن اپنے چار چھ عدد کوڑھ مغز بچوں کو ان کے پاس پڑھنے کے لئے بھیجنے میں

پڑھتے انہیں دو گھنٹوں کے لئے شور و غل سے نجات تو مل جاتی۔ ان بچوں میں میں، میرا چھوٹا بھائی عادل اور سب سے چھوٹی ماریہ بھی شامل تھی۔

پتا نہیں کیوں مگر چند دن بعد ہی مریم آپا (جنہیں اب سب بچے باجی کہہ کر پکارتے تھے) مجھ پر خصوصی توجہ دینے لگیں۔ وجہ غالباً میری خاموشی تھی کیوں کہ میں باقی بچوں کی طرح بدتمیزیاں نہیں کرتی تھیں۔ ان کی توجہ پا کر مجھے انجانی سی خوشی ملتی تھی۔ اس لئے میں خوب دلجمی سے پڑھنے لگی۔ ذہین تو میں کچھ خاص نہ تھی لیکن جس سطح کے اسکول میں ہم پڑھتے تھے وہاں موجود بچوں میں میرا شمار ذہین سٹوڈنٹ میں ہی کیا جاتا تھا۔

''تم کتابیں پڑھتی ہو۔'' ایک دن ٹیسٹ لیتے ہوئے انہوں نے اچانک مجھ سے سوال کیا۔

''کتابیں؟'' میں نے نا سمجھی سے انہیں اور پھر اپنے گود میں دھری کتابوں کو دیکھا۔

''مطلب ادبی کتابیں سٹوریز ناول......'' انہوں نے وضاحت کی۔

''نہیں وہ میری بڑی بہن پڑھتی تو پھر...... بھائی نے اس کو منع کر دیا۔'' میں کچھ کہتے کہتے رکی۔

''کیوں......'' ان کی خوبصورت آنکھوں میں تعجب تھا۔

''بھائی کہتے ہیں یہ اچھی کتابیں نہیں ہوتی۔'' میں نظریں جھکاتی جھجک کر بولی۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا آسیہ ردی سے چھپ چھپ کر ڈائجسٹ خریدا کرتی ایک دن بھائی نے اسے پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تو ڈائجسٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ساتھ اسے بھی دھمکی دی کہ اگر آئندہ یہ عشق و عاشقی کی کہانیاں پڑھی تو اس کے بھی ایسے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے

''تمہارے بھائی کا اپنا نظریہ لیکن ویسے ایسا کچھ ہوتا نہیں ہے۔ ناولز میں صرف محبت کی باتیں تھوڑی ہوتی ہیں۔ دنیاوی معلومات ہوتی ہیں علم ہوتا ہے، ناولز کے تھرو بہت سی چیزیں سکھاتے ہیں''

ہمیں لکھاری...... مریم آپا کی سب سے اچھی عادتوں میں ایک یہ عادت بھی بہت اچھی تھی کہ اپنی بات مثبت ثابت کرنے کے لئے وہ کسی کے خلاف منفی رد عمل نہیں دیتی۔

اور پھر دل میں بھڑکتے شوق و تجسس سے مجبور ہو کر میں نے ان سے ایک ناول مانگا۔ انہوں نے مجھے عمیرہ احمد کا پیر کامل دیا وہ پڑھ کر مجھے مریم آپا کی کہی ہوئی بات کی صداقت پر کوئی شبہ نہ رہا کہ واقعی اچھی کتابیں روح کے لئے غذا جیسی ہوتی ہیں۔

مجھے پڑھنے کا ایک نشہ سا لگ گیا گھر اور گھر والوں سے مجھے جیسے کوئی سرکار نہیں رہا تھا۔ سارا دن میں ایک کونے میں پڑی سکول کی کتابوں میں ڈائجسٹ رکھ کر پڑھتی رہتی۔ مریم آپا کی شادی ہوگئی تو مجھے اپنا آپ بہت اکیلا سا لگنے لگا ایسی کیفیت میری آسیہ آپا کی رخصتی پر بھی نہیں ہوتی تھی جس غم اور اداسی نے مجھے اب گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

انہی دنوں اماں کو جاوید بھائی کی شادی کا ارمان جاگ اٹھا میں ان کے ارادے جان کر شاکڈ رہ گئی۔ اماں بھائی کام تو کچھ کرتا نہیں ہے بیوی کو کیسے سنبھالے گا۔ میں نے احتجاج کیا۔

ارے جب سر پر پڑے گی تو دیکھنا خود ہی کیسے سیدھا ہوتا ہے۔ اماں خاصی پر جوش تھی۔ یعنی کے شادی کے ارمان کے پیچھے انہیں سدھارنے کا مشن کارفرما تھا۔ بہرحال اماں کی

یہ منطق میری سمجھ سے بالاتر تھی بھلا جس شخص کو اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور بوڑھے ماں باپ کا احساس نہیں تھا اسے بیوی کی خاک پروا ہوتی۔ بالآخر اماں کا مشن اپنے انجام کو پہنچا اور قدرے فربہی سی کھڑے نقوش اور سانولی رنگت والی افشاں بھابھی دلہن بن کر ہمارے گھر میں آئی۔ ان کے آنے سے بھائی کا معمول تو نہیں بدلا ہاں مزاج میں تھوڑا بدلاؤ ضرور آ گیا تھا اب ہمہ وقت غصے میں نہیں رہتے کبھی کبھی مسکرا بھی دیتے...... مگر یہ تبدیلی بھی محض چند ہفتوں تک رہی۔ آہستہ آہستہ بھابھی کے ماتھے پر بیزاریت کے بل پڑنے لگے تو بھائی بھی اپنے پرانے طرز میں لوٹ آیا۔

گھر کے گھٹن زدہ ماحول میں مزید بدمزگی پھیلنے لگی آئے روز کسی نہ کسی بات پر فساد شروع ہو جاتا نہ بھابھی کی زبان ہار مانتی اور نہ بھائی کا ہاتھ رکتا۔

بھابھی کا رویہ روز بروز تلخ سے تلخ تر ہوتا جا رہا تھا ہم سب سے...... اس بات کو لے کر اماں کو بہت سی شکایتیں تھیں ان سے مگر مجھے وہ اپنے رویے میں حق بجانب لگتیں ایک لڑکی جو اتنے چھوٹے چھوٹے خواب لے کر اپنا گھر اور اپنوں کو چھوڑ کر آتی ہے وہ چھوٹے خواب بھی ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوں تو شور تو پھر سنائی دے گا۔

گھر کے ماحول سے فرار پانے کے لئے خود کو کتابوں میں چھپائے مجھے خود بھی احساس نہ ہو سکا کہ کب میں ایک تخلیق کار بن گئی۔ اپنی تخلیق دیکھ کر مجھے خود بھی یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ یہ میرے رابعہ رستم کے قلم سے نکلے الفاظ ہیں۔ شاید حالات کی بھٹی نے مجھے خاکستر کرنے کے بجائے کندن بنا دیا تھا۔ پھر گویا میں نے ایک نئی دنیا دریافت کر لی۔ میرا قلم تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ایڈیٹر اور قارئین کی طرف سے ملنے والے تعریفی بول مجھے کسی نئے جہاں میں لے جاتے ہیں۔ جس میں مجھے اپنا آپ اہم نظر آتا مجھے احساس ہوتا کہ میں کچھ تو ہوں زندگی جتنی بھی کسمپرسی اور کونے میں دبکے گزری میری موت گمنام نہیں ہوگی۔ واجبی سی تعلیم اور ذہانت کے فقدان کے باوجود خدا نے میرے قلم میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ لوگ تنگ و تاریک سی گلیوں کے چھوٹے سے سیلن زدہ گھر میں رہنے والی رابعہ رستم کو اس کے نام سے جاننے لگے تھے۔ شہرت کا احساس میرے ہر درد کا مداوا کر دیتا میں۔ میری ساری محرومیاں بھولنے لگی تھیں مگر ہم جیسے گھرانوں میں زخموں کو بھرنے کہاں دیا جاتا ہے۔ ایک دن ادارے کی جانب سے بھیجا جانے والا اعزازی پرچہ گلی کی نکڑ پر سگریٹ پھانکتے راشد کے ہاتھ لگا۔ بہن بیٹی کے معاملے میں ایسے بے غیرتوں کی غیرت بڑی جلدی جاگ اٹھتی ہے۔ آج رسالوں رسالوں میں نام آ رہا ہے کل کو ٹی وی پر ماڈلنگ کرے گی۔ اس نے ڈائجسٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھالے۔

مجھے لگا کسی نے بھری محفل میں میرے سر سے چادر کھینچ لی ہو۔

ہاں جیسے تیور ہے اس کے ضرور کوئی بڑا چاند ہی چڑھائے گی۔ راشد کو ایک روٹی ماتھے پر سو بل ڈال کر دینے والی بھابی آج اس کی حمایتی بن گئی تھی۔ وہ نوبت میں آنے دوں تب نا اس سے پہلے ہی میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں گاڑھ دوں گا۔ وہ سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتے منہ سے کف اڑانے لگا اور میں ساکت نظروں سے خود کو اپنوں کے ہاتھوں رسوا ہوتے دیکھ رہی تھی۔

بات زبان در زبان سفر کرتی پورے علاقے
میں گردش کرنے لگی۔ میری شہرت جس پر مجھے
بے حد مان تھا پست ذہنوں نے ذلالت کا پھندا بنا
دیا اور اماں نے مزید رسوائی کے خوف سے مجھے
یوں چپکے سے رخصت کر دیا۔ گویا میں کسی کے
ساتھ پکڑی گئی ہوں۔ انیس برس عزت کی تلاش
میں...... میں بھٹکتی بھٹکتی انور فراز کے گھر آئی۔

اور اپنے شب زفاف بھی میں نے اپنے
مجازی خدا سے بس یہی ایک چیز طلب کی تھی
عزت...... سیانے کہتے ہیں قرب کے فسوخیز
لمحوں میں مرد کے وعدوں پر کبھی اعتبار نہیں کرنا
چاہیے۔ پھر میں اگر اتنی سیانی ہوتی تو عزت کا
تقاضا کرتی ہی کیوں......؟ کیوں کہ مرد کے
پاس عورت کو دینے کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔
وہ قیمتی سے قیمتی شے اس کے قدموں میں ڈھیر کر
سکتا ہے لیکن عزت دیتے اس کی شان گھٹنے اور
ظرف تنگ پڑنے لگتا ہے۔ اور میرا مجازی خدا
بھی بڑا کم ظرف نکلا تھا وہ مجھے وہ نہ دے سکا
جس کی مجھے چاہ تھی...... اور میں اپنے سے کیے
وعدے میں اتنی بڑی غداری برداشت نہ کر سکی
اور اس گھر کی دہلیز پار کر آئی......

✦✦✦

صبح کا آغاز حسب معمول چیخ و پکار سے ہوا
تھا۔ جاوید بھائی پچھلے کچھ روز سے کام پر جانے
لگے تھے۔ اس وقت بھی وہ کام پر جانے کے
لئے تیار ہو رہے تھے۔ بھابی نے ناشتہ لا کر رکھ
دیا وہ صحن میں لگے شیشے کے آگے بال بنا رہے
تھے۔ چائے تھوڑی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہ بالکل
گرم چائے پیتے تھے چائے کا پہلا گھونٹ
بھرتے ہی انہوں نے کپ سامنے دیوار پر
دے مارا۔ بھابی کو گالیاں بکتے ہوئے راستے
میں پڑی چیزوں کو ٹھوکر مارتے گھر سے نکل

گئے۔ آنسو پیتی بھابی کو کانچ کے ٹکڑے چنتے دیکھ کر میرا پہلے سے شکستہ دل مزید بوجھل ہوا۔ انہوں نے کانچ اُٹھائے تو میں نے خاموشی سے گیلا پونچا لا کر چائے کے دھبے صاف کر دیئے۔ ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی تو چھوٹا عادل عینک لگائے کڑھائی کاڑھتی اماں کے سر پہ کھڑا پیسے مانگ رہا تھا۔

دیکھ اماں دو سو روپے دے ورنہ بتا رہا ہوں اسکول نہیں جاؤں گا۔ دسویں جماعت کا طالب علم سولہ سالہ عادل اسکول کی وردی پہنے ہوئے تھا۔

''عادل کیوں اماں کو تنگ کر رہے ہو کہاں سے پورے کرے وہ تمہارے یہ روز کے پیسے......'' اماں کے چہرے پہ بے بسی دیکھ کر میں چپ نہ رہ سکی۔

''تو جا کر اپنا گھر سنبھال ادھر ہمارے سروں پہ بیٹھ کے استانی نہ بن......'' عادل نے بغیر کسی لحاظ کے پٹاخ سے میرے منہ پر طمانچہ رسید کیا اور اماں سے پیسے کھینچتا ہوا چلا گیا۔ اور میں سرخ چہرے کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھتی رہی جواب بچہ نہیں رہا تھا پورا مرد بن گیا تھا۔

''رابی پتر آ جا ناشتہ کر......'' میں ستے ہوئے چہرے کے ساتھ آنکھوں پہ بازو رکھے چار پائی پر پڑی تھی۔ اماں کی پکار پر آنکھوں سے بازو ہٹا کر ان کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''چل اٹھ پتر شاباش۔'' اماں نے میری ٹھوڑی کو چھوا احساس بے مائیگی کو کم کرنے کی اپنی سی کوشش...... میں نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا......

''نہیں اماں میرا دل، نہیں چاہ رہا میں مریم آپا سے ملنے جا رہی ہوں۔'' میں یہ کہتی ہوئی اٹھی اور بڑی چادر اوڑھ کر گھر سے نکلی...... مریم آپا کے گھر پہنچی تو وہاں حسب معمول صبح والی چہل پہل تھی۔ کوئی صرف سے فرش رگڑ رہا تھا تو کوئی کچن کی صفائی......

سلام بھابی! مریم آپا کہاں ہیں......؟'' میں نے ہچکچاتے ہوئے پائپ سے پودوں کو دھوتے ہوئے ریشم بھابی کو متوجہ کیا۔

''وعلیکم السلام! کمرے میں ہوگی اپنے......'' ریشم بھابی نے گویا بحالت مجبوری جواب دیا اور دوبارہ پودوں کی طرف لگ گئی...... اپنے لہجے کی تلخی کو چھپانے کی قطعاً انہوں نے کوشش نہیں کی تھی اور میں بے یقینی سی ان کے پیشانی کے بلوں کو دیکھتی سیڑیاں چڑھ کر اوپر مریم آپا کے کمرے میں آئی۔ دروازے پر آہستہ سے دستک دے کر میں اندر داخل ہوئی تو وہ کروٹ کے بل سنگل بیڈ پر سوئی ہوئی تھیں۔ دروازے کی سمت ان کی پیٹھ تھی۔

مریم آپا...... میری آواز پر انہوں نے دھیرے سے گردن موڑ کر مجھے دیکھا اور پھر آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی ٹانگیں پائنتی سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ میں دھیرے سے جا کر ان کے نزدیک بیٹھ گئی۔

وہ کیسی ہیں یہ پوچھتے ہوئے میری زبان میرا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ کیسی تھیں وہ سب میرے سامنے ہی تھا۔ اجڑے بال، خشک مگر بے حد پرسوز آنکھیں اور دکھ سے نڈھال سراپا...... میں کیا پوچھتی ان سے کہ یہ سب کیسے ہوا؟ نہیں میں اتنی سنگدل تو نہیں تھی جو ان کے زخموں کو اپنے ناخنوں سے کریدتی۔ کرنے کو بہت سی باتیں تھیں لیکن کہنے کو گویا کچھ رہا ہی نہیں تھا۔

میں اسی خاموشی سے واپس اٹھی۔

''رابعہ......'' میں دروازے تک پہنچی تو ان کی پکار نے قدموں کو زنجیر کر لیا۔ میں نے پلٹ

''اپنے گھر چلی جاؤ......'' انہوں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔
ان کے جملے میں جانے التجا تھی۔ نصیحت...... یا سبق...... میں سمجھ نہ سکی کتنی دیر میں اس جملے کی وضاحت کی منتظر کھڑی رہی...... اور پھر شکستہ قدموں کمرے سے نکلی سیڑیاں اتر کے نیچے آئی۔ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی ریشم بھابی نے مجھے دیکھ کے ان دیکھا کیا تو میں بھی خدا حافظ کہنے کے مروت میں نہیں پڑی۔
گھر سے نکلتے ہوئے مجھے میرے اعصاب کھینچتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے کچھ عرصے کا پہلا منظر بار بار میری آنکھوں کو دھندلا رہا تھا۔ جب میں اماں کے گھر ہوتی اور اتفاق سے مریم آپا بھی میکے آ جاتی تو جب میں ان سے ملنے جاتی۔ بھابیاں ان کے آگے بچھے جاتیں...... مریم آپا کی ستائش گوئی کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی...... کیا صرف ایک طلاق کے داغ نے ان کی ساری خوبیوں کو سیاہ کر دیا۔ کیا ایک بدنامی کا دھبہ لگنے سے یکا یک ان کا وجود اتنا بھاری ہو گیا تھا......
اپنے گھر چلی جاؤ۔ اس ایک جملے میں کتنی اذیت تھی اپنوں کے یکا یک پرائے ہو جانے کا کتنا غم تھا۔ بے کسی کتنا تکلیف دہ احساس تھا...... میں خیالوں میں گم چلتی جا رہی تھی۔ کسی کے پکارنے پر چونک کر پلٹی۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کا سلسلہ بھی تھا۔
''کیسی ہے؟ رابی تم تو آتی ہی نہیں ہماری طرف......'' نسرین آپا (پڑوسن) پردہ اٹھائے دروازے میں کھڑی تھی۔
''ٹھیک ہوں'' میں نے گھٹی گھٹی آواز میں جواب دیا ان کے شکوے کا میرے پاس کوئی

''تو ابھی تک نی نہیں اپنے گھر......'' وہی کن سوئیاں لیتا انداز۔
''نہیں کل پرسوں میں جاؤں گی......'' مزید سوالا سے بچنے کا بس یہی حل تھا جھوٹ......
''پر تیری ساس تو تیرے میاں کے لئے رشتے تلاش کرتی پھر رہی ہے، کہتی ہے تجھے جلدی فارغ کر دے گی......'' یہ دنیا اور دنیا والے میری سوچ سے بھی زیادہ بے رحم ہے اس پل ادراک ہوا تھا......
''میں کیا جانوں تمہارے معاملے ہے تم ہی جانو، مجھے تو میری خالہ زاد شاہدہ بتا رہی تھی کہ تیری ساس اس کے پاس گئی تھی رشتے کا کہنے۔ کہتی ہے تین سالوں میں ایک بچہ تک تو دے نہ سکی روز روز ڈرامے کرتی میکے جا کے بیٹھ جاتی ہے۔'' نسرین آپا نے غیر دلچسپی سے کندھے اچکاتے ہوئے بھی بڑی دلچسپی سے ساری بات مجھ تک پہنچائی۔ اپنے پیٹ کا مروڑ ہلکا کر کے نسرین آپا اندر غروب ہو چکی تھی اور میں ڈبڈبائی نظروں سے ہوا سے ہلتے بدرنگ پردے کو دیکھ رہی تھی۔
''ایک بچہ تک تو دے نہ سکی......'' دل میں درد کی لہر اٹھی تو آنسوؤں میں روانی آ گئی......
مجھے اماں کی آسیہ آپا کو کی جانے والی نصیحت یاد آ رہی تھی۔
عورت کے گھر کی مثال مٹی کے ٹیلے سے ہوتی ہے جب تک وہ اس کی حفاظت کرے اس پر توجہ کا پانی چھڑکتی رہے ٹیلہ سلامت رہتا ہے عورت ذرا سی غفلت برت دے...... تو ٹیلہ ذرا سی ٹھوکر سے زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔
میں نے قدموں کو دوسری سمت موڑا کیونکہ میرا ٹیلہ ابھی بکھرا نہیں تھا......

✧✧✧

اک لڑکی دیوانی سی

عشاء بھٹی

"ٹھاہ......" اس نے یونہی آم کے پیڑ پر پتھر اُچھالا پتھر کے نیچے گرتے ہی ایک مردانہ چیخ ابھری۔

"ہائے میں مر گیا۔ میری آنکھ۔" ایک دم کھٹ سے مین گیٹ کھلا تو ایک وجیہہ سا نوجوان برآمد ہوا۔

"یہ...... یہ پتھر تم نے مارا ہے......؟" وہ اسے ہاتھ میں پکڑے پتھر کو دکھاتے گویا ہوا۔

"جی! یہ عظیم غلطی مجھ ناچیز سے ہوئی ہے......" وہ ہٹ دھرمی سے اعتراف کرتے ہوئے دھونس سے بولی۔

"پیسوں سے لے کر نہیں کھا سکتی جو چوری کرنے آگئی ہو۔ ابھی جو میری آنکھ پھوٹ جاتی کون ذمہ دار ہوتا" وہ بھی لڑاکا انداز میں بولا۔

"پہلی بات جو مزا چوری کر کے کھانے میں ہے۔ وہ خرید کر کھانے میں کہاں۔ وہ مزے سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی۔ شازین نے جل کر اسے دیکھا جو اپنی ٹیل پونی ہلائے جا رہی تھی۔

"اچھا تو قسم کھا کر بتائیں کہ میرا نشانہ ٹھیک آپ کی آنکھ میں لگا ہے۔" وہ خوامخواہ ہی سر ہو رہی تھی۔

"عجیب ہیں! آپ" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"اور آپ غریب جو اتنے آموں میں سے ایک آم بھی کسی کو دینا گوارہ نہیں کرتے" وہ حساب برابر کرتے ہوئے بولی۔

"نجانے کہاں سے آگئی ہے بدتمیز لڑکی" شازین نے زیر لب کہا مگر اس نے صاف سُن لیا۔

"واٹ...... آپ نے مجھے بدتمیز کہا ہے آپ خود ہوں گے کھڑوس بدتمیز، بائی دا وے آپ نے آم کا پیڑ لگایا ہی کیوں ہے۔ پتھر تو آئیں گے نا آخر آم دیکھ کر سب کا دل للچاتا ہے۔ ویسے ہم کچھ دن پہلے ہی آپ کے ساتھ والے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں۔ یہاں پاس میں اب تو آنا جانا لگا رہے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کوئی زبردستی ہے کیا یہاں آنے جانے میں تم کہیں بھی رہتی ہو مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں۔" اوکے وہ انگلی سے وارن کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن مجھے تو ہے آپ کہاں سے آئے ہیں...... ہوں میں سمجھ گئی۔" اس کی سیاہ چمکیلی آنکھوں میں شوخی مسکرا رہی تھی۔

"دیکھا پہچان لیا نا اپنے پرانے پڑوسی کو۔" شازین نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تو وہ اپنی لمبی سی ستواں ناک چڑھاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"عجیب بدتمیز لڑکی ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے آگئی مُنہ اٹھا کر۔" وہ جھنجھلاتا ہوا اندر آگیا۔ وہ اس کے ساتھ اپنے لان میں لگے آم کے پیڑ کو بھی کوس رہا تھا۔ جس کی وجہ سے آئے دن کوئی نہ کوئی پتھر مار کر بھاگ جاتا جن میں اکثر بچے ہوتے تھے آج تو حد ہوگئی کہ اتنی بڑی لڑکی اور

حرسیں بچوں جیسی۔

''کیا ہوا بھائی؟'' جویریہ اسے بڑبڑاتا دیکھ کر بولی۔

''یہ ساتھ والے گھر میں نئے لوگ آئے ہیں کیا حوری؟''

شازین نے اس لڑکی کی بابت جاننا چاہا۔

''جی بھائی! وہ جو کام کرنے والی ہے اس نے بتایا کچھ دن قبل ہی نئے لوگ شفٹ ہوئے ہیں۔'' حوریہ کو جتنی تفصیل معلوم تھی اس نے شازین کے گوش گزار کردی۔

''ہوں'' وہ پُرخیال انداز میں گویا ہوا۔

حوریہ نے کچھ حیرت سے بھائی کو دیکھا۔

"میں اندر آسکتی ہوں۔"
اس آواز پر دونوں نے ایک ساتھ دیکھا وہ سیاہ جین اور فیروزی پرنٹ والی اوپن شرٹ میں باڑھ پھلانگتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"جی آیئے! حوریہ بڑی خوش اخلاقی سے اس کی سمت بڑھی۔
"بس گویا عذابِ مسلسل شروع۔"
شازین اندر جاتے ہوئے بولا اسے علوم تھا کہ حوریہ سے اس کی دوستی ہوگئی تو یہ لڑکی جان کو آ جائے گی۔
"وہ ایکچوئلی؟ میں اس لئے آئی تھی کہ......"
"ارے بھئی...... آپ کس لئے بھی آئی ہوں اندر تو آئیں۔ مہمان نوازی کا موقع تو دیں پھر بتائیں کہ ہم کیسے میزبان وہیں۔"
حوریہ اس پیاری سی لڑکی سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔
"ذرا نوازی ہے آپ کی میں نے سوچا خود ہی ابتدا کی جائے اصل میں سوشل لائف کے بغیر نہیں رہ سکتی یہاں آ کر پتا چلا کہ لوگ کتنا بدل گئے ہیں۔ ہم اتنے دنوں سے آئے ہیں۔ مگر ...... ویسے میرا نام سندس ہے۔" وہ دبے دبے انداز میں اسے جتا گئی کہ وہ لوگ نئے آئے ہیں مگر کسی نے نہیں پوچھا۔
"جی سندس! آپ کا شکوہ بالکل بجا ہے۔ بات یہ ہے کہ آجکل میری امی بڑے بھیا کے ہاں دوبئی گئی ہوئی ہیں۔ اب گھر میں میں میرے ابو اور منجھلا بھائی رہتے ہیں۔ مطلب مجھ سے بڑا اور بڑے بھیا سے چھوٹا۔" اس نے وضاحت سے بتایا۔
"ویسے میرا نام حوریہ ہے آپ مجھے حوری بھی کہہ سکتی ہیں۔"
"مجھے یہ آپ جناب کا تکلف بالکل پسند نہیں ہے۔"
"بہت بہتر تو سندس یہ بتاؤ کیا چلے گا چائے یا کافی......؟"
"جو دل چاہے پلا دو" سندس نے خاصی بے تکلفی سے کہا۔
حوریہ آگے بڑھ گئی۔
"شازین بھیا! وہ لڑکی ہے نا۔"
"ہاں دیکھنے میں تو مجھے بھی لڑکی ہی لگتی ہے۔" شازین نے جل کر کہا۔
"اُف بھیا! آپ کتنے غصے والے ہیں۔ غالباً یہ وہی ہے۔ جس سے آپ کی جھڑپ ہوگئی تھی۔" حوریہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔
"مجھے اس قسم کی لڑکیاں ہرگز بھی پسند نہیں تم نے اس کا بات کرنے کا انداز دیکھا ہے کیسے دھونس بھرا ہوتا ہے۔" وہ اس طرح کہہ رہا تھا جیسے اسے صرف اپنے پسند اور ناپسند کا اظہار کرنا ہو۔
"مجھے بھی تم جیسے بدمزاج، انگارے اگلتے مرد پسند نہیں۔ زہر لگتے ہیں۔ خیر دیکھ لوں گی میں بھی۔" اس نے سوچا۔
حوریہ کے احتیاط کے باوجود سندس نے ساری بات سن لی تھی۔ حوریہ کے آنے سے قبل وہ پھر لاپرواہ بن کر بیٹھ گئی۔
"تم بور تو نہیں ہوئی حوریہ اسے چائے کا ایک کپ تھما کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔"
"نہیں! میں نے بہت انجوائے کیا ہے۔"
"مگر کس بات سے انجوائے کیا؟"
"تماشے سے" سندس شوخی سے مسکرائی۔
"کس تماشے سے؟"
حوریہ کو اس کی مسکراہٹ مشکوک لگ رہی تھی۔
"چھوڑو تماشے کو میرے خیال میں یہ تو روز

کا معمول ہے۔ ویسے چائے اچھی ہے۔"
سندس کی اتنی بے تکلفی حوریہ کو بھی کھٹکی۔
"حوریہ!" شازین کے بلانے پر وہ اٹھ گئی۔
"چڑیل ابھی تک یہیں ہے......؟"
"جی ہاں...... آہستہ بولیے پہلی باتیں بھی شاید اس نے سن لی تھیں"
"تو سنا کرے کون ڈرتا ہے۔" شازین کا بس چلتا تو وہ اس گھر آئی مصیبت کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا۔
"تو آج کی چائے ہم پر حرام ہوئی"
"شازیب صاحب! جو مزہ تمہاری تکلیف سن کر آیا وہ چائے میں کہاں۔"
سندس نے تسکین بھرا ایک سانس لیا اور حوریہ کو بلالیا۔
"اب میں چلوں گی حوریہ"
"کچھ لمحہ توقف کے بعد وہ گویا ہوئی۔" اچھا ایک بات تو بتاؤ یہ شازین صاحب تمہارے سگے بھائی ہیں......؟"
سندس نے پردے کے اس پار دیکھ لیا تھا کہ شازین کھڑا ہے۔ اس لئے اس نے فوراً موضوع بدلتے ہوئے استفسار کیا۔
"ہاں بالکل سگے ہیں، کیوں......؟"
"نہیں یاد کرو ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے والدین کے لے پالک ہوں۔"
"نہیں بھئی یہ کیسے ہوسکتا ہے ہمارے دو ہی تو بھائی ہیں اور میں اکلوتی بہن۔" حوریہ اس کی شرارت سمجھ گئی تھی۔ تبھی سنتے ہوئے بولی۔
سندس نے لاپروائی سے شانے اچکائے اور یہ جاہ وہ جاہ...... پھر وہ اپنی پونی اچھالتی ہوئی باڑھ پھلانگ گئی۔
"یہ...... یہ لڑکی ہے یا کوئی بدروح! تم نے اس سے دوستی رکھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"
"جی بھیا...... میں تو خود حیران رہ گئی ہوں کہ یہ کیسی لڑکی ہے پہلی ہی ملاقات میں اس قدر فرینگ ہوگئی ویسے لگ اچھی رہی تھی۔" حوریہ کو واقعی سندس اچھی لگی تھی۔
"ہرگز نہیں مجھے تو وہ کوئی پچھل پیری ہی لگی تھی۔" شازین جھنجھلا کر بولا۔
"او بھئی...... کس کی شان میں قصیدے پڑھے جارہے ہیں۔" اندر داخل ہوتے عمیر نے استفسار کیا۔
"یار وہی کٹ کھنی بلی سندس میڈم" شازین نے غصے سے کشن پر مکا مارا۔
"ہیں...... ہیں یہ سندس صاحبہ کون ہیں۔ کل تک تو کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ آج حواسوں پر بھی چھا گئی۔" عمیر نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔
"تم تو پیدا ہی الٹے ہوئے ہو کوئی ڈھنگ کی بات تو تمہارے ذہن کی بنجر زمین پر اُگ ہی نہیں سکتی۔ تمہیں تو معلوم ہے مجھے ہمیشہ سے نفرت ہے ایسی پٹاخہ ٹائپ لڑکیوں سے"
"ویسے یہ چیز ہے کہاں؟" عمیر نے بڑی رازداری سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔
"جہنم میں" شازین نے جل کر کہا۔
"اچھا تو موصوف کی وہیں ملاقات ہوئی تھی۔" عمیر نے شرارت سے اسے دیکھا۔
شازین نے کشن کھینچ کر عمیر کو مارا۔
شازین واقعی اتنی تیز اور شوخ لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا تھا اس کے خیال میں لڑکیوں کو بہت سوبر اور پُروقار ہونا چاہئے۔
اور یہ بات جب سندس کو پتہ چلی تو وہ بہت پُرخیال انداز میں مسکرائی۔
"اوہ اچھا! تو شازین صاحب کو اس قسم کی

لڑکیاں پسند نہیں تو مجھے بھی ایسے لڑکے پسند نہیں قنوطی، خود پسند اور آدم بیزار قسم کے"

"نہیں سندس...... تم غلط سمجھ رہی ہو۔ آدم بیزار نہیں ہیں بھائی بس ذرا سوبر ہیں۔" حوریہ نے اپنے بھائی کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"ارے رہنے دو، میں سب سمجھتی ہوں دیکھو حوریہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا نجانے کب سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے، اچھا ہے انسان ہنس کھیل کر اپنا وقت گزارے۔ اپنا تو نظریہ حیات یہ ہے بقول شاعر:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

سندس نے بڑے ترنگ میں شعر کہا۔

"دیکھو سندس میں تمہارے خیال سے متفق ہوں لیکن بھائی سے پلیز مذاق مت کرنا"

"کیوں کاٹ کھائیں گے کیا" سندس نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"حوریہ...... حوریہ" باہر سے شازین کی آواز آئی۔

"ویسے کسی نے ٹھیک کہا ہے ادھر شیطان کا نام لیا اور ادھر حاضر" سندس اسے دیکھتے ہوئے شوخی سے بولی۔

"ارے جائیے، آپ سے بات کرنے کو کون مرا جا رہا ہے۔"

"او ہیلو! آپ جیسے لوگوں سے تو بات کر کے میں ویسے ہی بیمار ہو جاتی ہوں۔ یاد ہے اس روز آپ سے بات کی تھی ایسا تیز بخار ہوا تھا کہ کئی بار ڈر گئی تھی خواب میں" سندس منہ بنا کر بولی

"آئینہ دیکھ کر نہ سویا کرو تبھی ڈر لگتا ہے۔"

شازین نے فوراً حساب بے باک کیا۔

"حوریہ تم نے کبھی چالاک لومڑ دیکھا ہے......؟"

سندس نے شرارت سے ببل چباتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو......" حوریہ نے معصومیت سے کہا۔

"تو اپنے بھائی کو دیکھ لو نا......"

سندس نے ببل کا گولہ بنا کر شازین کے قریب لا کر پھوڑتے ہوئے کہا اور اس کے جوابی حملے سے بچنے کے لئے جلدی سے باڑ پھاند گئی۔

"بندریا، چڑیل، جنگلی بلی" شازین دانت پیس کر رہ گیا۔

بھائی کے خطابات پر حوریہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

❖❖❖

دوسرے روز عمیر بھی نہیں آیا حوریہ بھی اپنی کسی دوست کے ہاں چلی گئی تھی۔ وہ بہت بور ہو رہا تھا تو کتاب لے کر بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ کال بیل چیخ پڑی۔ وہ گیٹ تک گیا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ آکر پھر پڑھنے لگا۔ اور جب بہت سنسنی خیز موڑ پر پہنچا۔ بیل پھر بجی وہ جھنجھلاتا ہوا آیا مگر گیٹ پر کوئی نہ تھا وہ کسی بچے کی شرارت سمجھتا ہوا اندر آ گیا اور جب وہ ناول کے بہت رومینٹک موڑ پر پہنچا تو پھر بیل بجی۔ "اب تو جو بھی ہوگا ایسی خبر لوں گا کہ دماغ ٹھکانے آ جائے گا اس کا۔"

وہ بولتا ہوا آیا دروازے پر سندس ہاتھ میں کوئی ڈبہ پکڑے کھڑی تھی۔ وہ جل ہی تو گیا اسے دیکھ کر

"تو یہ آپ کی کارستانی ہے؟"

وہ دانت پیس کر بولا۔

"تمہیں سے کیا مطلب میں ابھی آئی ہوں۔" وہ صاف مکر گئی۔

گیا تھا یا بیل خود بخود بجنے لگی تھی۔'' اس کے جھوٹ پر شازین کو اور بھی غصہ آ گیا۔

''اللہ توبہ کتنے جھوٹے ہیں آپ کتنی بار بیل بجائی ہے۔''

''میں نے کل تین بار ہی تو بجائی ہے اور آپ ہیں کہ'' وہ نادانی میں سچ اگل گئی۔

''تم بدتمیز ہی نہیں انتہائی احمق بھی ہو۔''

''اچھا ڈانٹئے مت۔ یہ حوریہ کہاں ہے میں اس کے لئے خاص چیز لائی ہوں صرف اسی کے لئے''

سندس کو معلوم تھا کہ حوریہ گھر پر نہیں ہے پھر اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

''حوریہ گھر پر نہیں ہے'' شازین جلا بیٹھا تھا۔

''کیسے بداخلاق انسان ہیں، آپ کوئی آپ کے گھر مہمان آئے اور آپ اسے اندر آنے کو بھی نہیں کہتے۔''

''محترمہ! اس لئے کہ اس وقت میں گھر میں تنہا ہوں۔'' شازین نے اسے اندر نہ بلانے کی توجیہہ پیش کی۔

''تو کیا ہوا آپ کوئی جن بھوت تھوڑی ہی ہیں کہ مجھے ہڑپ کر جائیں گے اور ڈکار بھی نہیں لیں گے۔'' وہ اپنی پونی دائیں بائیں ہلاتی ہوئی بولی۔

''اچھا تو تشریف لے آیئے محترمہ! وہ خاصا تکلف سے بول رہا تھا''

''شکریہ وہ بھی ڈھٹائی میں گولڈ میڈلسٹ تھی چل پڑی اندر کی طرف''

''ویسے آپ کی ایج کیا ہے؟ شکل سے تو آپ اچھے خاصے بڈھے لگ رہے ہیں۔ آپ اٹھائیس برس کا بڈھا میں نے آج تک نہیں

''لیکن میں تو دیکھ رہی ہوں......''

وہ ڈھٹائی سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بولی۔

''تو بھاڑ میں جاؤ تم مجھے کیا''

''ارے تو کیا آپ ناول پڑھ رہے تھے کیا؟''

''جی نہیں میں تو جھک مار رہا تھا۔'' شازین کا خون کھول رہا تھا۔

''خیر وہ تو آپ ہر وقت مارتے ہیں۔ آپ کے ہاں مہمان سے چائے پانی کا نہیں پوچھا جاتا کیا؟''

''جی نہیں...... ہمارے ہاں مہمان کو زہر کا پوچھا جاتا ہے۔ پئیں گی؟''

شازین زہر خند لہجے میں گویا ہوا۔

''بہت اچھے...... ہمارے ہاں تشریف لایئے گا نیلے تھوتھے سے تواضع کی جاتی ہے ہمارے ہاں تو...... خیر آپ کا تو یہ حسن اخلاق بھی کسی زہر سے کم نہیں۔ یہ ڈبہ احتیاط کے ساتھ حوریہ کو دے دیجئے گا۔ ایسا نہ ہو آدھا مال خود ہضم کر جائیں۔''

''ہاں...... ہاں دے دوں گا......''

شازین نے ایسے کہا جیسے کہہ رہا ہو اب دفع ہو جاؤ۔

''اوکے اللہ حافظ''

شازین وہیں بیٹھ گیا اور سندس اسے بیٹھا دیکھ کر پردے کی اوٹ میں ہو گئی۔ شازین کو ڈبہ دیکھ کر تجسس ہو رہا تھا۔ نجانے اس میں کیا ہے۔ کافی دیر بعد وہ اٹھا اور ڈبہ کھولنے لگا۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ کھول رہا تھا تا کہ حوریہ کو پتا نہ چلے کہ اس نے ڈبے کو کھولا ہے۔ جیسے ہی اس نے ڈھکن اٹھایا ایک مینڈک اچھل کر اس کے

وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اندر سے یہ نکلے گا۔وہ گھبرایا ہوا تھا۔ اوپر سے سندس کے ہنسنے کی آواز پر وہ مزید خجل ہو گیا وہ بدتمیز لڑکی باہر کھڑی اس کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

''وہ...... وہ میں مینڈک سے نہیں ڈرتا......''

وہ اپنی خجالت مٹاتا ہوا بولا۔

''اچھا تو یہ چھپکلی سے ڈرتے ہیں۔'' وہ مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔

''جی نہیں...... مجھے تم سے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا۔''

شازین نے بھی بدلا لیا۔

''کیا کہا...... آپ نے مجھے چھپکلی کہا ہے؟''

وہ اپنے خونخوار ناخنوں کے ساتھ اس کی سمت بڑھی۔

''ہاں...... تم نہ صرف چھپکلی ہو بلکہ بندریا وہ بھی کٹ کھنی بندریا ہو، نجانے کہاں سے ہماری ناک میں دم کرنے آ گئی ہے۔''

''دیکھیں...... دیکھیں! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں اور اگر مجھے غصہ آ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' سندس غصے سے اس کی جانب بڑھی۔

''جاؤ...... جاؤ اپنی شکل گم کرو مجھے تو ویسے بھی زہر لگتی ہو'' شازین کا تو پارہ ہی ہائی ہوا جا رہا تھا۔

''خیر...... شہد تو آپ بھی مجھے نہیں لگتے اچھے خاصے کاٹھ کے اُلو لگتے ہیں'' وہ اپنی لٹوں کو پیچھے ہٹاتی ہوئی بولی۔

''اوہ اچھا میری ماں میری جان چھوڑو'' شازین باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

وہ اندر ہی اندر ڈر رہا تھا کہ ابھی کوئی آ گیا تو بھاگتا ہے اور اب خصوصاً عمیر کا بچہ تو ناک میں دم کر دے گا۔

''مجھے تو ترس آ رہا ہے اس لڑکی پر جس کو تمام عمر کے لئے آپ کے پلے باندھ دیا جائے گا بیچاری روتی رہے گی اپنی قسمت کو وہ صوفے پر ٹکتے ہوئے گویا ہوئی۔''

''تم خوش ہو جاؤ وہ کم از کم تم نہیں ہو گی۔''

شازین کاٹ کھانے والے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اللہ نہ کرے جو میرے نصیب اتنے خراب ہوں'' وہ اپنی ٹانگیں صوفے پر پھیلا کر بولی تو شازین کا خون خشک ہو گیا۔ اور پھر وہی ہوا جس سے وہ ڈر رہا تھا۔ عمیر آ گیا۔

''اوہو...... تم اس لئے نہیں آئے میرے اتنے اصرار پر، چلو معاف کیا۔'' عمیر نے سندس اور شازین کو دیکھ کر شوخی سے کہا۔

''نہیں عمیر...... دراصل وہ میں......؟''

شازین کوئی دلیل بھی پیش نہ کر سکا۔

''یار! یہ کیا آئیں، بائیں شائیں کر رہے ہو، چلو کوئی بات نہیں اب اتنی معقول وجہ ہو تو......'' اس نے پھر شوخی سے دونوں کو دیکھا۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو بس کوئی بات نہیں اصل میں یہ حور یہ سے ملنے آئی تھی ناں......''

شازین نے سندس کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''ہرگز نہیں میں تو آپ سے ملنے آئی تھی۔''

وہ پٹاخ سے بولی۔ تو شازین کا دل ہے اس کا گلہ دبا دے۔

''کوئی بات نہیں آج یہ وقت آ گیا ہے کہ تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔'' عمیر نے شکایت بھرے لہجے میں اسے دیکھا۔

ہیں۔"

"یہ تو چھپے رستم ہیں۔ آپ کو کیا خبر یہ آپ سے کیا کیا چھپا رہے ہیں اور کیا کیا چھپا رکھا ہے۔"

سندس کو مزید شرارت سوجی۔

"لومڑی کہیں کی کیا چھپا رہا ہوں۔ میں نے آج تک عمیر سے کچھ نہیں چھپایا، بیسٹ فرینڈ ہے یہ میرا" وہ عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں جا رہی ہوں پھر کبھی نہیں آؤں گی۔" جب کچھ نہ سوجھا تو وہ جاتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے اللہ کا خس کم جہاں پاک" شازین نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یار...... مجھے یہ لڑکی نارمل نہیں لگتی۔" اس کے جانے کے بعد عمیر نے کہا۔

"شکر ہے اللہ کا کوئی تو میرا ہم خیال ہوا مجھے تو پہلے روز ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی ابنارمل ہے۔" شازین کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

✦✦✦

پھر اس کی شازین کی امی سے بھی دوستی ہو گئی اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی شوخ ہو گئی۔ اور اسے اپنی شوخیوں کا نشانہ بناتی اگر وہ شکایت کرتا تو امی سے ڈانٹ پڑتی۔ اس روز بھی وہ کتاب پڑھتے ہوئے مگن تھا نجانے وہ کب آئی اور اس کے ساتھ رکھی ٹیبل پر پکوڑوں کی پلیٹ رکھ دی۔ تو وہ کھٹکے سے چونک اٹھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے" اس نے کھا جانے والے انداز میں گھورا۔

"ایک تو آپ کم عقل بہت ہیں۔ یہ بدتمیزی نہیں پکوڑے ہیں جو میں نے خالصتاً اپنے

بولی۔

"اندر کرو بتیسی ہر وقت ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنی پھرتی ہے"

"اور آپ ہر وقت جلتے رہتے ہیں کسی شمع کی طرح۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

"میڈم! تم اتنی یہ شوخیاں اپنے تک ہی رکھا کرو۔ مجھے قطعی آرزو نہیں ہے ان سے محظوظ ہونے کی۔"

وہ کھول رہا تھا۔

"مجھے تو تمنا ہے اپنی شوخیوں سے آپ کو محظوظ کرنے کی۔" وہ ڈھٹائی سے بولے گئی۔

"کیا ہو رہا ہے سندس بیٹی!" شازین کی امی بھی لاؤنج میں چلی آئی۔ شازین کو محتاط ہونا پڑا۔

"کچھ نہیں آنٹی اتنے روز ہو گئے ہیں، شازین بھائی کہہ رہے تھے پکوڑے کھلاؤ اپنے ہاتھوں سے بہت مزے کے بناتی ہوں اب بنا کر لائی ہوں تو کھا نہیں رہے۔ دیکھیں میرے ہاتھ بھی جل گئے ہیں۔ میں نے سوچا اتنا اصرار کر رہے ہیں تو بنا دیتی ہوں مگر اب یہ نخرے کر رہے ہیں......"

سندس نے ایسی جھوٹی کہانی گھڑی کہ شازین حیرانی سے دیکھتا رہ گیا۔ امی کی تو وہ چہیتی بن گئی تھی۔ اس دوران ایک تبدیلی جو سندس میں سب نے نوٹ کی تھی کہ وہ بولتے بولتے چپ ہو جاتی یا پھر ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔

اس روز بھی وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی مگر نجانے کیا یاد آ گیا کہ اس کی آنکھیں لبالب ہو گئیں اور وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا سندس......؟" حوریہ اس کا

ہیں۔"

"یہ تو چھپے رستم ہیں۔ آپ کو کیا خبر یہ آپ سے کیا کیا چھپا رہے ہیں اور کیا کیا چھپا رکھا ہے۔"

سندس کو مزید شرارت سوجی۔

"لومڑی کہیں کی کیا چھپا رہا ہوں۔ میں نے آج تک عمیر سے کچھ نہیں چھپایا، بیسٹ فرینڈ ہے یہ میرا" وہ عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں جا رہی ہوں پھر کبھی نہیں آؤں گی۔"

جب کچھ نہ سوجھا تو وہ جاتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے اللہ کا خس کم جہاں پاک" شازین نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یار...... مجھے یہ لڑکی نارمل نہیں لگتی۔" اس کے جانے کے بعد عمیر نے کہا۔

"شکر ہے اللہ کا کوئی تو میرا ہم خیال ہوا مجھے تو پہلے روز ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی ابنارمل ہے۔" شازین کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

✧✧✧

پھر اس کی شازین کی امی سے بھی دوستی ہو گئی اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی شوخ ہو گئی۔ اور اسے اپنی شوخیوں کا نشانہ بناتی اگر وہ شکایت کرتا تو امی سے ڈانٹ پڑتی۔ اس روز بھی وہ کتاب پڑھتے ہوئے مگن تھا نجانے وہ کب آئی اور اس کے ساتھ رکھی ٹیبل پر پکوڑوں کی پلیٹ رکھ دی۔ تو وہ کھٹکے سے چونک اُٹھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے" اس نے کھا جانے والے انداز میں گھورا۔

"ایک تو آپ کم عقل بہت ہیں۔ یہ بدتمیزی نہیں پکوڑے ہیں جو میں نے خالصتاً اپنے ہاتھوں سے بہت مزے کے بناتی ہوں اب بنا کر لائی ہوں تو کھا نہیں رہے۔ دیکھیں میرے ہاتھ بھی جل گئے ہیں۔ میں نے سوچا اتنا اصرار کر رہے ہیں تو بنا دیتی ہوں مگر اب یہ نخرے کر رہے ہیں......"

بولی۔

"اندر کرو بتیسی ہر وقت ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنی پھرتی ہے"

"اور آپ ہر وقت جلتے رہتے ہیں کسی شمع کی طرح۔" وہ اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

"میڈم! تم اتنی یہ شوخیاں اپنے تک ہی رکھا کرو۔ مجھے قطعی آرزو نہیں ہے ان سے محظوظ ہونے کی۔"

وہ کھول رہا تھا۔

"مجھے تو تمنا ہے اپنی شوخیوں سے آپ کو محظوظ کرنے کی۔" وہ ڈھٹائی سے بولے گئی۔

"کیا ہو رہا ہے سندس بیٹی!" شازین کی امی بھی لاؤنج میں چلی آئی۔ شازین کو محتاط ہونا پڑا۔

"کچھ نہیں آنٹی اتنے روز ہو گئے ہیں، شازین بھائی کہہ رہے تھے پکوڑے کھلاؤ اپنے ہاتھوں سے بہت مزے کے بناتی ہوں اب بنا کر لائی ہوں تو کھا نہیں رہے۔ دیکھیں میرے ہاتھ بھی جل گئے ہیں۔ میں نے سوچا اتنا اصرار کر رہے ہیں تو بنا دیتی ہوں مگر اب یہ نخرے کر رہے ہیں......"

سندس نے ایسی جھوٹی کہانی گھڑی کہ شازین حیرانی سے دیکھتا رہ گیا۔ امی کی تو وہ چہیتی بن گئی تھی۔ اس دوران ایک تبدیلی جو سندس میں سب نے نوٹ کی تھی کہ وہ بولتے بولتے چپ ہو جاتی یا پھر ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔

اس روز بھی وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی مگر نجانے کیا یاد آ گیا کہ اس کی آنکھیں لبالب ہو گئیں اور وہ ایکدم اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا سندس......؟" حوریہ نے اس کا

ہاتھ پکڑ لیا۔
''کچھ نہیں حوریہ چھوڑو میرا ہاتھ......''
سندس نے سختی سے کہا۔
''کچھ تو ہے سندس جو تم ہم سے چھپاتی ہو۔''
''وہ بس اسے ایک نظر دیکھ کر آگے بڑھ گئی۔''
پھر سندس سنجیدہ سے سنجیدہ ہوتی چلی گئی۔ اس میں پہلے والی بات نہیں رہی تھی۔ وہ تو ہنسنا بھی بھول گئی تھی۔ عجیب سے ویران حلیے میں رہتی۔ حوریہ کتنا پوچھتی مگر وہ ٹال جاتی اس کی آنکھوں کی ویرانی اور حلقے دیکھ کر شازین کو نجانے کیوں بہت دکھ ہوتا اب تو خود اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کے دکھوں کو جانے جس نے اس معصوم لڑکی کے شوخیوں کے گلاب کو مرجھا دیا تھا۔ مگر وہ اس گہرے سمندر میں اترنے کی کسی کو اجازت بھی تو دے نا۔ وہ لوگ گہرے رازوں کو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر وہ کئی دن غائب رہی۔''
''کوئی گڑبڑ ضرور ہے'' عمیر نے کہا۔
''آپ درست کہہ رہے ہیں'' عمیر بھائی۔ کوئی گڑبڑھ ہے ضرور اس کے گھر کا ماحول عجیب سا ہے۔ جبھی تو اتنے عرصے میں اس نے مجھے کبھی اصرار سے اپنے گھر نہیں بلایا ایک بار میں گئی تھی۔ عجیب سا رویہ تھا اس کا اور اس کے گھر والوں کا جب ہمارے گھر آتی ہے تو کتنی شرارتیں کرتی ہیں مگر گھر میں مغرور بن جاتی ہے۔
پھر امی نے حوریہ کو بھیجا کہ پتا کرے سندس کا آئی کیوں نہیں ۔ حوریہ جب واپس آئی تو خوف سے اُس کا برا حال تھا۔
''حوریہ کیا ہوا؟''
شازین نے حوریہ کو سنبھالا انجانے خدشے اسے پریشان کر گئے۔
''بھائی جلدی کریں سندس کو بچالیں ورنہ وہ مر جائے گی۔''
حوریہ رو رہی تھی۔
''کیا بات ہے؟ کیا مسئلہ ہے سندس کے ساتھ'' شازین بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔
''کیا ہوا ہے؟'' عمیر لپک کر آگے بڑھا۔
''سندس کے گھر والے گھر نہیں ہیں۔ اس نے کچھ کھالیا ہے اس کی حالت بری ہے۔ منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔'' حوریہ نے روتے ہوئے وضاحت کی۔
''اوہ نو...... پاگل لڑکی اتنی بڑی بات اتنی دیر میں بتا رہی ہو۔''
شازین اور عمیر دونوں سندس کے گھر کی طرف بھاگے۔ شازین نے دکھ سے بے ہوش پڑی سندس کو دیکھا۔
اتنے میں شازین کی امی اور حوریہ بھی آگئے۔
''ہائے میری بچی...... ارے جلدی کرو اسے ہاسپٹل لے کر چلو میں خود ساتھ چلوں گی بچی کو نجانے کیا دکھ ہے۔ جو وہ بتاتی نہیں۔''
پھر وہ سب سندس کو ہاسپٹل لے کر گئے۔
ڈاکٹر کے مطابق اس نے خواب آور گولیاں کافی مقدار میں کھالی تھیں اب وہ اس کا میدہ صاف کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔
''بچی نے ایسی حرکت کن حالات کے تحت کی یہ تو ذہنی طور پر بے حد ڈسٹرب لگ رہی ہے۔ اللہ جانے کیا پریشانی تھی۔''
ڈاکٹر ان سے مختلف قسم کے سوالات کر رہے تھے۔ مگر وہ تو خود لاعلم تھے، وہ کیا بتاتے مگر اب ڈاکٹر کو بھی مطمئن کرنا تھا۔

معدہ صاف ہو گیا تو وہ خطرے سے باہر ہو گئی۔ پھر سب نے سکون کا سانس لیا۔
شاید ملازم نے خبر کر دی سندس کے والدین بھی آ گئے۔ اس کے پاپا بہت پریشان تھے۔ بار بار سندس کی پیشانی چوم رہے تھے جبکہ اس کی ممی خاموش کھڑی تھیں۔ یوں جیسے ان کو کوئی پروا نہ ہو اس بات سے ہی سب نے اندازہ لگایا کہ یہ اس سوتیلی ماں ہیں۔ اور جب اس کی ماں سوتیلی تھی تو ہر بات سمجھ میں آ گئی تھی۔
اب سندس کی حالت قدرے بہتر تھی۔
''ڈاکٹر صاحب! میں اپنی بیٹی کو گھر لے جا سکتا ہوں؟'' خالد صاحب نے سندس کی جانب دیکھا۔
''جی لیکن اب آپ کو احتیاط کرنی پڑے گی کیونکہ......''
''نہیں ڈاکٹر مجھے احساس ہو گیا ہے۔ اب میں خود اپنی بیٹی کا خیال رکھوں گا۔''
خالد صاحب نے غصے سے اپنی بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جو بُرا سا منہ بنائے کھڑی تھی۔
''نہیں......نہیں مجھے گھر نہیں جانا ڈاکٹر میں مر جاؤں گی مگر اس گھر میں نہیں جاؤں گی ہرگز نہیں جاؤں گی۔'' سندس اتنی زور سے چلائی کہ پھر اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔
''خالد صاحب! آپ کی بیٹی ابھی ذہنی طور پر سیٹ نہیں ہے۔ ایک دو روز اس کو یہی رہنے دیں۔ یہاں دیکھ بھال بہتر ہوتی ہے۔
''ڈاکٹر......پلیز ان سب سے کہہ دیں چلے جائیں یہاں سے'' سندس زور سے چلائی تو سب ہی باہر نکلنے لگے، وہ سب کے جانے کے بعد شدت سے رونے لگی۔ حوریہ کو چونکہ سندس نے روک لیا تھا۔ وہ بھی اس کی حالت پر رو پڑی۔ عمیر اور شازین حوریہ کو لینے کے لئے آئے۔
''چلو گھر نہیں چلنا''
''حوریہ نہیں جائے گی، شازین صاحب آپ بھی آ جائیں اور عمیر بھائی آپ بھی آ جائیں۔ میں تنہا ہوں مجھے آپ لوگوں کی ضرورت ہے۔'' سندس شکستہ لہجے میں بولی تو وہ لوگ اس کے قریب آ گئے۔
''میں نے آپ لوگوں کو خصوصاً شازین کو بہت تنگ کیا ہے۔ بہت فضول حرکتیں کی ہیں۔ مگر شازین میں اپنی ذات کے گنبد میں اتنی تنہا اتنی اکیلی تھی، اتنا سناٹا، اتنی خاموشی تھی کہ میں گھبرا جاتی تھی۔ پھر الٹی سیدھی حرکتیں کرتی تھی۔ تب میں اتنی خود غرض ہو جاتی کہ مجھے احساس نہ رہتا کہ میری کس حرکت سے کس کا دل دکھتا ہے میرا انداق میری شوخی کسی کو پسند آتی ہے یا نہیں لیکن میں یہ صرف اپنے سکون اور دل بہلانے کے لئے یہ سب کرتی رہتی۔ مگر یہ وقتی سی روشنی میری ذات کے اندھیروں کو ختم نہ کر سکی۔'' بولتے بولتے وہ پھر شدت سے رو پڑی۔

❖❖❖

''ہم دوست ہیں۔ تمہارے سندس۔ تم نے اپنی ذات میں اندھیرے کیوں پھیلا رکھے ہیں۔ ہمیں سب کچھ بتاؤ آخر تم نے اپنے آپ کو اتنی اذیت کیوں دی تم نے مجھے بھائی کہا ہے تو اپنے بھائی کو اپنے دکھ میں شریک نہیں کر سکتی مجھے بتاؤ میری بہن۔''
عمیر بڑے پیار سے مان سے سندس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
''مجھے نہیں پتا میری اپنی ماں کب مجھے تپتی دھوپ میں چھوڑ کر چلی گئیں اور کب میری سوتیلی ماں آ گئی۔ میری سوتیلی ماں عام روایتی سوتیلی ماؤں سے قطعی مختلف تھیں۔ میرا بے حد

خیال رکھتیں مگر میں نے یہ بات محسوس کی کہ وہ میرا تعارف کرواتے ہوئے جھجکتی تھیں۔ دوسروں کے سامنے وہ خود کو کم عمر سمجھتی تھیں وہ صرف یہ چاہتیں کہ میں کہیں اور رہوں تا کہ وہ اتنی بڑی بیٹی کو سوتیلی ہی سہی ماں نہ کہلائیں۔ پاپا کو کہہ کر مجھے ہوسٹلز میں رکھا گیا میں جیسے جیسے باشعور ہو رہی تھی میرا احساس نمو پا رہا تھا۔ احساس کمتری اور ناقدری کا احساس میری ذات میں اندھیرا پھیلتا گیا۔ میں چھٹیوں پر گھر آتی تو ممی کا رویہ بدلا ہوتا میں کسی مہمان کے سامنے نہیں جاسکتی تھی۔ بس جتنی چھٹیاں ہوتی گھر پر رہتی جبکہ میری خواہش تھی کہ میں پاپا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزاروں۔ خوب انجوائے کروں چھٹیوں کو مگر یہ سب میری خواہش تھی مگر پاپا تو پہلے ہی پرائے ہو گئے تھے۔ میں کس سے شکوہ کرتی اپنی ہر خواہش کو دباتی چلی گئی۔ اور میرے مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا میں الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگی اپنی تسکین کے لئے۔ میں بی اے کر کے گھر آئی تو مجھے پتا چلا کہ میرا نکاح ہو رہا ہے۔ وہ بھی میری ممی کے بھتیجے سے وہ عمر میں مجھ سے پندرہ برس بڑا تھا۔ وہ امریکہ میں تھا۔ کچھ بھی تھا میں ذہنی طور پر قطعی تیار نہیں تھی۔ مگر میری ممی بضد تھیں۔ مجھے نہیں معلوم ان کی ضد میں کیا بات پنہاں تھی۔ میں نے لاکھ واویلا مچایا بھوک ہڑتال کی پاپا کے سامنے ہاتھ جوڑے مگر ان کی وائف تو مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی اور یوں میری ناپسندیدگی کے باوجود میرا نکاح فہد حسن سے ہو گیا۔ رخصتی ایک برس بعد رکھی گئی۔ مگر رخصتی کی نوبت ہی نہ آئی۔

فہد حسن نے بھی مجھے ناکردہ گناہوں کی سزا طلاق کی صورت میں دی۔ اس نے یہ الزام لگایا کہ میں اس نکاح کے لئے تیار نہیں تھی تو یقیناً مجھے کوئی اور پسند ہو گا اور میں اس لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا جس کے دل میں پہلے سے کوئی موجود ہو۔

میرے شفاف کردار کو بھی نہیں بخشا گیا۔ ایک تو اس سے میرا نکاح ہی میری مرضی کے خلاف ہوا تھا اوپر سے یہ الزام میرا دماغ خراب ہو گیا تھا میں اپنی جان ختم کر لینا چاہتی تھی۔ مگر ایسا نہ کر سکی۔ اس واقعے نے مجھے تنہا کر دیا تھا اپنی ناقدری اور یہ الزام میرے لئے موت سے کم نہ تھا۔ پھر مجھے ممی سے نفرت ہوتی چلی گئی، میں وہ ہر کام کرتی جس سے وہ منع کرتی۔ جوان کو ناپسند ہوتا۔ پاپا نے زبردستی مجھے کالج داخل کرا دیا کہاں میں انجینئر بننا چاہتی تھی اب پڑھائی میں بالکل دلچسپی نہ لیتی تھی۔ بس سیکنڈ ڈویژن لے کر پاس ہوئی۔ زندگی میں میرے لئے کوئی کشش کوئی رنگینی باقی نہ رہی تھی۔ میں بے زار سی رہتی جب یہاں آئے تو حوریہ سے میری دوستی ہو گئی۔ اور شازین کو تو فقط میں تنگ کرتی تھی۔ لیکن آپ لوگوں سے مل کر مجھے یہ احساس ہوا اور اب کچھ زندگی سے پیار ہونے لگا تھا۔ پھر......"

پھر ایک بار وہ حوریہ سے لگ کر شدتوں سے رو دی۔

شازین ساکن بت کی طرح یہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کیا چیز ہے۔ اپنے شوخ لبادے میں کتنے غم، کتنے دکھ چھپائے ہوئے ہے اور میں کتنا برا ہوں کہ اسے ستاتا رہا اس سے الجھتا رہا اگر پہلے خبر ہوتی تو سندس تمہارے تمام دکھ اپنی پلکوں پر سجا لیتا۔ وہ دکھ سے سوچ رہا تھا۔

"پھر یہ ہوا کہ میری ممی نے پھر میرے لئے اپنی بہن کے بیٹے کا انتخاب کیا جو انگلینڈ میں تھا

جس کے بارے میں یہ خبر بھی تھی کہ ایک عدد گوری کا شوہر ہے، مگر میری ممی کے لئے یہ بات انتہائی غیر اہم تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ میں بھی تو دوسری بیوی ہوں تمہارے پاپا کی زندگی گزار رہی ہوں اور پھر یہ کہ تم طلاق یافتہ ہو تمہیں کون پوچھے گا۔ ہمارے معاشرے میں طلاق یافتہ بے گناہ ہونے کے باوجود مجرم بن جاتی ہے۔ ہر کوئی اس کو قصوروار ٹھہراتا ہے۔ وہ تو میرا بھانجا ہے جو تمہیں قبول کر رہا ہے۔

میرے لاکھ انکار کے باوجود انہوں نے نکاح کی تاریخ مقرر کر دی۔" یہ ہے میری قسمت پہلے بھی بے گناہ برباد کر دی گئی تھی اور اب اس خوف سے شادی شدہ مرد کے لئے باندھا جا رہا ہے کہ میں طلاق یافتہ ہوں کون پوچھے گا۔ میں مر جاؤں گی مگر اب اس سے شادی نہیں کروں گی۔ ایک بار پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

شازین نے حوریہ اور عمیر کو اشارہ کیا وہ لوگ باہر چلے گئے۔

"سندس! تمہارے والدین تمہیں ایک شادی شدہ کے پلے اس لئے باندھ رہے ہیں کہ تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔" شازین نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں......" وہ اپنے آنسو دوپٹے میں جذب کرتی ہوئی بولی۔

"میں تمہاری ذات کے اندھیروں کو اپنی محبت کی روشنی سے ختم کر دوں گا۔ بولو زندگی کے سفر میں میرا ساتھ قبول ہے۔"

"آپ......آپ شازین"

سندس نے حیرانگی سے دیکھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں! میں، تم یہ نہ سمجھنا سندس! کہ میں کسی قسم کی ہمدردی کے تحت کر رہا ہوں بلکہ یہ میں ان جذبوں کے تحت کر رہا ہوں جو میرے دل کی گہرائیوں میں جانے کہاں چھپے ہوئے تھے۔ مگر مجھے ان کی خبر نہیں تھی مجھ پر آج ہی انکشاف ہوا۔ اب پتا چلا ہے کہ ان جذبوں کو محبت کہتے ہیں۔"

شازین اپنی محبت کا اقرار کر رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کے دل میں لگی آگ کی تپش شازین کے دل تک کیونکر پہنچ گئی شاید یہ محبت کی سچائی ہے۔ جس کی کلی ایک دل میں کھلتی ہے اور مہک دوسرے دل میں پہنچ جاتی ہے۔

"میرا ساتھ قبول ہے؟"

اس چپ دیکھ کر شازین نے دھیرے سے کہا تو سندس نے آہستگی سے پلکیں اٹھا کر شازین کو دیکھا اس کی آنکھوں میں اپنا عکس لہراتا دیکھ کر پلکیں آپ ہی جھک گئیں۔

"نہیں بھئی......زبان سے اقرار کرو تا کہ ان در دیواروں کو بھی پتا چل جائے کہ تم میری ہو۔" سندس نے اثبات میں سر جھکا دیا تو شازین شوخ ہو گیا کہ زبان سے اقرار کرو۔

"جی قبول ہے۔" اتنی شوخ سی لڑکی بڑی مشکل سے کہہ پائی۔

"مبارک ہو......مبارک ہو......شکر ہے یہ ملن ہو گیا۔" حوریہ اور عمیر شاید دروازے سے کان لگائے کھڑے تھے۔ سندس نے شرما کر منہ دوپٹے کی اوٹ میں چھپا لیا۔

تینوں کے شوخ قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا۔

❖❖❖

چھٹی قسط

وقت اک عجب شے ہے، کبھی کوئی اس میں سے خاموشی سے گزر جاتا ہے۔ کبھی طوفانوں میں گھری تنہا کشتی کی طرح اس میں ٹھہر جاتا ہے۔ کبھی وقت سینے پر پیر رکھتا ہوا گزرتا ہے اور کبھی سینے پر یوں سوار ہو جاتا ہے کہ گزرتا ہی نہیں۔ کبھی وقت کچھوے کی چال کی مانند رینگتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور کبھی کسی گلہری کی مانند پھلانگتا ہوا بھاگتا پھرتا ہے۔

شب و روز، دن و ماہ، اسی طرح گزرنے لگے تھے نہ تو ہیزام نے کسی قسم کی کوئی پہل کی، نہ ہی کوئی شکوہ شکایت بلکہ وہ پہلے کی طرح ہی نارمل بی ہیو کرتا گویا ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی کمٹمنٹ ہی نہ ہوئی ہو۔ اتباع اس کی طرف سے مطمئن تھی تبھی اس کی ساری توجہ اب گھر اور بچوں پر ہی مبذول ہو چکی تھی۔ جبکہ بظاہر ہنستا مسکراتا ہوا وہ انسان لحہ بہ لحہ اندر سے ٹوٹتا جا رہا تھا، یہ تین ماہ کا عرصہ یوں بیتا تھا گویا تین صدیاں ہو جیسے۔

موسم مسحور کن تھا، خشک ہوائیں سرسرا رہی تھیں۔ پھولوں کی مہلک سے کچھ مہک رہا تھا مگر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ماحول ادھورا تھا۔ پھولوں کی اس مہکتی رات میں بھی اتباع کی خوشبو اس کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھی۔

بس گئی ہے میرے احساس میں یہ کیسی مہک
کوئی بھی خوشبو ہو مگر تیری ہی خوشبو آئے

ہیزام بہت مضطرب و مضمحل سا سنگ مرمر کے بینچ پہ بیٹھا تھا۔ اس کی شفٹ تو کب کی ختم ہو چکی تھی۔ مگر وہ سونے کے بجائے یہاں موجود تھا۔

''کیا کر رہا ہے جگر......؟'' تبھی حسنین بھی وہیں چلا آیا

''جھک مار رہا ہوں......'' ہیزام نے چڑ کر

مکمل ناول

تیرے عشق کی اگنی مار دیا

افشاں علی

کہا۔

''تو یہاں کیوں؟ اپنے روم میں جا کر آرام سے جھک مار یا دیوار میں سر مار۔ مگر اس وقت یہاں کیوں مجنوں بنا بیٹھا ہے؟'' حسنین کی بات پر کچھ کہنے کی بجائے اس نے ایک سلگتی نگاہ اُس پر ڈالی۔

''اپنی پرابلم، مائی ڈیئر؟ بہت اپ سیٹ لگ رہا ہے...... سب خیریت تو ہے......؟'' حسنین نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! یار، بس تھوڑا ڈسٹرب ہوں......''

ہیزام نے بنچ کی پشت سے سر ٹکائے آسمان کی طرف دیکھا۔

''لگتا ہے بھابھی کی کمی محسوس ہو رہی ہے، تبھی یوں تارے گن رہا ہے......''

''اب تو اس کی کمی ہر وقت ہی محسوس ہوتی ہے چاہے وہ دور ہو یا پاس......'' ہلکا سا دباؤ سے اپنی کنپٹیوں پر محسوس ہو رہا تھا۔ حسنین نے اس بار چونک کر ہیزام کی طرف بغور دیکھا۔ آسمان پہ چاند نہیں تھا رات تاریک تھی اور ایسی ہی اداسی بھری تاریکی ہیزام کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

''میں نے سنا تھا کہ عورت جب بیوی سے ماں بن جاتی ہے تو وہ پورا کا پورا شوہر جیت لیتی ہے گویا اسے اپنا بنا لیتی ہے......'' اس کے لہجے میں اک بے نام سی حسرت تھی۔

''بالکل ٹھیک سنا ہے تو نے، عورت اپنے حسن اور اولاد کی زنجیر پہنا کر ہی مرد کو قابو کر لیتی ہے بالکل ویسے ہی جیسے بھابھی نے تجھے قابو کیا ہوا ہے، اپنی محبت سے، اپنی خدمت گذاری اور اولاد جیسے خوبصورت و بیش بہا تحفے سے نواز کر...... سچ کہوں تو یار تو بہت Lucky ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جسے خوبصورتی، خوب سیرتی اور اپنی محبت یکجا بیوی کے روپ میں مل جاتی ہے اور سونے پہ سہاگہ اولاد بھی گویا دنیا ہی مکمل......'' حسنین کے لہجے میں اس کے لئے ستائش تھی۔

''سنو!
تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں؟
سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں مگر
ان کو صلے میں دھوپ ملتی ہے
سنو!
تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑنے پھول دیکھے ہیں؟
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں بکھر جانے تلک
لیکن پھر بھی ہوا کا ساتھ دیتے ہیں
سنو!
تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں؟
بہت ہی شور کرتے ہیں
مگر اندر سے خالی ہیں
یہی میرا افسانہ ہے
بس! اتنی سی پہیلی ہے
جو تم کو بتائی ہے
یہی میری کہانی ہے......

اس کے تاثرات، اس کے انداز اور اوپر سے یہ پہیلی نما شاعری حسنین اب الجھن کا شکار تھا۔

''یار آخر بات کیا ہے؟ کوئی لڑائی یا چھوٹا موٹا جھگڑا ہوا ہے بھابھی سے......؟'' حسنین نے فکر مندی سے پوچھا۔

''کاش کوئی لڑائی جھگڑا ہی ہو جائے
وہ روٹھے تو میں مناؤں
اسی بہانے میں اس کے قریب تو آؤں''
بکھرا لہجہ اور اک عجیب یاسیت بھری

حسرت تھی اس کے انداز میں۔
''کاش! میں تجھے بتا پاتا
اور تو میری بات کی گہرائی کو سمجھ پاتا
بس اتنا جان لے کہ
ان محبت بھری راہوں میں
عشق کی وادیوں میں وہ ہمسفر بن کر تو
میرے ساتھ چلتی ہے مگر
فاصلے پر مقرر کردہ ایک دوڑی پر
وہ پاس ہوتے ہوئے بھی پاس نہیں ہوتی
وہ ساتھ ہوتے بھی ساتھ نہیں ہوتی
میں جو اس کے عشق کے سمندر میں مکمل طور پر ڈوب چکا ہوں وہ کناروں پر آتی ان لہروں کے مانند ہے جو صرف لمحہ بھر کو کسی منہ زور طوفان کی مانند آتی ہیں اور چٹانوں سے ٹکرا کر واپس پلٹ جاتی ہیں۔ میری زندگی میں اس کا نمبر اول ہے اور اس کی زندگی میں میں سب سے آخر میں ہوں......''

حسنین اس کی الجھی الجھی باتوں سے اس کی پریشانی کے سرے تک پہنچنے کی ناکام سی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

''شادی اک ایسی رومانس بھری کہانی ہے جس کے پہلے باب کے بعد ہی ہیروئن مر جاتی ہے......''

حسنین جو کسی حد تک اس کی الجھن کی تہہ تک اترا تھا اس نے آہستگی سے کہا۔ حسنین کی بات پر وہ چونکا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' اسے حسنین کی بات بے تکی لگی تھی۔

''بکواس نہیں میری جان! سچائی ہے تلخ سچائی...... شادی کے بعد عورت صرف محبوبہ یا بیوی ہی نہیں رہتی بلکہ وہ بہو، بھابھی، ماں، ان سب رشتوں میں بھی ڈھلتی ہے......''

''تو ہم مرد بھی تو......''

''نہیں ہم مرد، ان رشتوں میں نہیں ڈھلتے......'' حسنین نے جھٹ سے اس کی بات کاٹی تھی۔ عورت اک گھر چھوڑ کر نئے گھر، نئے ماحول اور نئی جگہ آتی ہے۔ جہاں ڈھلنے اور بسنے میں اسے وقت درکار ہوتا ہے۔ ہر روپ میں ڈھلنا پڑتا ہے۔ ہر رشتہ نبھانا پڑتا ہے۔ ہم مرد تو داماد اور باپ بن کر بھی محض اک ہی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ پیسہ کمانے کی جبکہ اسے جبکہ عورت کو، بہو، ماں، بھابھی ہر روپ کی ہر رشتے کی ذمہ داریوں کو الگ الگ نبھانا ہوتا ہے۔ گویا وہ کہانی میں صرف ہیروئن ہی نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں بہت سے کردار نبھا رہی ہوتی ہے اور ایسے میں بعض اوقات وہ کسی ایک کردار کے ساتھ زیادتی یا کمی بیشی کر جاتی ہے۔ جو دانستہ طور پر نہیں ہوتی......! ایسے میں اچھا شوہر و مہربان ساتھی اور سچا عاشق وہ ہی ہوتا ہے جو اس کی اس معمولی سی خطا کو درگزر کرے کیونکہ باقی کے کردار بھی تو عورت اسی کے لئے نبھا رہی ہوتی ہے۔

حسنین کا لہجہ دھیما اور پُر تاثیر تھا اس کی بات میں سچائی کا وہ امرت تھا جس نے ہیزام کے کانوں کے راستے دل میں اتر کر گزشتہ 3 ماہ سے تڑپتے مچلتے دل کو شانت سا کر گیا تھا گویا اس کی باتوں نے زخمی دل پر پھاہے سے رکھ دیئے تھے۔ اس نے قدرے آگے کو ہو کر اپنے برابر میں بیٹھے حسنین کو جھٹ سے گلے لگا لیا۔

''تو صرف میرا دوست ہی نہیں، جگر بھی ہے یار! جو بن کہے بھی نا صرف بہت کچھ سمجھ جاتا ہے بلکہ سمجھا بھی دیتا ہے......''

''شکر ہے جگر ہوں دل نہیں......'' حسنین نے مصنوعی طور پر اپنے ہاتھوں کو دعائیہ انداز میں

اٹھایا۔
''دل تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ میرا دل تو تیری بھابھی کے پاس ہے نا......''
ہیزام نے بھی مسکراتے ہوئے دوبدو جواب دیا تو حسنین بھی مسکرا دیا۔

❖❖❖

وہ نہا کر نکلی تھی مہرون جارجیٹ کے ہلکے ہلکے ایمبر ائیڈری سوٹ میں اس کی شہابی رنگت بہت کھل رہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی گیلے بالوں کو سلجھایا اور پھر یونہی کھلے پشت پر ہی چھوڑ دیئے کیونکہ اس کو جانے کی جلدی تھی۔ حنظلہ اور حدیبیہ اپنے چاچو کے ساتھ باہر گئے ہوئے تھے اور وہ ان دونوں کے آنے سے پہلے لنچ وغیرہ بنا کر کچن سے فارغ ہونا چاہتی تھی۔ بالوں سے فارغ ہو کر وہ پلٹنے کو تھی کہ اس کی نظر کھلی دراز میں رکھی چوڑیوں پر پڑی یونہی اچانک اس نے مہرون رنگ کی کانچ کی چوڑیاں نکال اپنی سونی کلائیوں میں پہن لی۔ بچوں کے ہونے کے بعد سے وہ بہت کم کم ہی چوڑیاں وجیولری وغیرہ پہنتی تھی۔ خاص کر حنظلہ کے بعد سے تو اس نے پہننا بند ہی کر دیا تھا کیونکہ وہ بھی اپنے پاپا کی طرح ہر چیز کو چھیڑتا اور پکڑ کر کھینچنے کی کرتا۔ چوڑیوں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے نیچر کلر کی لپ اسٹک بھی لگائی۔ اور پھر پلٹی تو ہیزام کو کھڑے پایا۔ جو اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اسے اپنے دوپٹے کا خیال آیا جو بیڈ پر ہی پڑا تھا وہ اسے لینے آگے بڑھی مگر اس سے پہلے ہیزام اس کی راہ کی دیوار بن گیا۔ ہاتھ میں موجود بیگ کو اس نے کارپیٹ پر رکھتے ہوئے ایک بار پھر اس سے حسین صورت پر نظریں جمائیں اور اس کے دونوں شانوں کو پکڑتے ہوئے خود سے قریب کیا۔

''اتنا حسین استقبال! پتہ ہوتا تو پہلے ہی گھر آ جاتا......'' اس کی مدھم مگر گھمبیر سرگوشی گویا کوئی افسانہ سنا رہی تھی۔
''نہیں...... وہ دراصل آپ کب آئے......؟'' کبھی اٹھتی کبھی جھکتی لرزتی پلکیں، ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کئے اس کی گھبراہٹ واضح تھی حتیٰ کہ تیز دھڑکتی دھڑکنوں کا شور بھی وہ بخوبی سن سکتا تھا۔
''تم تو آج بھی کسی نئی نویلی دلہن کی طرح شرماتی ہو......'' ہیزام نے اس کی لرزتی پلکوں پر ہونٹ رکھے تو وہ اندر تک لرز اٹھی۔ ہیزام کی قربت اس پر فسوں سا طاری کر رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر تیزی سے رخ موڑنا چاہا مگر ہیزام کا اس کے شانوں پر دباؤ مزید بڑھ گیا نتیجہ اس کے نم بالوں کی کچھ چھوٹی چھوٹی لٹیں اس کے سرخ و سفید رخسار کو چھونے لگیں۔ ہیزام نے انگلیوں سے اس کی بکھری لٹوں کی نمی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی مضبوط ہتھیلیوں کے پیالے میں اس کا سندر مکھڑا تھاما۔
''تمہیں جب جب بھی یاد کرو، محسوس کرو، تم سے محبت دگنی ہوتی جاتی ہے تم روزِ اول کی طرح آج بھی میری دھڑکنوں کو اتھل پتھل کرنے کے سارے کمال رکھتی ہو، سچ کہوں تو تم سے دوری۔ میرے لئے سوہان روح ہے......''
بھاری مخمور لہجے میں وہ دل کی شدتیں عیاں کرتے ہوئے اس کے مزید قریب جھکا قریب تھا کہ باقی کی شدتیں اس کے لبوں سے ادا ہوتیں۔ اتباع کے لب ہلے۔
''آ...... آپ غلط کر رہے ہیں، اپنا وعدہ توڑ رہے ہیں، پلیز چھوڑیئے......'' ڈولتی دھڑکنوں اور لرزتے ہونٹوں سے اس نے بمشکل کہا۔ ہیزام جس کی آنکھوں میں قربت کا نشہ ہلکورے

لے رہا تھا۔ وہ اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھ اس کی سمت بڑھا تھا۔ دل بے اختیار ہی اسے پیار کرنے کو ہمکنے لگا تھا۔ تین ماہ کی دوری بھلائے وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ جبکہ اتباع نہیں جانتی تھی کہ خود سے دور کر کے بھی اس کی دیوانگی، اس کا جنون اتباع کے لئے مزید بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ جانتا اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی ہیزام کا دل مزید اس کی سمت کھینچا چلا جاتا۔ اس کی قربت و فرقت کی چاہ روز بروز دو چند ہوتی جا رہی تھی مگر اتباع اس کی بے قراریوں اس کے جنون اس کی دیوانگی۔ اس کی محبت سب کو جانتے بوجھتے انجان بنی بھاگتی رہی تھی۔

جیسے ابھی کہی اس کی ایک بات نے ہیزام کے سارے جذبات و احساسات پر اس کی دیوانگی و بے قراری پر بندھ باندھ دیتا تھا۔ اس نے بغور اس کی سمت دیکھا جو اس کی قربت سے خود کو چھڑانے کی مزاحمت کر رہی تھی اپنی بے قراریوں میں جسے وہ دیکھ ہی نہ پایا تھا۔

''اوہ سوری! میں اپنا وعدہ بھول گیا تھا۔ اپنے دل کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک نہیں پایا، آئی ایم سوری......'' وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

''مگر ایک بات کہوں تم میرے ضبط کا بہت بڑا امتحان لے رہی ہو، یہ دل بہت کمزور ہوتا ہے اسے صرف چاہ چاہئے ہوتی ہے اور تم جیسی حسین ترین بیوی سے کون کافر اپنی نظریں چرائے گا......؟ مگر تمہارے ایک وعدے کی خاطر، ہم نے خود پر بندھ باندھ لئے۔ لیکن ڈر لگتا ہے کسی روز یہ بندھ نہ ٹوٹ جائے اور......'' ذومعنی بات کہتا وہ بات ادھوری چھوڑ اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالے۔ واش روم کی طرف بڑھ گیا جبکہ اتباع نے آگے بڑھ کر بیڈ پر رکھا اپنا ڈوپٹہ اٹھایا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں پرسکوں ہوں مگر میرا دل ہی جانتا ہے
جو انتشار محبت کے رکھ رکھاؤ میں ہے

✧✧✧

''مما! تاچو، مالتے......'' وہ جو سعدیہ بیگم کے ہمراہ بیٹھی کل کے دھلے ہوئے کپڑے تہہ کر رہی تھی آواز پر چونکی۔ حدیبہ اتباع کی طرف دوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ مگر تبھی سیڑھیاں اتر کر ٹی وی لاؤنج میں آتے ہیزام نے آگے بڑھ کر اسے اپنی گود میں اٹھا لیا اور چلتا ہوا اوپن کچن کی طرف آیا۔

''چاچو کو آپ نے تنگ کیا ہوگا یقیناً......'' اسے سلیب پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''ناں ہی......'' اس نے جلدی میں نفی میں زور زور سے گردن ہلائی۔ تبھی وہاں ارزم کی آمد ہوئی جو اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا۔

''بھیا اپنی اس گڑیا کو سنبھال لیں میرے نوٹس پر پانی گرا کر آئی ہے......'' وہ روہانسا ہوا۔

''بُری بات بیٹا! مما نے کیا سکھایا ہے جھوٹ نہیں بولتے کسی کو تنگ نہیں کرتے، چلو، شاباش سوری بولو چاچو کو......''

اتباع کے لاونج میں ہی بیٹھے بیٹھے حدیبیہ کو تنبیہ کی۔

''آہ...... ہاں......'' مگر وہ مستقل اپنے پاؤں کو جھلاتی نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔

''بُری بات، حدیبیہ گندی بچی ہے سوری کرو......'' ہیزام نے ذرا سختی سے کہا۔

''شوری تاچو......'' حدیبیہ نے پاپا کی ڈانٹ پر منہ بسورا۔

''ویسے تم اتنی سی تو ہو مگر شرارتیں دیکھو ذرا اپنی، تم نے چاچو کے نوٹس پر پانی کیسے گرایا......؟''

ہیزام کے پوچھنے کی دیر تھی وہیں پاس میں ہی رکھا باؤل جس میں کٹے ہوئے آلو بھگوئے ہوئے تھے اسے اپنے قریب کھسکایا اور ایک ایک کر کے تمام آلو کے پیس باہر نکالے اور پھر باؤل کو ننھے ننھے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام کر ہیزام کے سر پر انڈیل دیا وہ اس افتاد کے لئے تیار نہ تھا سٹپٹا گیا۔ جبکہ سعدیہ بیگم اور اتباع جو بغور اس کی کارروائی دیکھ رہی تھیں حدیبیہ کی اس حرکت پر زور زور سے ہنس دیں۔

''اف...... تمہاری ماں تو اتنی شرارتی نہیں، تم کس پر چلی گئی'' ہیزام نے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی۔

''پاتا...... پاتا......'' اس نے جھوٹ سے کہا۔

''بھیا سنا جواب، یہ آپ کی بیٹی آپ ہی پر گئی ہے......'' ارزم نے آگے بڑھ کر سلیب پر بیٹھی حدیبیہ کو گدگدایا تو وہ بھی کھلکھلا اٹھی۔

''ماشاءاللہ! طوطی ہے ہمارے گھر کی......'' سعدیہ بیگم نے ڈیڑھ سالہ حدیبیہ کو دیکھ آنکھوں ہی آنکھوں میں نظر اتارتے ہوئے اس کی دور سے ہی بلائیں لیں۔

ہیزام نے اسے پھر سے گود میں اٹھایا اور سعدیہ بیگم کی طرف آیا۔

''لیجئے سنبھالیے اپنی طوطی کو......'' اس نے جھک کر حدیبیہ کو سعدیہ بیگم کی گود میں دیا اور خود گھوم کر اتباع کے برابر آبیٹھا۔

''میں ذرا اپنی طوطی سے ٹیں ٹیں کر لوں'' اس نے اتباع کے کان میں سرگوشی کی تو وہ ہولے سے مسکراتی ہوئی اٹھنے لگی۔ ہیزام نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہا مگر وہ اگنور کرتی پرام میں لیٹے حنظلہ کی طرف جھکی۔

''مما کو اب کچن میں کام ہے اور میرا گڈا اب پاپا سے باتیں کرے گا، ہے نا......!'' اس کے گالوں کو چھوتے ہوئے گویا اس نے اپنے اٹھنے کا مقصد بتا دیا اور خود کچن کی طرف چل دی۔

''اک پتھرائی ہوئی بھیڑ سے ہوں محو کلام
جیسے خاموش مزاروں سے دیا بات کرے''

❖❖❖

اتباع کی نیند سبرینہ آپی کے دیور کی شادی تھی، حنظلہ کی اچانک طبیعت خرابی کے باعث وہ بارات میں تو ان سب کے ہمراہ شریک نہ ہو پائی مگر ولیمہ ریپشن کے لئے تیار تھی۔ سبرینہ آپی اور اپنی ساس کے کہنے پر ہی اس نے اپنی شادی کا شرارہ پہنا تھا کیونکہ سبرینہ آپی نے بھی اپنی شادی کا لہنگا زیب تن کیا تھا۔ دونوں بچے آج سعدیہ بیگم کے ہی حوالے تھے اور ساتھ ہی سبرینہ آپی کی بیٹی بھی تبھی تو وہ دونوں کی نند بھابھی بچوں کے بجائے اپنے اپنے شرارے سنبھال رہی تھیں۔

ڈیپ ریڈ بھاری کامدار شرارہ جس کے ڈوپٹے کا ایک سرا شولڈر پر جبکہ دوسرا سرا پیچھے سے گھما کر کمر کے گرد پھنسائے، میچنگ جیولری اور میک اپ سے مزید گجروں سے مہکتے ہاتھوں، مہندی سے سجی ہتھیلیوں، اور کلیوں کے ہاروں سے معطر بالوں میں وہ پہلی بار سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ اتنی حسین کہ بہت سی خواتین سمیت سبرینہ آپی کی ساس بھی تعریف کئے بنا نہ رہ پائیں۔

''ماشاءاللہ! سعدیہ تمہاری بہو پر تو دن بدن نکھار چڑھتا جا رہا ہے......''

''ماشاءاللہ! بس اللہ میرے بچوں کی جوڑی سلامت رکھے......'' سعدیہ بیگم نے بے ساختہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی نظر اتارتے

وہ پھولوں کی پتیوں سے بھری تھالی لئے دلہن والوں کے استقبال کے لئے مین گیٹ کی طرف جا رہی تھی جو اسے سبرینہ آپی نے تھمائی تھی تبھی عقب سے کسی نے اسے پکارا

''ایکسوزمی بیٹا......'' اس نے مڑ کر دیکھا چالیس، پچاس سالہ گریس فل سی خاتون سامنے کھڑی تھیں جو کم از کم اتباع کے لئے اجنبی ہی تھیں۔

''اسلام علیکم......'' اس نے پھر بھی جھٹ سے سلام کیا۔

''وعلیکم سلام، بیٹا خوش رہو جیتی رہو، کیا نام ہے بیٹا تمہارا......؟'' انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا گویا وہ بھی اتباع کو نہیں جانتی تھی۔

''اتباع'' اس نے آہستگی سے اپنا نام بتایا۔

''ماشاء اللہ، بیٹا! آپ کی طرح آپ کا نام بھی بہت پیارا ہے......'' ان کے پرستائش انداز پر وہ جھینپ سی گئی۔

''بیٹا! آپ کی کہیں بات وات تو پکی نہیں ہوئی......؟'' بالآخر وہ اپنی اصل بات کی طرف آئیں۔

''آنٹی جی، ان کی نا صرف بات پکی ہو چکی ہے بلکہ یہ محترمہ میری بھابھی بھی ہیں اور دو پیارے پیارے بچوں کی مما جانی بھی......''

''ہیں! واقعی......؟'' ان خاتون نے سبرینہ کی بات پر حیرت سے منہ کھولے ہونٹوں پر انگلی ٹکائے اپنے سامنے کھڑی اتباع کے متوازن سراپے کو بغور دیکھا۔ جبکہ اتباع اپنے چہرے پر امڈ آنے والی مسکراہٹ کو چھپانے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی۔

''اوہ سوری بیٹا! معاف کرنا، دراصل میں اپنے بیٹے کے لئے رشتہ ڈھونڈ رہی ہو۔ انہیں دیکھا تو پہلی نظر میں ہی پسند آ گئی۔ ماشاء اللہ اتنی پیاری اور اسمارٹ سی ہے کہ کہیں سے بھی شادی شدہ اور دو بچوں کی مما نہیں لگتی......'' ان خاتون نے معذرت کی اور دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آگے بڑھ گئیں جبکہ ان کے جانے کے بعد وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

اتباع کے روپ کو دیکھ کر ہیزام بھی دیوانہ ہوا پھر رہا تھا۔ اس نے ان دونوں نند بھابھی کو جو یوں ہنستے مسکراتے دیکھا تو اس کے قدم بے ساختہ ان دونوں کی طرف بڑھے مگر تب تک حنظلہ کے رونے پر وہ سعدیہ بیگم کی طرف چل دی تھی۔ ہیزام سبرینہ کے قریب آیا تو اس نے جلدی سے پوچھا۔

''یہ تم دونوں کس بات پر اتنا کھلکھلا رہی تھیں......؟'' دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں پھنسائے وہ سبرینہ کے مقابل تھا۔

''ہاہاہا......وہ ہم بھابھی کے لئے آئے تازہ تازہ پرپوزل پر ہنس رہے تھے......'' سبرینہ نے ہنستے ہوئے ساری بات بتائی تو ہیزام کے چہرے پر بھی دبی دبی سی مسکراہٹ ابھری اور نگاہیں اتباع پر جو سعدیہ بیگم کی برابر والی چیئر پر رکھے اپنے بے بی بیگ میں سے فیڈر نکالے اب ان کی گود میں موجود حنظلہ کے منہ میں ڈال رہی تھی۔

اس کی نگاہیں اتباع کے سراپے میں ایسی الجھی تھیں کہ پلٹنے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں۔

''ہیزام! کیا پہلی بار اتباع کو اس روپ میں دیکھ رہے ہو......؟'' سبرینہ نے اس کی چوری پکڑتے ہوئے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''لگ تو یہی رہا ہے کہ آج کی دلہن وہی

ہے۔۔۔" جھینپ کر ہنستے ہوئے ہیزام نے بے ساختہ کہا۔

"تو یہ بات اسے بھی بتا کر آؤ، یا کہو تو میں بھیجوں اسے اِدھر۔۔۔؟" سبرینہ نے ہنستے ہوئے پوچھا

"نہیں یہ بات تو میں بعد میں آرام سے کہہ ہی دوں گا، آپ بس میری اور اتباع کی ایک اچھی سی پکچر تو کھینچ دیں۔۔۔" ہیزام نے سبرینہ کے ہاتھ میں پکڑے کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو سبرینہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پاس سے گزرتے ایک بچے کی مدد سے اتباع کو اپنی طرف بلایا۔ جبکہ ہیزام قدرے آگے ہو کر رخ موڑے کھڑا ہو گیا۔ جونہی اتباع اپنے ڈوپٹے میں ان کے کنگن کو نکالتے ہوئے ہیزام کے قریب سے گزرتی ہوئی سبرینہ آپی کی سمت بڑھی تبھی ہیزام نے مڑتے ہوئے آگے کو ہو کر اس کا ہاتھ پکڑے اپنی اور کھینچا تو وہ جو اس افتاد کے لئے تیار ہی نہ تھی۔ سٹپٹاتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی اور ٹھیک اسی وقت فلیش چمکا۔ سبرینہ نے یہ خوبصورت سا منظر کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

"ہائے اللہ، آپی! آپ نے اس پوز میں تصویر کیوں کھینچ لی۔۔۔؟" وہ قدرے روہانسی ہوئی۔

"کیونکہ یہ پوز تھا ہی اتنا شاندار و جاندار۔۔۔" سبرینہ نے شوخی سے کہا "ویسے تمہیں میں نے یہاں تصویر کھنچوانے کے لئے ہی بلوایا تھا، چلو اب جلدی سے اچھے اچھے دو تین پوز تو بناؤ۔۔۔" سبرینہ نے پاس سے گزرتے فوٹو گرافر کو کچھ ہدایتیں دیتے ہوئے ان دونوں کی طرف متوجہ کیا۔

اتباع کے نہ نہ کہنے کے باوجود فوٹو گرافر کی ہدایتوں اور ہیزام و سبرینہ کے اصرار پر اس نے بالآخر رضامندی دے ہی دی۔

"ویسے تو ابھی عاشقی للہ کا پوز بھی باقی رہتا ہے مگر خیر چلو وہ روم میں ہی بنوا لوں گا۔۔۔" ہیزام نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ شرم سے سرخ پڑتی اپنے ریڈ شرارے کو بھی مات دے گئی۔

ان کی واپسی خاصی رات کو ہوئی حنظلہ تو سو ہی چکا تھا۔ جبکہ حدیبہ اب بھی بند ہوتی پلکوں کے ساتھ اپنے دادا کی گود میں چڑھی بیٹھی تھی۔

"مما۔۔۔ دادو پاس۔۔۔" اس نے جونہی ہاتھ بڑھایا وہ اور دادا سے چمٹ گئی۔

"بیٹا! تم لوگ اپنے کمرے میں جاؤ، حدیبہ آج ہمارے ساتھ ہی سو جائے گی۔۔۔" سعدیہ بیگم نے حدیبہ کو یوں اپنے دادا سے چمٹا دیکھ کر اتباع سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی سوئے ہوئے حنظلہ کو اٹھائے ہیزام کے ہمراہ سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ وہ تقریباً آخری سیڑھی پہ تھا جب اسے اتباع کی آواز سنائی دی۔

"ہیزام سنیے۔۔۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا جو ابھی تک صرف دو ہی اسٹیپ چڑھ پائی تھی۔

"کیا ہوا جان؟" وہ گھبراتا ہوا سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا۔

"مجھ سے اس شرارے میں چڑھا نہیں جا رہا اوپر سے گود میں حنظلہ بھی ہے۔۔۔" اس نے بے بسی سے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ! کہو تو تمہیں گود میں اٹھا لوں۔۔۔؟" وہ معنی خیزی سے کہتا ہوا قدرے آگے کو آیا۔

"جی ضرور گود میں اٹھا لیں، مگر مجھے نہیں حنظلہ کو۔۔۔" اس نے حنظلہ کو ہیزام کی سمت بڑھاتے ہوئے اسے سونپا اور خود شرارے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے کھٹ کھٹ

سیڑھیاں چڑھ گئی جبکہ ہیزام بھی مسکراتا ہوا اوپر کی طرف بڑھا۔ روم میں داخل ہوتے ہیزام سے اس نے حظلہ کو لیا اور آہستگی سے کاٹ میں لٹا کر خود ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی پہلے اس نے اپنے بالوں میں پروئی کلیوں کو آہستگی سے نکال بالوں کا جوڑا بنایا اور پھر بار باری اپنی جیولری چوڑیاں وغیرہ اتارنے لگی۔

گلابی جاڑا جوبن پر تھا فضا میں رومان پرور خوشگواریت رچی بسی تھی۔ دو روایتی موسموں کے بیچ کا موسم بڑا سنسنی خیز اور کیف آور ہوتا ہے، جذبات میں نئی امنگ اور ہلچل سی پیدا کرتا ہے۔ دلوں کو گرماتا ہے اور جذبات کو اکساتا ہے، ایسے میں انسان عموماً بے اختیار ہو ہی جاتا ہے اور آج بھی ایسے ہی گلابی موسم کی رات تھی اور دلہن بنی اتباع اس کے سامنے۔ وہ اپنے بڑھتے قدموں کو نہ روک سکا۔

''تمہارا یہ قاتل روپ میری جان لینے کے درپے ہو رہا ہے اور دل بے باک سا ہو کر بہت کچھ کر گزرنے کو......'' وہ جو گردن جھکائے اپنی چوڑیوں کو اتارنے میں مگن تھی بالکل قریب سے یہ آواز اس کے پاس گونجی وہ نہایت چونک کر جونہی پلٹی ہیزام کو اپنے مقابل اور بے حد نزدیک کھڑا پایا اس افتاد پر اس کا جوڑا اکھل گیا۔ اس کے قدم ڈگمگائے اور خود کو بچانے کی سعی میں اس نے بے ساختہ ہی ہیزام کے کندھے کو مضبوطی سے پکڑا۔ ہیزام کی آنکھوں میں خماری سی چھانے لگی تھی۔ دل بے قابو سا بے قرار سا اس کی قربت پانے کے لیے ہمکنے لگا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس کی نازک مرمریں کمر کے گرد مضبوط سا حصار کھینچ دیا۔ سڈول جسم، صراحی دار گردن، کھنکتی چوڑیاں، گداز ہونٹوں پر ریڈ لپ اسٹک اور کمر کا گہرا خم...... جسے دیکھ کر ہیزام کا دل چاہا وہ اس خم میں ہی گم ہو جائے۔

''آج تو مجھے گستاخی کا مرتکب ہو ہی جانے دو، سمجھ نہیں آتا تمہارا یہ نوخیز حسن دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا ہے یا پھر میرا پیار......'' ہیزام کی آنکھوں میں محبت کا ایک جہاں آباد تھا ہیزام کی نگاہیں اسے اپنے مقناطیسی حصار میں جکڑ رہی تھیں۔ نگاہوں کی حدت سے اتباع کا چہرہ جل اٹھا۔ عجیب پراسرار قندیلیں تھیں جو اتباع کی روح کے اندر تک چراغاں سی کر رہی تھیں۔ ہیزام کا لہجہ محبت پاش لہجہ میں ایسا ہوتا کہ وقت کی سانسیں ہی تھم سی جاتیں جیسے کہ ابھی وقت سمٹ گیا تھا بالکل ویسے ہی جیسے اتباع ہیزام کی بانہوں میں سمٹ سی گئی تھی۔ ہیزام کچھ سوچنا کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا آج۔ اسے صرف یہ احساس تھا کہ اس کی محبت میں اس کے عشق میں روز بروز اس سے دوری پر رہتے ہوئے بھی کس قدر شدت سے اضافہ ہوا ہے۔

حسین سجی سنوری عورت بھی کسی شراب کی مانند ہوتی ہے جو اپنے حسن کے جلوؤں سے بہکاتی ہے جو چنچل شوخ اور عشق گر ہوتی ہے، جس کا قطرہ قطرہ ہر بار نئی اور انوکھی سی راحت دے جاتا ہے۔ جس کا ایک گھونٹ ہی اگلے گھونٹ کی طلب بڑھاتا ہے۔

ہیزام بھی اپنی بانہوں میں قید اسے حسین و دلفریب شراب میں کھو رہا تھا۔ اس کے حسن کے جلوؤں میں بہک رہا تھا، اس کی اداؤں پر فریفتہ ہو چلا تھا۔ جو شرمیلی مسکان سجائے آنکھیں موندھے اس کی بانہوں میں سمٹتی جا رہی تھی جس کی حسین قربت میں ہیزام بہکتا چلا گیا اور بیتتی رات کے ساتھ ساتھ وعدے ٹوٹتے چلے گئے۔

''کس چال سے تو نے باندھا ہے

میں بھول گیا سب وار پیا......"

✧✧✧

اُس کی آنکھ جونہی کھلی اور حواس بحال ہوئے تو گزری رات کی سبھی رعنائیاں، پوری جزئیات سمیت اس کے سامنے آٹھہری۔ اس نے ایک پل اپنے برابر میں سوئے ہیزام کو دیکھا اور اگلے ہی پل جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ افسوس اور صدمے کے ملے جلے تاثرات میں گھری بیٹھی تھی۔ ہیزام کی شدتیں، عیاں ہوتیں محبتیں، گزری رات کی وہ قربتیں، کسی دھوائیں کے مانند ہوا میں تحلیل ہونے لگی تھیں۔

وہ کچن میں ارزم کیلئے ناشتہ بنارہی تھی جبھی ہیزام کی وہاں آمد ہوئی وہ انگڑائی لیتا ہوا اتباع کی طرف آیا۔ جو آملیٹ کی پلیٹ لئے پلٹنے کو تھی کہ ہیزام سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"کیا مصیبت ہے......؟" ناگواری کی ایک تیز لہر نے اس کے چہرے کو سرخ کر دیا۔ اس نے حیرت سے اتباع کی اور دیکھا تھا جو ارزم کے سامنے آملیٹ رکھنے کے بعد اب پھر سے چولہے کی طرف مڑی چائے مگوں میں انڈیل رہی تھی۔

"خیریت تو ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟" اتباع کے تیوروں کو دیکھتے ہوئے اس نے تشویش سے پوچھا۔

"میری خیریت چھوڑیئے اور خاموشی سے ناشتہ کرلیں......" چائے کے بھرے دو مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اب وہ تیزی سے ہیزام کے لئے آملیٹ بنانے میں مصروف تھی عجلت سے کام کرتے اس کے ہاتھ اس کے اندرونی اضطراب کی ترجمانی کر رہے تھے۔ ماتھے پر سوچوں کا جال بچھائے وہ خاموشی سے ارزم کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

"بھیا! لگتا ہے آج موسم کافی ابر آلود ہے، ذرا دھیان سے......" ارزم نے ہیزام کے کان میں مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

"ہوں......" اس نے پر سوچ انداز میں ہنکار بھری اور اتباع کی اور دیکھا جو ماتھے پہ تیوری چڑھائے اب اس کے سامنے آملیٹ کی پلیٹ تقریباً پٹختے ہوئے مڑ رہی تھی۔ اس نے سرعت سے مڑتی ہوئی اتباع کی کلائی تھامی۔

"ہیزام......" وہ چیخی۔

"مجھے حنظلہ کے کپڑے بدلنے ہیں" وہ اس کا ہاتھ تقریباً جھٹکتی ہوئی تیزی سے کچن سے باہر نکل گئی۔ ارزم بھابھی کے بدلے انداز پر حیران تھا تو ہیزام پریشان، بمشکل ناشتہ نگلتے ہوئے وہ اپنے روم کی طرف بڑھا جہاں اتباع بچوں کے کپڑے سمیٹ کر ترتیب سے الماری میں رکھ رہی تھی وہ آگے کو آیا اور الماری میں کپڑے رکھنے کو بڑھا اتباع کا ہاتھ تھام لیا۔ اتباع نے ہیزام کی اور دیکھا بے اعتباری، غصہ، سرد مہری کے سارے رنگ اتباع کی آنکھوں میں جھلمل کر رہے تھے۔

"یہ کیا فضول حرکت ہے......؟" وہ سلگ سی گئی۔

"اپنی بیوی سے رومانس کا ایک طریقہ" لبوں پر مسکراہٹ سجائے اس نے پیار بھرے انداز سے کہا۔

"ہیزام کی بات پر اسے سہی معنوں میں آگ لگی تھی۔

الماری کے دونوں پٹ بند کرتے ہوئے وہ غصے سے اس کی جانب مڑی۔

"کل رات وعدے توڑ کر رومان کی بھڑاس نکال کر بھی آپ کو سکون نہیں ملا......؟" اس نے

غصے سے کہا۔
''اوہ سوری جانِ من! میں کیا کروں تمہیں دیکھتا ہوں تو میرا خود پر اختیار نہیں رہتا، میں بے بس سا ہو جاتا ہوں۔ جانتا ہوں تم سے میں نے ہی وعدہ کیا تھا اور کل میں نے ہی وہ وعدہ توڑا، مگر سچ پوچھو تو یہ اتنی بھی بڑی بات نہیں جس کا تم صبح سے ایشو بنا رہی ہو......'' ہیزام نے اس کے رویے کا اسے احساس دلانا چاہا۔
''تو گویا آپ کو افسوس بھی نہیں......؟''
''افسوس! کس بات کا......؟'' ہیزام نے حیرانگی سے اس کی سمت دیکھا۔
''ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری، آہنہ......'' غصے سے بھری اب وہ ہیزام کے سامنے سے ہٹی بیڈ پر بکھرے حنظلہ کے کھلونے سمیٹنے لگی جو وہ فیڈر پیتے ہوئے اپنے ہاتھ پاؤں سے پھیلائے اور مما پپا کا جھگڑا دیکھنے میں مگن تھا۔
''اتباع! میری جان اتنا غصہ کیوں۔ شوہر ہوں تمہارا کوئی غیر نہیں۔ کل محض اک وعدہ توڑا ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا......'' سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ اب اپنی صفائی دیتا بیڈ پر آ بیٹھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے دونوں شانوں سے تھاما۔
''دور رہیے مجھ سے......'' وہ ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کر گئی۔ ہیزام نے تحیر آمیز غیر یقینی سے اتباع کی اور دیکھا تھا اتباع کی اور بڑھے اس کے دونوں ہاتھ یونہی ہوا میں تھم سے گئے تھے۔ اک بھرپور سانس خارج کرتے ہوئے یکدم اتباع کو بھی اپنے رویے کی بدسلوکی کا اندازہ ہوا تھا۔
''کیا چاہتے ہیں......؟'' خاصی تاخیر سے وہ گویا ہوئی۔
''میں اور میرا دل تو صرف تمہیں چاہتا ہے جان۔ میں تو بس تم سے صلح چاہتا ہوں۔''
''میرا آپ سے ہرگز کوئی جھگڑا نہیں......'' اس نے بات نپٹانی چاہی اور حنظلہ کو گود میں اٹھائے کھڑی ہوئی۔
''اگر جھگڑا نہیں ہے تو پھر صبح سے یہ روکھا پھیکا، سرد سا اجنبیوں والا سلوک کیوں......؟'' وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
''کیونکہ...... کیونکہ...... آپ نے کل وعدہ توڑ دیا۔'' وہ روہانسی ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر بہنے لگے۔
''صرف مجھ پر ہی الزام تراشی نہ کرو۔ شوہر ہوں تمہارا تم سے کوئی زبردستی نہیں کی ہے تم خود گواہ ہو......'' دھیمے لہجے میں کہتا وہ اسے لاجواب کر گیا تھا۔ ہیزام نے ہاتھ آگے بڑھا کر حنظلہ کو اس کی گود سے لیا اور پھر بیڈ پر بیٹھا دیا۔ نتیجہ وہ احتجاج کرتا اپنا فرض سمجھتے ہوئے زور شور سے رونے لگا۔
''ہش۔ش۔ خاموش۔ پہلے تمہاری مما کو تو چپ کراؤں پھر تمہیں بھی چپ کروا لوں گا......'' وہ حنظلہ کو کہتا اتباع کی طرف مڑا جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔ اس نے آہستگی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو ہٹایا مسلسل رونے سے اس کا ناک سرخ ہونے لگا تھا۔
''اتباع میری جان! پلیز یوں رو کر خود کی اور میری جان مشکل میں مت ڈالو۔ تم جانتی ہو میں تو تمہیں کبھی روتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتا، کجا کہ اپنے عمل سے رلاؤں، پلیز میری جان......'' وہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کے آنسوؤں کو صاف کرتا اس کے دل پر لگے غصے کے قفل کھولنے لگا تھا۔
''اچھا آئندہ تم سے پوچھ کر ہی تمہارے

قریب آؤں گا......'' ہیزام نے اس قدر بے چارگی سے کہا کہ بے ساختہ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ہیزام نے شکرادا کیا اور اسے گلے لگانے کو آگے بڑھا۔

"May I" اور ساتھ ہی اجازت مانگی تو اتباع نے ہنستے ہوئے اس کے سینے پر مکا مارا اور جھٹ سے اس کے گلے لگ گئی۔ تبھی ہیزام کی نظر بیڈ پر لیٹے حنظلہ پر پڑی جو اب روتے روئے غڑغوں کرتا اپنے دونوں ہاتھوں کو وا کیے گویا گود میں آنے کو ہمک رہا تھا۔

''بیٹا! تم نے کوئی موقع جانے نہیں دینا چانس مارنے کا......'' اتباع جو اس کی بانہوں کا حلقہ توڑ کر اب حنظلہ کو گود میں اٹھا چکی تھی، ہیزام نے اتباع کے سینے سے لگے حنظلہ کو بے چارگی سے دیکھتے ہوئے کہا تو جواباً وہ بھی ہنس دیا۔

''یہ بھی میرا دیوانہ ہے، آپ کا بیٹا آپ سے بھی زیادہ تیز ہے۔'' اتباع نے اپنے سینے سے لگے حنظلہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے ممتا سے چور لہجے میں کہا۔

''ظاہر سی بات ہے آخر حنظلہ کی مما اور میری بیوی ہے ہی اتنی پیاری......'' ہیزام نے بھی محبت سے اتباع کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

ہمیں تم سا، نہ تمہیں ہم سا کوئی ملے گا
تم انمول ٹھہرے اور ہم نایاب......

✧ ✧ ✧

نو بیاہتا جوڑے کی دعوتیں شروع ہو چکی تھیں اور سب سے پہلی دعوت سبرینہ کے میکے میں ہی رکھی گئی تھی۔ نند کے سسرالیوں کی دعوت تھی تو کسی بھی قسم کی کمی بیشی کا امکان رہتا ہی نہیں تھا اس لئے وہ ان کے شایان شان تیاریاں کر رہی تھی تا کہ اکلوتی نند یا اس کے سسرالیوں میں سے کسی کو بھی شکایت کا کوئی موقع نہ ملے اور واقعی ایسا ہی ہوا دعوت کے اہتمام سے لے کر اختتام تک سب اتنا شاندار رہا کہ سب نے ہی سراہا، مگر صبح سے گھن چکر بنی اتباع جب کمرے میں لوٹی تو تھک کر بستر پر ڈھے سی گئی۔ صد شکر حدیبیہ تو سو چکی تھی جبکہ حنظلہ بھی بے بی کاٹ میں لیٹا بس غنودگی میں ہی تھا۔ تبھی ہیزام کی کمرے میں آمد ہوئی۔

''ہیزام پلیز ذرا حنظلہ کو فیڈ تو دے دیں......'' آنکھیں موندھے اس نے کہا۔

''ہیں فیڈ اور میں......؟'' وہ حیرت میں مبتلا ہوا۔

''اوہ سوری، آئی مین! یہیں ٹیبل پر اس کا فیڈر رکھا ہے ذرا اسے پکڑا دیں وہ پیتے پیتے سو جائے گا......'' اتباع کی ہدایت پر ہیزام نے پہلے ٹیبل پر رکھا فیڈر اٹھایا اور پھر اس کا کیپ ہٹا کر بے بی کاٹ میں لیٹے نیند میں جاتے حنظلہ کے منہ میں دے دیا جسے بند آنکھوں سے ہی حنظلہ نے تھام لیا تھا۔

''بہت مصروف دن رہا نا آج؟'' ہیزام اب اس کے برابر ہی تکیے کو بیڈ کراؤن سے لگائے خود اس سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا۔

''ہاں بہت ہی ٹف ڈے تھا......'' اپنے دکھتے سر کو دائیں ہاتھ سے دباتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا تبھی ہیزام نے آگے کو ہو کر اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی و انگوٹھے سے کنپٹیوں کو ہولے ہولے دبانے لگا۔

''بہت تھک گئی ہے نا میری جان؟ اتنی نازک سی اکیلی جان اور اتنے ڈھیڑوں کام......'' ہولے ہولے سے سر دباتے ہوئے اس نے اپنائیت سے کہا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس، اس کا اپنائیت بھرا انداز، اس کا یوں پروا کرنا، اتباع کی

کے کئے گئے کاموں کو خلوص نیت سے سراہے، اپنائیت جتائے، اس کی فکر و پروا کرے، تو بیوی کی تو ساری تھکن یونہی ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ وہ دن بھر کی مصروفیت، اکتاہٹ، تھکن، پریشانی سب بھول جاتی ہے۔ یاد رہتا ہے تو صرف وصرف شوہر کا ساتھ، اس کا دلجوئی کرنے کا انداز......!

اتباع بھی اپنی تھکن بھول اپنے محبت کرنے والے شوہر کی جادوئی انگلیوں کا لمس، اپنی پیشانی پر محسوس کرتی ناجانے کب نیند کی وادیوں میں اتر چلی۔

حسنین نے بالکل ٹھیک کہا تھا، عورت کے کئی روپ، کئی کردار کئی رشتے ہوتے ہیں جسے وہ بخوبی اعتدال سے نبھاتی ہے اور بدلے میں صرف وصرف توجہ محبت، اپنائیت وعزت ہی چاہتی ہے...... ہیزام نے اپنی گود میں سر رکھے سوئی ہوئی اتباع کی پیشانی کو جھک کر چوما اور آہستگی سے اس کا سر تکیے پر رکھے وہ خود بھی اس کے برابر میں ہی لیٹ گیا۔

"چلو تمہیں
اس جہاں سے کہیں دور
عشق نگری میں لے چلوں
جہاں صرف چاہتوں کی بارش ہو
محبتوں کا نزول ہو......"

✦✦✦

"کتنی عجیب بات ہے میں نے زندگی میں کبھی تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، باوجود اس کے تمہاری آنکھیں ہمیشہ نم رہیں جسے تم نے ہمیشہ بخوبی چھپایا، دل کے اندر پھیلا غم آنکھوں میں نم بن کر پھیلا تھا مگر تمہارے ہونٹوں پہ ہمہ وقت مسکراہٹ سجی رہتی تھی افسردہ سی

دل سے ایک آہ سی نکلی تھی اور آنکھ سے آنسو۔

"ایسا لگتا ہے جیسے جاتے جاتے تم نے اپنے سب اندر چھپے آنسوؤں کو آسمان کو دان کر دیا ہو مگر یہ سوچے بغیر کہ ان آنسوؤں کی اصل زمین تو کب سے سیراب ہونے کے لئے منتظر ہے، اپنے جذبوں کے بنجر پن کے ساتھ دنیا کے لئے تو یہ شفاف پانی کے قطرے ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ یہ تمہارے وہ آنسو ہیں جنہیں تم نے ہمیشہ خود میں سموئے رکھا......"

اپنی ہتھیلی کو پھیلائے وہ برستی بارش کے قطرے قید کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر ہر بار ناکام ہو رہی تھی۔ اسے بارشوں سے عشق تھا۔ ننگے پاؤں بارش میں چلنا اور گھنٹوں بارش میں بھیگنا اس کا جنون تھا اور مجھے بارش میں خاموشی سے منہ لپیٹے لحاف میں گھسے سونا یا پھر کافی پینا، ہم دونوں کے شوق نظریات اور باتیں سب ہی تو مختلف تھیں مگر اک چیز مشترک تھی اور وہ تھی محبت۔ جب محبت تھی بن جائے تو بھلا کیا محبت رہتی ہے......؟ وہ خود سے الجھی رہی تھی۔

باہر بارش برس رہی تھی اور اندر اس کی آنکھوں سے اور واقعی کبھی کبھی بارشیں بھی اذیت دیتی ہیں۔

چاہے آنکھوں سے برسیں یا آسمان سے۔
آج بھی بارش خوش ہوئی
اور بادل ٹوٹ کر برسا تھا
گلیاں کوچے جل تھل تھے
پر سوچ کا صحرا پیاسا تھا
بند دروازوں کے شیشوں پر
جب بوندیں دستک دیتی تھیں
احساس ہوا،

تم آئے ہو،
انداز تمہارے جیسا تھا......

✧✧✧

''ہیزام اٹھیئے نا......'' وہ کب سے ہیزام کو آواز دے دے کر تھک گئی تھی مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہ لیتا۔ ناشتہ بنانے بچے کے کام نبھائے بھی اسے کافی دیر ہوگئی تھی مگر ہیزام کی صبح اب تک نہ ہوئی تھی۔ اس نے پہلے حدیبیہ کو نہلا کر تیار کیا اور پھر حنظلہ کو گود میں اٹھائے واش روم کی طرف بڑھی تا کہ اسے بھی نہلا دھلا کر تیار کر سکے۔

''گڑیا بیٹا! اپنے پاپا کو اٹھاؤ انہیں بولو اٹھیں اور نائی نائی کر لیں......'' حنظلہ کے ننھے ننھے بالوں میں شیمپو لگاتے ہوئے اس نے حدیبیہ سے کہا تو وہ کسی ربوٹ کی طرح بیڈ کی طرف بڑھی۔ اتباع نے واش روم کے کھلے دروازے سے مڑ کر حدیبیہ کو جاتے دیکھا تو قدرے مطمئن ہوگئی۔

''اب یہ ہیزام کو اٹھا کر ہی دم لے گی۔'' اس نے خود کلامی کے انداز سے کہتے ہوئے جونہی باتھ ٹب کی طرف چہرہ موڑا تو شدت سے دل چاہا چیخنے کا کیونکہ حنظلہ نے باتھ ٹب میں نا صرف شیمپو کی بوتل گرا دی تھی بلکہ اب ہاتھ پاؤں کسی سائیکل کی مانند چلاتے ہوئے وہ بننے والے ببل سے کھیلتا ہوا خوش ہو رہا تھا۔

''مجال ہے جو تم دونوں باپ بیٹے مجھے تنگ کرنے کا کوئی بھی موقع جانے دو۔'' شاور کھولے حنظلہ کو نہلاتے ہوئے اس نے زچ ہوتے ہوئے کہا اور پھر اسے ٹاول میں لپیٹے وہ باہر نکلی تو بے ساختہ ہی چہرے پر مسکراہٹ اُمڈ آئی۔ ڈیڑھ سالہ حدیبیہ بیڈ پر چڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اس نے آگے بڑھ کر حنظلہ کو بیڈ کے بیچوں بیچ رکھا کیونکہ اب محترم کرولنگ کرتے یہاں سے وہاں پہنچنے کی جلدی میں ہوتے تھے۔ اور ساتھ ہی حدیبیہ کو اٹھا کر سوئے ہیزام کے برابر میں بٹھایا۔

''پاتا...... پاتا......'' حدیبیہ نے چڑھتے ہی آوازیں لگانا شروع کر دیں اور اب ہیزام کے سر سے بلینکٹ کھینچنے میں لگی ہوئی تھی۔

''نائی...... پاتا...... نائی نائی......'' ساتھ ساتھ وہ بولے بھی جا رہی تھی۔

''اُف صبح صبح اسے نائی کیوں یاد آیا ہے؟ اتباع اسے ہٹاؤ یار......'' ہیزام نے جھنجھلاتے ہوئے پھر سے سر پر بلینکٹ تانی۔

''یہ وہ والا نائی نہیں بلکہ نہانے والا نائی کہہ رہی ہے۔ ہیزام اب اٹھ بھی جائیں بہت صائم ہو گیا ہے......'' حنظلہ کو پیمپر باندھے ہوئے اتباع نے کہا مگر دو سیکنڈ بعد کمرے میں پھر سے ہیزام کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے تھے۔ اب کی بار اپنے پاپا کو اٹھانے کے لئے حدیبیہ نے اپنی زبان کا نہیں بلکہ ہاتھوں کا سہارا لیا اور بلینکٹ میں سے نظر آتے ہیزام کے بالوں کو مٹھی میں جکڑے کھینچا۔ اس نے ہڑبڑا کر اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کے ساتھ ہی اپنا دایاں ہاتھ گھمایا اور حدیبیہ کو پڑے دھکیلا وہ اس دھکے کے لئے تیار نہ تھی۔ بیڈ پر ہی لڑھک گئی۔

''ہیزام......'' اتباع اس کی اس حرکت پر تیزی سے چلاتی ہوئی ذرا آگے کو ہوئی اور ہاتھ بڑھا کر اپنی سہمی ہوئی گڑیا کو گود میں بٹھا لیا جو اب منہ بسورے رونا شروع ہو گئی تھی۔ ہیزام کی نیند بھی اتباع کے یوں چلانے پر ہوا ہو گئی وہ بھی لیٹے سے اٹھ بیٹھا اور اپنی سرخ پڑتی آنکھیں کھول غصے سے بھری اتباع اور منہ بسورے روتی حدیبیہ پر ڈالی۔ ہیزام کو اٹھتے دیکھ حدیبیہ نے تیزی سے ماں کی گود میں منہ چھپا لیا۔

”ہیزام آپ لاپرواہ ہیں مان لیا، آپ بچوں سے گھلنا ملنا نہیں چاہتے یہ بھی جان لیا مگر اس کا یہ مطلب نہیں اب آپ بچوں سے ایسا سلوک کریں.....“ حدیبیہ کے بالوں کو سہلاتے اور چپ کرواتے ہوئے اس نے انتہائی غصے سے کہا۔

”اوہ سوری یار! دراصل میں نیند میں تھا پتہ ہی نہیں چلا.....“ اپنے سر کو کھجاتے ہوئے ہیزام نے احساس ندامت سے کہا۔

”نیند میں کوئی اتنا لاپرواہ اور اردگرد سے بیگانہ نہیں ہو جاتا۔ اپنی حرکت کے بعد حالت دیکھیے گڑیا کی، کتنا سہم گئی ہے خدانخواستہ اپنی نیند کے نشے میں اگر آپ کا ہاتھ اور زیادہ تیزی سے اسے دھکیلتا تو یہ نیچے بھی گر سکتی تھی.....“ اپنی آغوش میں حدیبیہ کو سمیٹے وہ صحیح معنی میں ہیزام پر غصہ ہو رہی تھی۔

”اچھا بابا سوری..... گڑیا ادھر آؤ پاپا کے پاس.....“ ہیزام نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے اپنے پاس بلایا مگر وہ مزید اتباع کی گود میں سمٹ گئی۔ تبھی ٹانگوں سے سائیکل چلاتے حنظلہ نے دونوں ہاتھ وا کیئے گویا وہ اپنے پاپا کی گود میں آنا چاہتا تھا۔

”چل ہٹ گندا بچہ۔ ننگا بچہ، شیم شیم.....“ ہیزام نے منہ بناتے ہوئے مصنوعی غصہ دکھایا اور اب اگلے ہی پل کمرے میں حنظلہ کے رونے کی آواز گونجنے لگی تھی۔

”اف! ہیزام“ آپ کو بس بچے پیدا کرنے آتے ہیں انہیں سنبھالنا نہیں.....“ وہ زچ ہوتی تیزی سے کہہ تو گئی مگر اگلے ہی پل زبان دانتوں میں دبالی۔

”شکر کرو، بچے بھی تو پیدا کرنے آتے ہیں وہ بھی اتنے اچھے.....“ ہیزام کی بات پر وہ سٹپٹاتے ہوئے اب روتے ہوئے حنظلہ کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

✧✧✧

اتباع کا خیال تھا کہ پچھلے کچھ دن جو مصروفیت بھرے گزرے۔ سبرینہ آپی کی نند کی شادی، ان کی دعوت پھر مہمانوں کی آمد ان سب مصروفیات بھرے دنوں کا اب اختتام ہوگیا ہے مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ حنظلہ کے دانت نکل رہے تھے اور ساتھ ہی انفکشن بھی ہوگیا تھا سینے میں زکام، ناک بند، سینہ جام اور بخار نے اس ننھے بچے پر بھی چڑچڑاہٹ طاری کر دی تھی۔ ہر وقت بس ریں ریں کرتے ہوئے اتباع کی گود یا کندھے سے جڑا رہتا۔ پہلے بھی وہ کسی سے ہلا ہوا نہ تھا اور اب تو طبیعت خرابی کے باعث مزید نہ کسی کے پاس جاتا اور نہ ہی سنبھلتا۔ ہیزام حنظلہ کو لیے چلڈرن ڈاکٹر کے پاس چیک اپ بھی کروا آیا تھا مگر ابھی تک ان دواؤں کا اثر نہیں ہوا تھا۔ بات بنا بات روتے حنظلہ کو کبھی چپ کرواتے کبھی بہلاتے، کندھے سے لگائے دیگر کام نبٹاتے وہ خود بھی تھکن سے نڈھال ہو چکی تھی۔ رات بھر اسے گود میں اٹھائے رات بھر جاگ جاگ کر اب اتباع کی خود کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ جسم بخار سے تپ رہا تھا تو چہرہ بالکل پیلا پڑ چکا تھا۔ بالآخر تھک کر جب بے دم ہونے لگی تو سعدیہ بیگم کے کہنے پر ہی اس نے ہیزام کے ہمراہ ہسپتال کا رخ کیا تا کہ حنظلہ کے ساتھ ساتھ اپنی خرابی طبیعت کی بھی دوائی لے آئے حنظلہ کو انجکشن لگانے کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے اتباع کو بغور چیک کرنے کے بعد اس کی پیلی پڑتی رنگت کو دیکھ کر ایک دو ٹیسٹ لکھ دیئے جسے کرواتے ہوئے اتباع بالکل لاعلم تھی کہ ان کی رپورٹ کون سی خبر چھپائے اس کی منتظر

ہے۔

''شی از پریگنٹ......'' اس ایک جملے کے بعد اسے کچھ اور سنائی ہی نہ دیا آنسو پھندا بن کر گلے میں اٹکے اور وہ فق چہرہ لئے اپنے برابر میں بیٹھے ہیزام کو خالی خالی نظروں سے دیکھا جو مدھم سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ڈاکٹر کی ہدایتیں سن رہا تھا۔

''ٹو ویک پریگنینسی ہے، آپ اپنے اس آٹھ ماہ کے بے بی کی فیڈ بھی اب چھڑوا دیں۔ فریش جوسز اور دودھ وغیرہ کا استعمال لازمی کریں کیونکہ ویکنس بھی ہے تو ڈائیٹ کا خاص خیال رکھیئے گا......'' ہدایت نامہ سے لے کر ملٹی وٹامنز کی Suggestion تک اتباع بہری بنی وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہ تھی۔

واپسی کا راستہ بھی خاموشی کی نظر ہوا۔

''بیٹا! سب خیریت تو ہے......؟'' سعدیہ بیگم نے پریشان سے پوچھا۔ کیونکہ جاتے وقت تو اتباع کا چہرہ کمزوری وطبیعت خرابی کے باعث پیلا تھا ہی مگر اب واپسی میں اس کے چہرے پر عجیب سی یاسیت وزردیاں گھلی ہوئیں تھیں۔ بنا رکے، بنا کچھ کہے وہ حنظلہ کو لئے اوپر کی جانب بڑھ گئی۔

سعدیہ بیگم نے حیرت سے پہلے جاتی ہوئی اتباع کی پشت کو اور پھر ہیزام کی سمت دیکھا۔

''بیٹا! کیا بات ہے؟ ڈاکٹر نے کیا کہا؟ سب خیریت تو ہے نا......؟'' انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

''ارے امی ڈونٹ وری'' سب خیریت ہی خیریت ہے۔ آپ پھر سے دادی بننے والی ہیں......'' مسکراہٹ سجائے اس نے خبر سنائی۔

''ماشاء اللہ! شکر ہے مالک کا، یہ تو بہت اچھی خبر ہے، مگر اتباع کا موڈ مجھے کچھ عجیب سا لگا......''

''نہیں امی! ایسا کچھ نہیں، دراصل اتنی اچانک یہ خبر ملی نا تو بس وہ ابھی تک شاکڈ ہے......'' اس نے اپنی امی کو مطمئن کرنا چاہا۔

''ویسے اس خبر پر تو آج آپ کے ہاتھ کا کچھ میٹھا ہو جائے، میں ذرا اتباع کو دیکھ کر آتا ہوں......'' ہیزام نے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرتے ہوئے بات کا رخ بدلا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اوپر کی جانب بڑھا۔ ابھی تو صرف ماں کو ہی مطمئن کیا تھا مگر ابھی ایک اور جنگ لڑنا تھی اور پیار سے جتنا تھی۔

✧✧✧

ہیزام جب کمرے میں داخل ہوا تو اس کے گم صم بیٹھا پایا گویا وہ کسی گہرے صدمے کے زیر اثر ہو۔

''اتباع! میری جان، میں جانتا ہوں تم ابھی اس نیوز کے لئے تیار نہیں تھی، مگر دیکھو ہم کتنے لکی ہیں کہ اللہ ہمیں اس نعمت سے نوازے ہی جا رہا ہے لیکن اگر تم پھر بھی خود کو ابھی اس ذمہ داری کے لئے تیار نہیں سمجھتی تو ہم ابارشن کروا لیتے ہیں......'' ہیزام کی بات پر ایک کاٹ بھری نظر اتباع نے اس پر ڈالی۔ کتنی آسانی سے اس نے ابارشن کا کہہ دیا تھا گویا معمولی سی بات ہو۔

''جب آج تک میں نے اپنی کسی بھی ذمہ داری سے منہ نہیں موڑا تو اب کیوں کر میں کفرانِ نعمت کروں گی......؟ اور ہاں ابارشن کا لفظ تو آپ اپنی زبان سے ادا نہ ہی کریں تو بہتر ہی ہوگا......'' اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہتے ہوئے نظریں سامنے دیوار پر ٹکائے آنے والے مشکلوں لمحوں کا تصور کرنے لگی۔

''تو پھر میری جان یوں پریشان مت ہو، ہم سب مل کر بچوں کو سنبھال لیں گے۔ میں ہوں

نا...... تمہارے ساتھ......'' اتباع کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اپنے ہی انداز میں اس کی دلجوئی کر رہا تھا مگر اتباع بھلا اب ان بہلاوؤں سے کاں سنبھلنے والی تھی اس کے اندر توڑ پھوڑ سی شروع ہوگئی تھی۔

''اداسی کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا
یہ پانی کی طرح ہر ایک سانچے
اور ہر اک دل میں اتر کر
ناک نقش ڈھونڈ لیتی ہے
یہ آنکھوں میں اتر کر جھیل بنتی ہے
اداسی کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا
یہ سینے میں اتر کر دل
لرزتی سانس پہ سل
اور
لبوں پر دیر سے ٹھہرے ہوئے الفاظ بن کر
دکھ کی تصویریں بنائی لوٹ جاتی ہے
اداس کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا
اداسی تو مصور ہے
جو نور چہرے بنائی ہے......''

✦✦✦

کٹاؤ دار بھرے بھرے ہونٹوں پر لپ اسٹک برش پھیرتے ہوئے اس نے آخری بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ نیٹ کے دھانی رنگ کے خوبصورت سے سوٹ میں اس کی سرخ وسپید رنگت اور نازک سا سراپا کھل رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں نازک سا برسلیٹ اور دوسرے ہاتھ میں گرین کامدانی چوڑیاں سجی ہوئی تھی۔ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس نے بالوں کو آگے کی طرف کیا اور ایک بار پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔ کانوں میں گولڈ کے چھوٹے ٹاپس اور گلے میں نازک سا لاکٹ تھا غلافی آنکھوں میں سجا کاجل انہیں مزید قابل بنا رہا تھا۔

آج یہ سب اہتمام اس لئے تھا کیونکہ آج اس کی کولیگ بھائی کا ولیمہ تھا اور اس کے دھمکی آمیز پُر زور اصرار پر کافی وقت بعد وہ یوں تیار ہوئی تھی تبھی اس کا سیل فون بج اٹھا اس کولیگ شاہینہ کی ہی کال تھی اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹھائی۔

''کہاں ہو تم......''

''گھر......'' اس نے مختصر کہا

''تو تم اپنی ضد پر اڑی رہی۔ میرا اصرار میری بات، میری التجا کوئی بھی تمہارے لئے معنی نہیں رکھتی......'' شاہینہ نے ناراضگی بھرے لہجے میں کہا۔

''ارے یار، خفا تو مت ہو میں تیار ہوں بس کچھ دیر میں نکلنے والی ہوں......'' اس نے تسلی دی۔

''بس بس، رہنے دو محترمہ یہ بہانے کہیں اور کرنا کچھ دیر بعد کہوں گی کہ ٹریفک میں پھنسی ہوئی ہوں......'' وہ ہنوز خفا تھی

''میں سچ کہہ رہی ہوں یار، میں ریڈی ہوں بس کچھ دیر میں نکلوں گی......'' ''اچھا اگر تم واقعی سچ کہہ رہی ہو تو ذرا ویڈیو کال پر آنا......'' آگے سے کہا گیا اور ساتھ ہی کال کٹ کر کے کچھ سیکنڈ کے توقف سے ویڈیو کال کا آپشن بلنک کرنے لگا تھا۔

''دیکھ لو اب خوش......'' وہ ویڈیو کال اینڈ کیئے اب اسے اپنی تیاری دکھا رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ! تم اتنی حسین ہو مجھے تو پتہ ہی نہ تھا۔'' شاہینہ حیرت سے بولی تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

''بھائی نے اگر پسند کی شادی نہ کرنی ہوتی تو میں سچ میں تمہیں اپنے بھائی کی دلہن بناتی......'' شاہینہ روانی میں کیا کہہ گئی تھی اس کا

اندازہ اس وقت اسے خود بھی نہ تھا۔

''چلو اب جلدی سے یہاں پہنچو، میں ویٹ کر رہی ہوں......'' لائن کٹ چکی تھی مگر وہ اب بھی بت بنی آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

''تم کتنی حسین ہو یہ کبھی میری آنکھوں سے دیکھو تو تمہیں اندازہ ہو۔ تمہارا سجا سنورا یہ قاتلانہ روپ میرے دل پر بجلیاں سی گراتا ہے، میری محبت کے خمار میں تو تم دن بدن نکھرتی جا رہی ہو......'' الفاظ تھے یا ہتھوڑے جو اس کے دل و دماغ پر برس رہے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں سر کو تھامے وہ وہیں پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے زار و قطار رونے لگی۔

تیرے عشق کی پڑگئی مار پیا
میں روئی زار زار پیا!

✧✧✧

کون دیکھے گا، وہ سلگتے ہوئے آنسو
جو تکیوں کے غلافوں میں جذب ہو جاتے ہیں

اتباع کی امی کی بھی کال آئی تو خفا خفا سے لہجے میں انہوں نے اسے لپیٹے میں لیا۔

''تم بس گھر گھر ہستی کرنا، شوہر پرستی کرنا اور بچے پالنا۔ اس کے علاوہ تمہاری زندگی کا اب اور کوئی مقصد رہا ہی نہیں......'' وہ تو اتباع تھی ٹاپر اور گولڈ میڈلسٹ لڑکی جو یونی کے ٹیچرز سے لے کر اسٹوڈنٹ تک میں مقبول تھی جو چاہے کسی بھی موضوع پر Debate کرے اپنے الفاظوں سے سامنے والوں کے دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ چلتی پھرتی لائبریری تھی جس کے پاس ہر Topic کی انفارمیشن ہوتی شارپ مائنڈ اتباع کو دیکھ کر اسے برائٹ و Successful فیوچر کی یقین دہانی کرنے والے اگر آج اسے یہاں اس حال میں دیکھ لیتے تو شاکڈ ہی رہ جاتے۔ وہ کیا تھی مگر کیا بن کر رہ گئی تھی......

وقت سبک رفتاری سے گزرتا رہا یوں تو سب معمول پر ہی لگتا مگر اتباع کے دل کے آئینے میں دراڑ سی آگئی تھی۔ وہ ناتمام ادھوری سی حسرتیں ایک کسک، ایک خلش بن کر اس کے دل میں چبھنے سی لگی تھیں۔ اس کے اندر مدھم مدھم سا الاؤ جلنے لگا تھا۔ جسے سب سے چھپائے، وہ اندر ہی اندر اس کی تپش میں جھلس رہی تھی وہ خود کو بے بس سا محسوس کرتی وہ حد درجہ مضطرب و بے چین تھی مگر اسے کوئی سدباب نظر ہی نہ آتا۔

زندگی میں بعض اوقات ایسے کٹھن لمحات بھی آتے ہیں۔

جب زندہ ہوتے ہوئے بھی ایسا لگتا ہے جیسے سانسیں رک سی گئی ہوں، ساکت سی ہو گئی ہوں اور دل نے جینے کی امنگ چھوڑ دھڑکنا بند کر دیا ہو۔ زندگی کے ایسے لمحات جاں گسل ہوتے ہیں جسے چاہ کر بھی نا کسی سے شیئر کیا جا سکتا ہے نہ لفظوں میں بیاں، بس جیتے جی مردہ بنے جینا ہی پڑتا ہے وہ بھی جیئے جا رہی تھی۔

تو روگ ہے اندر پلتا ہے
میں ازلوں سے بیمار پیا!

✧✧✧

''ہائے ہائے آجکل کے بچے تو بہت جذباتی ہیں......''

''ارے تمہارا تو چھوٹا بیٹا ابھی سال کا ہوا ہے......''

''بھئی سعدیہ، تمہارے گھر تو بچوں کی خوب ریل پیل لگی ہے......''

''لگتا ہے اتباع! پیا من کچھ زیادہ ہی بھا گئی ہے......''

ایسے ہی کئی جملے مختلف لوگوں سے مختلف

سجائے اپنے وجود کے حصے کو نو ماہ تک اپنی کوکھ میں سینچے، اپنے دل میں اٹھتے طوفانوں پر پہرہ بٹھائے وہ دن بھی آ ہی چلا جب اتباع نے زندگی اور موت کی کشمکش سے نبرد آزما ہو کر آنکھیں کھولیں تو اپنے پہلو میں ایک نہیں بلکہ دو ننھے منھے معصوم سے وجودوں کو دیکھ خوشی حیرت کی ملی جلی کیفیت سے دوچار ہوئی تھی۔

''بیٹا! بہت بہت مبارک ہو، ہمارے خاندان میں پہلی بار جڑواں بچوں کا جنم ہوا ہے۔'' سعدیہ بیگم نے خوشی سے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا ایسی ہی خوشی کے رنگ سبرینہ ہیزام اور ارزم کے چہرے پر بھی سجے تھے۔

''یہ گڈا تو میں لوں گی......'' سبرینہ نے اس کے پہلو میں لیٹے ایک وجود کو بانہوں میں بھرا۔

''اور یہ گڈا ہمارا کیوں گڑیا......؟''

ارزم نے بھی بے خبر سوئے ننھے وجود کو گود میں بھرا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر حدیبیہ کے سامنے کیا جو اچک اچک کر ان گڈوں کو دیکھنا چاہ رہی تھی جو اس کی مما کے پہلو میں لیٹے تھے۔

''جو...... جو...... بھا......'' (دو، دو بھائی) حدیبیہ نے باری باری ارزم اور سبرینہ کی گود میں موجود بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو سب ہی خوشگواریت سے مسکرا دیئے۔

''آپ کے خاندان میں تو یقیناً یہ پہلی بار ہوا ہے مگر میرے لئے تو یہ پہلی بار نہیں، اوپر تلے کے ہونے والے دونوں بچوں کو سنبھالنا و پالنا بھی تو جڑواں بچوں سے کم نہیں ہوتا......'' اتباع نے اک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے بچوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اوپر تلے کے دونوں بچوں کے بعد اب یہ جڑواں بچے جن کا نام ان کی دادی اور پھوپھو

نے بھی اتباع کو تختہ مشق بنا دیا۔ ایک روتا تو دوسرا بھی فوراً رو دیتا، کبھی ایک کو بھوک لگتی تو کبھی دوسرا بھوک سے بلکتا، اوپر سے حنظلہ الگ تنگ کیے رہتا وہ تو شروع سے ہی اتباع کا عادی تھا اور اب یوں ماں کی آغوش و گود کے بٹوارے پر چڑچڑا بنا ہمہ وقت تنگ کرتا۔ الغرض اپنے چاروں بچوں کی ناز برداریاں اور سسرال کی ذمہ داریاں نبھاتے نبھاتے اتباع اپنا آپ کہیں پیچھے، بہت پیچھے چھوڑتی چلی گئی۔

ابھی بھی وہ خود کو آئینے کے اس پار تلاش کر رہی تھی۔ جدید تراش خراش کے اسٹائلش ڈریسز پہن، بالوں کے ہمہ وقت نت نئے اسٹائل بنائے ایک ہاتھ میں اپنا لکی چارم بریسلیٹ جس میں چھوٹی چھوٹی کئی گھنٹیاں سی بنی ہوئی تھی اور ان کے بیچوں بیچ لٹکتا نازک سا دل جبکہ دوسرے ہاتھ میں واچ پہنے رکھنے والی اتباع، اب لان کے سوٹ میں بالوں کو ہیئر بینڈ میں قید کیے، سونی کلائیوں کے ہمراہ عام سے گھریلو حلیئے میں تھی۔

''کیا یہ واقعی میں ہی ہوں......؟'' وہ خود سے ہمکلام تھی آئینے میں نظر آتا وجود و حلیہ تو اس اتباع سے مکمل متضاد تھا جسے وہ جانتی تھی۔ وہ تو پوری کی پوری بچوں کی خاطر ان کی پسند میں ڈھلتی جا رہی تھی۔ خود کی پسند تو پتا نہیں کہاں گم ہو چلی تھی۔ حاذق اور حذیفہ کو اٹھانے میں کہیں ڈریسز میں لگے کوئی موتی یا نگ انہیں چبھ نا جائیں اسی خیال سے اس نے تمام ہیوی ڈریسز پہننے چھوڑ دیئے، اپنا لکی چارم بریسلیٹ جو وہ ہمہ وقت پہنے رکھتی تھی اس کی لٹکتی گھنٹیاں حدیبیہ کو لگ جائیں اس ڈر کے پیشِ نظر اتباع نے وہ باکس میں بند کر کے رکھ دیا، حنظلہ کو نا معلوم کیوں

اپنی تمام چوڑیوں و جھمکوں سے اگر بی بی جب
بھی اتباع پہنتی حظلہ انہیں کھینچ کھانچ کر یا تو
اتار دیتا یا اتارنے کی کوشش کرتا ناچار اس نے
خود ہی پہننا چھوڑ دیا۔ انہیں جیولری باکس میں
ہی سجا دیا۔

وہ تو محض نام کی ہی اتباع بن کر رہ گئی تھی۔

موت سے کب مرنے والے تھے
ہم تو وہ ہیں جو محبت میں مارے گئے

◆◆◆

''کبھی رگوں میں زہر اتار لیا
کبھی لبوں کے پیچھے مار لیا
اس ڈر سے کہ درد کی شدت سے
کہیں نکل نہ جائے آہ پیا
میرا شام سلونا شاہ پیا
ہمیں مار گئی تیری چاہ پیا!''

زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر رواں دواں تھی ہی مگر وہ اندر ہی اندر جلتی، کڑھتی، سلگتی اپنی ذمہ داریاں نبھاتی جا رہی تھی، مگر لاشعوری طور پر اب ہیزام سے دور بھاگنے لگی تھی۔ وہ یونہی قریب آتا بھی تو اتباع کا ٹھنڈا بے لچک سا لہجہ اسے اتباع کی قربت سے محروم ہی رکھتا۔ ناجانے کیوں وہ اب ہیزام کی قربت، اس کے وجود سے خائف رہنے لگی تھی۔ محبت کا پنچھی اڑ کر کہیں دور جا بسا تھا۔ وہ کبھی باتوں سے پیار جتاتا یا جو کبھی پیار سے اس کی سمت دیکھتا بھی تو اسے ہیزام کی مسکراہٹ میں بھی خود غرضی و مطلب پرستی اور طلب ہی دیکھتی۔ وہ ہر احساسات سے عادی ہونے لگی تھی۔ اتباع کے اندر اٹھتا دھواں بھانبڑ بن گیا تھا، اس کا وجود سوکھی لکڑی کی طرح تڑخنے لگا تھا۔

وہ دبے پاؤں کمرے میں آیا تو اتباع بیڈ پر بالکل بے تکلف ہو کر بے خبر سو رہی تھی وہ اسے قدر گہری نیند سو رہی تھی کہ اسے اس کی آمد کی خبر تک نہ ہو سکی۔ اتباع آج بھی اتنی ہی حسین و دلکش تھی جیسی شادی سے پہلے تھی وہ جو گہری نیند سو رہی تھی اس پر نگاہیں ٹکائے وہ بیڈ کی طرف بڑھا اور قریب آ کر اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو ازبر کرنے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پہلے پیشانی اور گال پر بکھری لٹوں کو ہٹایا اور پھر اس کے نرم گداز ہونٹوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھونے لگا۔ لمس کا احساس تھا یا انجانے پن کا کہ یکدم اس نے آنکھیں کھولیں اور خود پر جھکے ہیزام کو دیکھ کر کچھ پل تو جیسے ساکت و جامد ہو کر رہ گئی۔ احساس جیسے منجمد ہو کر رہ گئے ہوں وہ خالی خالی نظروں سے ہیزام کو دیکھے گئی جواب مزید اس کے چہرے کو چھوتا ہوا اس کی گردن کی طرف جھکا تھا مگر کچھ ہی لمحے لگے تھے اسے نیند سے صحیح معنوں میں بیدار ہونے میں اس نے اپنے اوپر جھکے ہیزام کو تیزی سے پیچھے کی اور دھکیلا اور خود اٹھ کر تیز تیز سانسیں لینے لگی۔

''خیریت کیا ہوا جان......؟'' وہ جو بمشکل اس کے دھکے سے سنبھلا تھا پھر سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی اور جھکا۔

اس کا دل بُری طرح دھڑکا، لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ ان قربتوں کا مطلب سمجھتے ہوئے ناصرف کھڑی ہوئی بلکہ اپنے نائٹ گاؤن کی دوریاں کستے ہوئے بیڈ سے قدرے فاصلے پر موجود کھڑکی کی طرف چلی آئی اور دونوں پٹ کھولے تیز تیز سانس بھرنے لگی اس کا تنفس تیزی سے چل رہا تھا گویا کسی لمبی مسافت کو طے کر کے آئی ہو۔'' کیا بات ہے تم مجھے اس طرح نظر انداز کیوں کر رہی ہو؟ میں پورے ایک ماہ بعد آیا ہوں مگر تمہارے چہرے پر خوشی کے بجائے یہ بےزاری کیوں......؟'' اس نے

عقب سے اتباع کو پکارا کیونکہ اس بار وہ جاب سے فلیڈ بریک پر گھر تقریباً ایک ماہ بعد آیا تھا اس کی غیر موجودگی میں ناصرف بچوں کے نام رکھ دیئے گئے تھے بلکہ عقیقہ بھی ہو گیا تھا اور اب خیر سے دونوں بچے سوا مہینے کے بھی ہو چکے تھے۔

''رات کے اس پہر یوں نیند سے بیدار کریں گے تو چہرے پر خوشی کے بجائے بے زاری ہی نظر آئے گی نا......؟'' بغیر مڑے اس نے جواب دیا۔

''اوہ سوری یار! لیکن کیا کروں تمہیں جب بھی دیکھتا ہوں میرے دل پہ میرا اختیار نہیں رہتا، مجھ پر میرا کنٹرول ہی نہیں رہتا......'' اس نے پیچھے سے آکر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنی بے بسی عیاں کی۔

''تو خود پر اور اس دل پر کنٹرول کرنا سیکھے! خیر مجھے نیند آرہی ہے میں سونا چاہتی ہوں آپ بھی سو جائیں......''

''مگر میں تو تمہاری بانہوں میں سونا چاہتا ہوں مگر ابھی نہیں پہلے ڈھیر ساری باتیں کروں گا تمہیں جی بھر کر دیکھوں گا پورے 30 دن 720 گھنٹے اور 43200 سیکنڈ بعد تمہیں دیکھ اور تم سے مل رہا ہوں۔ میرا دل تم سے ملنے کو میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو میرے ہونٹ تمہیں چھونے کو ترس گئے تھے......'' ہیزام نے اس کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھامے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔ وہ شدت دل سے اپنی بے تابیاں ظاہر کر رہا تھا کیونکہ اب تو ان دونوں کے درمیان ٹیلیفونک رابطہ بھی بس رسماً سا ہو کر رہ گیا تھا وہ بھی کئی کئی دنوں بعد جا کر چند منٹ پر مشتمل کال ہوتی جو ہر بار اتباع ہی کٹ کر دیتی۔

''مجھے 30 دن بعد دیکھ اور مل رہے ہیں اور بچوں کا کیا......؟ کیا ان کی یاد نہیں آئی؟ ان سے ملنے کو، انہیں دیکھنے کو دل نہیں کیا......؟ حبیبہ تو ہر لمحہ آپ کو یاد کرتی رہی۔ حنظلہ بھی ارزم بھی آپ کو ڈھونڈ تا رہا اور حاذق اور حذیفہ انہیں تو آپ نے ان کی پیدائش کے بعد سے اب تک دیکھا ہی نہیں......کیا یہ سب آپ کی زندگی کا حصہ نہیں......؟ خیر فی الحال بہتر ہوگا آپ بھی سو جائیں او مجھے بھی سونے دیں......'' اس نے ایک جھٹکے سے ہیزام کی کلائی سے اپنا بازو چھڑایا تھا اور بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ صرف کچھ پل کے لئے ہیزام حیران وساکت ہوا تھا، ورنہ اتباع کی اس طرح جھڑکنے اور تضحیک آمیز انداز پر اس کی انا بلبلا کر رہ گئی مگر جلدی ہی اس نے خود پر قابو پایا۔ عنابی لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھلی اور آنکھوں میں نرمی بھرے وہ مزید چند قدم بڑھاتا اس کے قریب آیا۔ درمیانہ فاصلہ ایک انچ سے بھی کم رہ گیا تھا۔

''میری جان یہ سب بھی ہماری زندگی کا حصہ ہیں، مگر میری زندگی تو تم ہونا۔ اول تو میرے لئے تم ہو......'' وہ اس کی گردن پر جھکا تھا اس کی گرم سانسوں کی حدت اتباع کو جھلسانے لگی، وہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹی۔''......ہیزام پلیز I Want to Sleep'' ہیزام کی مزید کوئی بات سنے بغیر منہ پر تکیے رکھے وہ لیٹ گئی گویا اپنے طور پر وہ اس روم سے غائب ہو چکی تھی۔

میں سب کو عزیز ہوں مگر ضرورتوں کی حد تک
کہیں تھکتی ہوں تو تنہا، کہیں رکتی ہوں تو تنہا

✧✧✧

یہ اختلاف کی صورت بھی اتفاق سے ہو
وہ میرے لمس کی حد سے سرد پڑ جائے

ہیزام جو اتباع کی قربت کا، اس کے ساتھ

کا، اس کے وجود کا دیوانہ تھا وہ اب جب جب اپنی تشنگی کے لئے اس کے قریب آتا، اس کے وجود میں محبت تلاشتا ہمیشہ تشنہ لب ہی رہ جاتا، اور یہ ادھوری سی تشنگی ہیزام کو اندر ہی اندر بے چین کیے جا رہی تھی۔ وہ جو پہلے پہل اتباع کی فرار کو، اس کے کنی کترانے کو، مصروفیت و تھکاوٹ سمجھ کر نظر انداز کرتا گیا مگر اب یہ بے زاری، یہ بے نیازی معمول بن کر طوالت پکڑنے لگی تو وہ بھی چونکا۔ چہرے پہ ہمہ وقت بے زاریت سجائے مارے باندھے ہیزام کی باتوں کو جواب دیتی اتباع اسے کافی بدلی بدلی سی لگی تھی۔ بالآخر اگلے دو دنوں تک اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اتباع کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''آخر بات کیا ہے؟ کیا مسئلہ ہے؟ کس بنا پر یہ لاتعلقی یہ سرد مہری ظاہر کر رہی ہو......؟''

ہیزام اس کا ہاتھ تھامے اس کے مقابل کھڑا استفسار کر رہا تھا۔

ہاتھ چھوڑیئے، مجھے کچھ کام ہے......'' وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی۔

''جانتا ہوں، آج کل ہر کام مجھ سے زیادہ ضروری ہے مگر پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر کر لینا اپنے باقی کام......'' ہیزام نے اس کے دونوں شانوں کو تھاما مگر جواب دینے کے بجائے وہ ہنوز خاموش ہی رہی۔

''تم یوں مجھ سے ناراض ہو کر روٹھی روٹھی سی بھی اتنی پیاری لگتی ہو کہ دل چاہتا ہے تمام عمر اس روٹھی روٹھی سی حسینہ کو یونہی اپنی بانہوں میں قید کیے رکھوں، تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹے مناتا رہوں......'' ہیزام نے اس کے ناراض انداز اور روٹھے روٹھے مکھڑے کو دیکھتے ہوئے محبت بھری شرارت کی۔

''ہر وقت بس رومینس ہی رومینس، اور کوئی کام نہیں آپ کو......'' وہ بدلی۔

''کیا کروں جانِ من! جب تم سامنے ہو تو نظروں میں اور کچھ جچتا ہی نہیں، دل کو کوئی اور کام سوجھتا ہی نہیں سوائے تمہیں دیکھنے۔ تمہیں چھونے کے اور تمہیں بانہوں میں بھر کر گلے سے لگانے کے......'' ہیزام نے اس کے قریب قدرے جھک کر محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ہیزام کے محبت بھرے اندز و لہجے نے اتباع کے اندر انگارے سے دہکا دیئے۔ دماغ کی رگیں جیسے تن سی گئیں۔ دل سلگ سا ہوا اٹھا۔ وہ سرتاپا سلگ سی گئی۔

''آخر آپ مجھے سمجھتے کیا ہیں ہاں......''

اتباع نے اپنے شانوں پر موجود اس کے دونوں ہاتھوں کو زور سے جھٹکا۔

''میری محبت...... سراپا محبت...... تمہارا وجود ایک ایسی محبت بھری راہ گزر ہے جو میرے عشق کی آخری منزل ہے......'' ہیزام اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں پر بگڑتے زاویوں سے بے خبر اپنی ہی دھن میں محبت کا راگ سنائے جا رہا تھا۔ وہی محبت بھرا انداز، وہی محبت کی بات، وہی اپنی ذات کی خود غرضی اور جسمانی طلب......

اتباع کے اندر سلگتا لاوا پھٹنے کو بے تاب ہوا وہی سلگتا لاوا جو کتنے ماہ سے اس کے اندر جل رہا تھا ہیزام کی باتوں نے چنگھاڑیوں اور محبت نے پھونک بن کر اسے بھڑکا دیا۔

''آپ کی نظر میں میں تو محض ایک عورت ہوں۔ وہی عورت جس سے پیار کا دعویٰ کیا اور پھر قانوناً و شرعاً اپنا نام دینے کے بعد گویا خرید ہی لیا۔ اس زر خرید غلام کی طرح جو بس ہمہ وقت آپ کے سامنے رہے، آپ کی ایک پکار، ایک طلب کا منتظر ہو اور بھاگا دوڑا چلا آئے......'' وہ

لمحہ بھر کو رُکی۔

''بیا! یہ کیسی باتیں کررہی ہو......؟''

''پہلے محبُوبہ بناتے ہیں آگے پیچھے گھومتے ہیں اور پھر بیوی بنا کر اپنے آگے پیچھے گھماتے ہیں، آپ جیسے ہی عاشق اپنی طلب پوری کرنے کا یوں ذریعہ بنا لیتے ہیں گویا جب جیسے جی چاہے بس آواز دے کر پکار لے، ہاتھ بڑھا کر تھام لے، میں کیا ہوں......؟ اس گھر کی بہو، بھابھی، آپ کی بیوی، حدیبیہ، حنظلہ، حذیفہ، حاذق کی مما اور بس......؟، ان سب باتوں میں اتباع کہاں ہے؟ میں، میری ذات، میرا وجود، میری خواہش، میری مرضی، میری زندگی، ان سب پر تو آپ کا اختیار ہو چلا ہے کیونکہ شرعاً و قانوناً حق جو حاصل ہے آپ کو مجھ پر اپنی مرضی چلانے کا......'' وہ تقریباً چیخ ہی پڑی جبکہ ہیزام دم بخود حیران و پریشان سا اسے دیکھے گیا۔ اتباع کا لہجہ، اتباع کا انداز وہ شش و پنج میں گھر گیا۔

''میں اتباع تھی۔ میری اک اپنی پہچان تھی جسے اپنا نام دے کر آپ نے چھین لیا۔ اب میری پہچان کیا ہے؟ باہر آپ کی بیوی اور آپ کے بچوں کی مما اور کمرے کے اندر آپ کی زرخرید غلام۔ جو آپ کی طلب پوری کرے آپ کے بہکتے نفس کو تسکین دے اور بس یہ ہی ہے میری پہچان......؟ محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود انتہائی بے حسی کا ثبوت دیا ہے آپ نے۔ خود غرضی دکھاتے ہوئے مجھے نوے دہائی کی ایک روایتی عورت بنا دیا۔ جس کا کام ہی بچے پیدا کرنا اور گھر سنبھالنا تھا اور بس......'' وہ بولتے بولتے سانس لینے کو تھمی۔

''اتباع میری جان ہوش میں آؤ، یہ کیا بولے جا رہی ہو......؟ تم کوئی غلام نہیں بیوی ہو میری، جان ہو میری، محبت کی ہے تم سے میری جان......'' ہیزام نے ایسے پھر سے اپنی باہوں میں لیتے ہوئے محبت سے کہا۔

''دور ہٹیے پلیز Dont Touch Me، مجھے اب الجھن ہوتی ہے خود سے۔ آپ جب قریب آتے ہیں تو گھبراہٹ سی ہوتی ہے۔ آپ کی قربت مجھے تسکین نہیں بلکہ گھٹن دیتی ہے۔ اب ہر لمحہ ایک ڈر، ایک خوف سا کسی سائے کی مانند ساتھ رہتا ہے کہ کہیں ایک بار پھر سے امید سے نہ ہو جاؤں۔ آپ کی یہ شدتیں، یہ محبتیں، یہ جسمانی ضرورت و طلب مجھے وحشت میں مبتلا کرتی ہے۔ پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ اس کی لگی بندھی زندگی سے ہٹ کر مجھے اپنی پسند، اپنی مرضی سے اپنی زندگی جینے دیجئے......''

اندر سلگتا الاؤ، بالآخر آج آتش فشاں بن کر پھٹ ہی پڑا وہ غصے سے چیخ چلا کر اپنا غبار اپنے اندر کی بھڑاس جب باہر نکال چکی تو دونوں ہاتھوں سے اپنا دکھتا سر تھامے بیڈ پر ٹک گئی۔ قطرہ قطرہ بہتے آنسو اس کی بے بسی پر ماتم کناں تھے۔ جبکہ اس کا کہا ایک ایک لفظ ہیزام کے اعصاب پر کسی ہتھوڑے کی مانند برس پڑے تھے۔ وہ بے یقینی کی کیفیت لئے یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ وہ جو اتباع کی سرد مہری کو بچوں و گھر کی مصروفیت سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا اس کے پیچھے تو یہ محرک کارفرما تھا۔ وہ کیا سوچتا رہا اور اتباع کیا کچھ سوچتی و سمجھتی رہی۔ اتنی بے زاری، اتنی غلط فہمی اور اتنا سوچوں میں تضاد ہیزام شاکڈ سا تھا۔ وہ کیوں دیکھ نہ پایا، کیوں محسوس نا کر پایا، خاموشی کا بت بنے کھڑے ہیزام کو اپنا آپ حقیر سا لگا۔ اک ایسے فقیر جیسا جسے جو بھی جتنا بھی ملا سمیٹتا چلا گیا مگر آخر میں جا کر پتہ چلا کہ اس کا توشہ تو خالی ہی نکلا۔ ہیزام کو اپنے آپ سے حقارت سی محسوس ہوئی، وہ جسے اپنی جان مانتا رہا

وہی آج اسے بے جان کر گئی تھی۔ کمرے میں اب گہرا سکوت تھا۔ اک ایسا سکوت، ایسی خاموشی جو طوفان کے گزر جانے کے بعد پھیلتی ہے۔ بالکل ویسی ہی خاموشی چہارم سو پھیلی ہوئی دھمال ڈال رہی تھی اور گزرے ماہ و سال ہیزام کی بے خبری پر محو رقص تھے۔ کمرے میں وہ دونوں ہی موجود تھے۔ ایک اپنی بھڑاس نکال کر شانت تھی تو دوسرا یہ سب سن کر صدمے میں۔

''میرے لئے اس سے بڑھ کر ملامت کا مقام اور کیا ہوگا کہ جس سے میں نے ٹوٹ کر بے انتہا محبت نہیں عشق کیا۔ اس نے میری محبت کو میری چاہت کو خود غرضی و بے حسی کا لیبل چسپاں کر کے ہوس وطلب کا نام دے ڈالا......''

ہیزام کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی کرچیاں تھیں تو چہرے پر اذیت کی پرچھائیاں چھائی ہوئی تھیں۔

''میں تو اب تک اس زعم میں جیتا رہا کہ میری چاہت سے تمہیں بھی محبت ہے، میرا پیار میرا ساتھ ہی تمہاری کل کائنات ہے اور میرا نام ہی تمہاری پہچان ہے، مگر میں غلط تھا۔ یہ آج پتہ چلا......'' ہیزام تلخی سے مسکرایا۔

''ہاں! آپ غلط ہی ہیں، ایک عورت کی پہچان صرف اس کا شوہر اور بچے نہیں بلکہ اس کا خود کا نام، اس کی ذات بھی ہوتی ہے۔ مگر یہ بات آپ سمجھ ہی نہیں سکتے کیونکہ آپ کے پاس تو دل بہلانے اور اپنی ضرورت و طلب پوری کرنے کے لئے نکاح نامہ بطور سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے نا......'' وہ تمتماتا چہرہ لئے قدرے اونچی آواز میں بولی تھی۔

''اسٹاپ اِٹ، جسٹ شٹ اپ......'' وہ غصے سے دھاڑا اور دو قدم آگے آ کر اتباع کو بازو سے تھام اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

''تمہاری سوچ اتنی سطحی اور بات اس حد تک گری ہو سکتی ہے یہ سوچا نہ تھا۔ میں تو تمہاری بے رخی کو تمہاری جھجک سمجھتا رہا، تمہاری سرد مہری کو تمہاری مصروفیت گردانتا رہا اور تم میری چاہت میری محبت کو ہوس جسمانی ضرورت وطلب، اف، تف ہے مجھ پر!'' لال بھبھوکا چہرہ لئے وہ غصے سے بھرا تیز آواز میں بولا تھا۔ وہ بھی اتنے سالوں میں پہلی بار، اتباع کے بازو پر اس کے ہاتھ کی گرفت مزید سخت ہو گئی تھی۔ سرخ آنکھیں جیسے اتباع کے وجود میں گڑھ سی گئی تھیں۔ اتباع اس کے بازو کی سختی پر کراہ کر رہ گئی جبکہ ہیزام کے اعصابوں پر تو جیسے کوئی بھاری بوجھ آ گرا تھا۔ دماغ کی رگیں تن گئی تھیں غصے و بے بسی سے اس کی پیشانی پر کئی بل سے پڑ گئے تھے۔

''پلیز ہاتھ ہٹائیے، مجھے درد ہو رہا ہے......''

ہیزام کے ایسے بگڑے تیور دیکھ کر اتباع نے دھیمے لہجے میں دبا دبا سا احتجاج کیا۔

''تمہیں اپنی تکلیف کا احساس ہے اور مجھ پر گزرتی تکلیف کا بالکل احساس نہیں نا......؟ لیکن نہیں تمہیں درد کیسے ہو سکتا ہے جو دوسروں کو درد دیتے ہیں وہ تو خود بے درد ہوتے ہیں، بھلا وہ درد و تکلیف کی شدت کیا جانے......؟''

ہیزام کا لہجہ اس قدر اجنبی سا تھا کہ اتباع کو بھی چونکا گیا ہیزام کا ایسا انداز ایسا ہتک آمیز لب ولہجہ بھلا اس نے کب کہاں دیکھا تھا مگر آج وہ اپنے سامنے اپنے لیئے دیکھ رہی تھی۔

ان چاہا رشتہ تو محض ایک بوجھ کی طرح ہوتا ہے جس کو ڈھونا جاں گسل ہی ہے......'' وہ اس کی طرف دیکھتا طنزیہ انداز میں مسکرایا ایک چبھتی ہوئی سی مسکراہٹ پھر قدرے دھیمے مگر ترش سے

لہجے میں گویا ہوا۔

''زبردستی کے رشتے تو کبھی کسی کو خوشی دینے کا سبب نہیں بنتے، میں کبھی بھی زبردستی کا قائل رہا ہی نہیں اس لئے صرف اپنی محبت کا ہی نہیں سوچا بلکہ پہلے تمہارا اقرار مانگا اور پھر ہاتھ، مگر پتہ نہیں کہاں کمی رہ گئی، تم نے یہ سب پہلے بتا دیا ہوتا تو شاید ہم دونوں، نہیں بلکہ صرف تمہیں اس زبردستی کے رشتے اور بندھن کی قید سے آزاد کر دیتا مگر خیر چلو اب بھی دیر تو نہیں ہوئی، ہاں مگر اس زبردستی کے بندھن کو توڑا تو جا سکتا ہے آخر کو تمہیں اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے۔ اپنی مرضی و اپنی پہچان کے ساتھ......''

اس نے ایک جھٹکے سے اتباع کے بازو پر سے اپنی گرفت ہٹائی تو وہ ڈگمگا سی گئی۔

''اور ہاں یہ بات ذہن نشین کر لو، مرد کو اپنی خواہش، ضرورت وطلب پوری کرنے کے لئے کسی نکاح نامے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مرد صرف نکاح کے پابند نہیں ہوتے، مگر تم یہ بات نہیں سمجھو گی کیونکہ تم اب تک یہ بھی نا سمجھ پائی کہ تم سے میرا محض جسم کا نہیں روح کا بھی رشتہ ہے، تم سے صرف محبت نہیں عشق کیا ہے۔ خیر آج کے بعد سے اب تمہیں شکایت نہیں ہو گی اور نا ہی الجھن اور وحشت۔ جس پاکیزہ رشتے کو تم خود غرضی و بے حسی کا نام دے کر مجبُوری و مصلحت کے بناء پر زندگی گزارتی آئی ہو، شاید خود پر جبر کرتی آئی ہو تو اب بہتر ہے نا تمہیں اس مجبُوری کے بندھن سے آزاد کیا جائے......''

اتباع کی پیشانی پر اپنی شہادت کی انگلی رکھے وہ جس انداز میں بولا اتباع کی ساری حساسیت چونک اٹھی وہ لمحہ بھر کو حواس باختہ سی ہوئی۔

''اچھا ہی ہے زبردستی کے اس بندھن کو توڑ دیا جائے، تم اب خوش ہو جاؤ بہت جلد ہی ہر مجبُوری، ہر مصلحت اور زبردستی کی اس زندگی سے آزاد ہو جاؤ گی۔ وہ شخص جو شاید زمانے میں تمہیں سب سے زیادہ بُرا لگتا ہے جس کی قربت تمہیں الجھن و وحشت میں مبتلا کرتی ہے وہ تمہاری زندگی سے چلا ہی جائے گا، جلد اور بہت جلد......''

الفاظ تھے کہ زلزلے کا شور قیامت تھی کہ صورِ اسرافیل وہ ششدر، ہکا بکا اشکبار آنکھیں لئے اسے بے یقینی سے دیکھے گئی جو اپنی بات کہہ کر رُکا نہیں تھا اپنے شکستہ وجود و قدموں کو لئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

رخصتِ یار کا منظر بھی کیا منظر تھا
میں نے خود کو خود سے بچھڑتے دیکھا

✦✦✦

وہ جذبوں کی تجارت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا تھا، آؤ نئی دنیا بتائے ہیں
اسے سوجھی شرارت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیشہ اس کی آنکھوں میں دھنک سے رنگ ہوتے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی، یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

ایک بے بسی سی تھی۔ ایک اضطراب سا تھا جو ہیزام کے پورے وجود پر حاوی ہو کر اسے اندر ہی اندر توڑ رہا تھا۔ وہ کئی گھنٹے یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑانے کے بعد۔ ایک تلخ فیصلے کے ہمراہ گھر واپس لوٹا تھا۔ اتباع کی کہی باتیں، اس کے جملے ہیزام کے کانوں میں مستقل گونجتے ہی رہے۔ کبھی نا چاہتے ہوئے اس نے وہ فیصلہ کر ہی لیا جس کا تصور خود اس کے لئے سوہان روح تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر گزرے ماہ و سال کی فلم کی مانند چل رہے تھے ابھی کچھ دن پہلے کی بات تھی کہ جب حاذق اور حذیفہ اس دنیا میں نہیں آئے تھے۔

رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا جب پیاس کی شدت سے اس کی آنکھ کھلی تو اتباع کو کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑا پایا جو نہ جانے اندھیرے میں اس پہر کیا تلاش کر رہی تھی۔ خنک ہوا کے جھونکوں سے اس کے بال شرارت کرتے اس کے چہرے پر بکھرے تھے۔ خوب صورت چہرے پر سوگواری اور دل سوزی نے اس کے حسین چہرے کو اور بھی دو آتشہ بنا دیا تھا جسے ہیزام اپنے پیار کا خمار سمجھتا چلا آیا تھا۔

''کیا بات ہے اتباع؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ ابھی تک جاگ رہی ہو اور وہ بھی اتنے خنک دار موسم میں کھڑکی کھولے کھڑی ہو......'' ہیزام کی اچانک آواز پر وہ چونکی اور پلٹی تھی کسی بھی احساس سے عاری آنکھیں لئے وہ اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی جس پر ہیزام نے غور ہی نہ کیا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے مجھے، ٹھیک ہوں! فی الحال میں کچھ دیر اکیلی رہنا چاہتی ہوں، آپ بہانے بہانے سے یہ پاس آنے کی حرکتیں نہ کریں......'' اس کا اشارہ ہیزام کے ہاتھ کی طرف تھا جو اس نے اتباع کے کندھے پر رکھا تھا۔

''اچھا بابا، ناراض تو نہ ہو......'' اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اتباع کے کندھے پر سے ہٹایا تھا۔

''اور ایک بات یہ ہر لمحہ میرے سر پر سوار مت رہا کریں مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں کچھ پل، کچھ لمحے ہی سہی مجھے میری مرضی سے گزارنے دیں......'' وہ تڑخ کر بولی تھی اور پھر ایک جھٹکے سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر بیڈ پر آ کر لیٹ کر سر تک بلینکٹ تان چکی تھی، کچھ پل تو ہیزام بُت بنے کھڑا رہا تھا۔ اتباع کے لہجے نے الجھایا تو دل نے فوراً محبت سے ڈپٹ دیا۔

''اف لگتا ہے اس بار آنے والا بے بی ابھی سے اپنی مما کے روپ میں نخرے دیکھا رہا ہے......'' ہیزام نے ہولے سے مسکراتے ہوئے سوچا تھا اور پھر پلٹ کر کھلی کھڑکی کے پٹ بند کرتا اتباع کے برابر میں آ کر لیٹ گیا تھا۔

ہیزام کو اب جو یہ رات یاد آئی تو خود پر ہنسی سی آ گئی۔ اتنی معصومیت اتنی بے خبری کہ وہ تب بھی اتباع کی اس قدر بے رخی کو سمجھ ہی نا پایا۔

وہ جب گھر لوٹا تو باہر پھیلی رات کی تاریکی کی طرح اندر گھر میں بھی خاموشی کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی یقیناً سب اپنے کمرے میں تھے شاید سو بھی گئے ہوں دھیرے سے سیڑھیاں چڑھتا وہ دبے قدموں روم میں داخل ہوا تو اتباع پر نظر لمحہ بھر کو ٹھہری جو اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ ایک نظر اس پر ڈالے وہ تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا جب وہ نائٹ ڈریس پہنے باہر نکلا تو اتباع کو ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا پایا۔ وہ اس کے قریب آیا اور بیڈ پر آ بیٹھا اس کے بیٹھنے پر اتباع نے پہلو بدلا۔

''ڈرو مت! اب تمہیں نہ چھوؤں گا، نا ہی اپنی طلب پوری کروں گا......'' وہ اپنی بات کہتا استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''زندگی گزارنے کا ہر انسان کا اپنا نظریہ اور اپنا نقطہ نظر ہے، تمہیں مجھ میں کیوں اور کیا غلط لگا؟ ہمارا رشتہ کب سے تمہیں ناقابل برداشت لگا؟ میں کچھ نہیں پوچھوں گا اور تمہارے اپنے حوالے سے جو تحفظات ہیں میں تمہیں کچھ ابھی بدلنے پر مجبور نہیں کروں گا کیونکہ اب شاید تم مجھ سے زیادہ اپنے بارے میں جانتی ہو So as your wish میں تمہیں اس زبردستی کی زندگی

سے آزاد کر دوں گا، تم سے محبت کی ہے تو تمہاری ہر خواہش کا احترام بھی مجھ پر فرض ہے اور انہیں تکمیل تک پہنچانا بھی۔ میں یہاں سے اور تمہاری زندگی سے جانے کو تیار ہوں اور میرے جانے کے بعد تم اپنی مرضی سے اپنی زندگی جی سکتی ہو اپنی تمام خواہش پوری کر سکتی ہو......"

خود پہ مشکل ضبط کے پہرے بٹھائے وہ آرام آرام سے کہہ رہا تھا جبکہ اتباع کے چہرے پر بے یقینی اور صدمے کے آثار تھے جسے دیکھنے سے وہ اجتناب کر رہا تھا وہ لمحہ بہ لمحہ خود کو جیسے بے جان ہوتا محسوس کر رہی تھی، اک پل کی تو دل چاہا کہ وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ اسے بولنے سے باز رکھ دے گزری سبھی باتوں کو بھلائے اپنی کہی باتوں پر معافی مانگ لے۔ مگر پھر کہیں سے انا لہراتی ہوئی ہیزام اور اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"یہ دوری کی دیوار اٹھا کر، مجھ سے دور جا کر آپ رہ لیں گے......؟" بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے نکلا اتباع کے لہجے میں حیرت، بے یقینی، مدھم سا شکوہ، احتجاج اور استفسار سب کچھ تھا۔

"یہ رشتہ یہ تعلق رہے نا رہے محبت ضرور رہے گی کیونکہ تم سے پہلے نا کسی کی ضرورت تھی اور نا ہی تمہارے بعد کسی کی گنجائش و جگہ۔ جب رشتے یا تعلق تکلیف کا باعث بننے لگیں تو ان سے دوری ہی بہتر ہوتی ہے۔ تمہاری خوشی اپنی مرضی سے جینے میں ہے تو میری خوی تمہاری خوشی میں......" اب وہ اس کے سامنے سے اٹھ چکا تھا اور بیڈ کی پائتی سے گھوم کر دوسرے کنارے پر آ بیٹھا۔ اتباع کی سمت اس کی پشت تھی جسے اتباع خالی خالی نظروں سے تکے جا رہی تھی۔

"میرا اور تمہارا رشتہ محض کاغذی نہیں کہ کاغذ پھاڑ دیا تو رشتہ ختم، کم از کم میری طرف سے تو یہی ہے تمہارا خیال تم بہتر جانو، مگر تم سے تو میرا رشتہ تو دل کا ہے جب تک سانس ہے دل میں دھڑکن ہے تب تک یہ رشتہ، یہ تعلق یہ محبت قائم ہے روزِ اول کی طرح۔ کوئی لاکھ کوشش کر لے دل کو دھڑکنے سے کہاں روک سکتا ہے اور میں بھی چاہوں تو بھی خود کو تمہیں یاد رکھنے اور محبت کرنے سے نہیں روک سکتا۔ کیونکہ حقیقتاً دنیا میں صرف دو رشتوں کا وجود ہے محبت یا نفرت کا۔ نفرت تو تم سے چاہ کر بھی ہو نہیں سکتی اور محبت تو کبھی مر نہیں سکتی......" نا چاہتے ہوئے بھی ہیزام کا لہجہ بھیگنے لگا تھا تبھی وہ خاموشی سے لیٹ گیا۔ یوں تو دونوں ہی ایک ہی چھت تلے تھے مگر پاس ہو کر بھی ان دونوں کے بیچ اب میلوں کا فاصلہ آ چکا تھا۔

اس نے پوچھا بھی تو ہجرت کا طریقہ پوچھا
اس نے چاہی بھی تو جانے کی اجازت چاہی

❖❖❖

میں باقی سارا بدن مطمئن کر لوں گا
مگر یہ آنکھیں جنہیں تو نظر نہ آیا......؟

ہیزام کے یوں اچانک لئے گئے فیصلے سے حسنین بھی حیران و پریشان تھا۔ کمپنی کی اس آفر کو ہر بار ٹھکرانے کے بعد یوں اچانک اس طرح کمپنی کی آفر کو Accept کر لینا اور آفر بھی کوئی معمولی نہیں تھی غیر معینہ مدت کے لیے آؤٹ آف کنٹری جانا جہاں سے واپسی کا امکان تب تک نہ تھا جب تک کمپنی مکمل طور پر وہاں اسٹیبلش نہ جاتی۔ اس لئے حسنین کے لئے ہیزام کا یہ فیصلہ باعث حیرت تھا۔

"یار تو پاگل تو نہیں ہو گیا......؟" تو نے یہ آفر Accept ہی کیوں کی؟ جبکہ تو جانتا ہے اس کا Destination اتنے لمبے عرصے کے

لئے ملک سے باہر جانا اور وہ بھی فیملی کے بنا......
''وہ ہیزام کے سر پر سوار تھا۔
''پاگل تو میں واقعی ہو گیا تھا مگر اب عقل آ گئی ہے، رہی بات آفر کی تو یہ بات کا ہی حصّہ ہے۔ جاب تو کرنی ہی ہے نا یار! یہاں کروں یا کہیں اور جا کر کیا فرق پڑتا ہے......؟''
''کیا کہا تجھے کوئی فرق نہیں پڑتا......''
ہیزام نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔
''کیا بات ہے جگر؟ بھابھی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے، کہیں اسی لئے تو راہِ فرار نہیں ڈھونڈ نکالی؟ دیکھ اگر ایسا ہے بھی نا تو غصّے میں آ کر تو سراسر اپنا نقصان ہی کرے گا......'' حسنین نے متانت سے اسے سمجھانا چاہا نقصان
''ہنہ......محبت میں نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا۔ یہ نقصان بار ہا سنتا آیا ہوں مگر سمجھ تو اب آیا ہے محبت میں تو سراسر نقصان ہی ملتا ہے۔ عشق اور محبت انسان کو اس لئے ناکارہ بنا دیتے ہیں کیونکہ یہ سراسر گھاٹے کے سودے ہوتے ہیں......''
''مگر محبت میں تو سودے بازی نہیں ہوتی......'' حسنین نے ہیزام کی بات کی نفی کی۔
''کیوں نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے یار! ہر جگہ، ہر رشتے میں یہ جو لین دین ہوتا ہے یہ بھی تو اک قسم کی سودے بازی ہے، کبھی نفع ہے تو کبھی زیادتی ہے، عشق یک طرفہ ہو سکتا ہے مگر محبت نہیں، محبت بھی بدلے میں محبت چاہتی ہے۔ جہاں محبت ہو وہاں تجدید بھی لازم ہوتی ہے۔ چاہے وہ محبت گرلفرینڈ یا بوائے فرینڈ کے بیچ کی ہو یا ہزبینڈ وائف کے بیچ کی، دونوں ہی ایک دوسرے سے تجدید چاہتے ہیں۔ محبت کے بدلے محبت مانگتے ہیں۔ تو ہوئی نا یہ سودے بازی......'' ہیزام کا انداز ہی نہیں بلکہ اس کی باتیں بھی آج کافی بدلی بدلی سی لگ رہی تھیں۔
''تجھے پتہ ہے محبت کا انجام کیا ہوتا ہے......؟'' یکدم ہیزام نے اس سے پوچھا تھا۔ حسنین نے کوئی جواب نہ دیا بس خاموشی سے اسے تکے گیا جو کافی الجھا الجھا لگ رہا تھا۔
''کچھ لوگوں کی محبت پتھر کی طرح سخت سی ہوتی ہیں جب ان سے محبت کے بدلے محبت کی تھوڑی سی بھیک مانگی جائے تو وہ ہم پر ترس کھا کر کچھ اس طرح اپنی پتھریلی محبت ہمارے کشکول میں ڈالتے ہیں کہ ہماری ہی محبت کا کشکول ٹوٹ جاتا ہے، پھر نا محبت بچتی ہے نا ہی محبت کا کشکول ہم خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ یہ ہی محبت ہے! یہ ہی محبت کی سودے بازی ہے! محبت خالی کر دیتی ہے، ہم سے ہمارا سب کچھ چھین کر ہمیں خالی ہاتھ کر دیتی ہے، محبت تہی دامن کر دیتی ہے۔ ہاں! مجھے اب ابتاع کی بات پر یقین آ گیا کہ محبت انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور وہ خالی انسان پھر کہیں کا نہیں رہتا......''
دور خلاؤں میں خود سے رفتہ رفتہ دور جاتی محبت کو تکتے ہوئے ہیزام نے دکھے چھپے لفظوں میں اپنی کہانی اپنا دردعیاں کیا تھا۔
میں چاہتا ہوں ترا رابطہ نہ ہو مجھ سے
میں چاہتا ہوں تو سارے دکھوں سے دور رہے
خزاں کا موسم محبت پر غالب آنے لگا اک اک کر کے محبت کے شجر کی ٹہنیوں سے پتے جھڑنے لگے۔ یقین کے پتے، اعتبار کے پتے، اندھی محبت کے پتے، کبھی نہ جدا ہونے والے پتے، بالآخر محبت کی سرد مہری سے زرد سے ہو کر شجر کی ٹہنیوں سے ٹوٹ کر زمین بوس ہو گئے گویا محبت کے شجر سے بچھڑ گئے اور ہیزام بھی اپنی امی کی نم آنکھوں، بابا کے اداس چہرے، سبرینہ، ارزم کی محبت کو تنہا چھوڑ، اپنا دل بھی وہیں چھوڑ،

اپنے بے جان و سرد وجود کے ساتھ، اپنے دیس و اپنی محبت سے بچھڑ گیا۔ پردیس میں اجنبی شہر، اجنبی شہر کے اجنبی لوگ، اجنبی شہر کی اجنبی راہیں، ہوائیں حتیٰ کہ اسے تو اب اپنا آپ بھی اجنبی سا لگتا۔ بعض اوقات بالکل اچانک ہی کسی چھوٹی سی بات پر کوئی بڑی تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ پر یہاں تو بات بھی بڑی تھی اور تبدیلی بھی۔ وہ تو محبت کا رومیو تھا جس کے روم روم میں محبت سفر کرتی تھی اور اس محبت نے عشق کی راہوں میں ہارا ہوا دیوداس بنا ڈالا۔ موم سا محبت بھرا دل اپنے ہی محبوب کے ہاتھ لگنے والے بے اعتباری، وغلط فہمی اور نام نہاد انا کے پتھروں سے ٹکرا کر پتھر کا ہو چلا تھا۔

***

کہنے کو محبت ہے
لیکن.....؟
اب ایسی محبت کیا کرنی؟
جو نیند چرا لے آنکھوں سے،
جو خواب دکھا کر آنکھوں کو
تعبیر میں کانٹے دے جائے،
جو غم کی کالی راتوں سے
ہر آس کا جگنو لے جائے،
جو خواب سجاتی آنکھوں کو
آنسو ہی آنسو دے جائے،
جو مشکل کر دے جینے کو
جو مرنے کو آسان کرے،
وہ دل جو پیار کا مندر ہو
اس مندر کو برباد کرے
اور یادوں کو مہمان کرے،
اب ایسی محبت کیا کرنی.....؟"
جو عمر کی نقدی لے جائے
اور پھر بھی جھولی خالی ہو،
وہ صورت دل کا روگ بنے
جو صورت دل کا روگ بنے
جو صورت دیکھی بھالی ہو،
جو قیس بنا ڈالے انسان کو
جو رانجھا اور فرہاں کرے
جو خوشیوں کو برباد کرے،
اب ایسی محبت کی کرنی.....؟
دیکھو! تو محبت کے بارے میں ہر شخص ہی کہتا ہے
سوچو! تو محبت کے اندر ایک درد ہمیشہ رہتا ہے
پھر بھی جو چیز محبت ہوتی ہے
کب ان باتوں سے ڈرتی ہے؟
کب کسی کے باندھے سے رکتی ہے؟
جس دل میں اس نے بسنا ہو
بس چپکے سے بس جاتی ہے،
اک بار محبت ہو جائے
پھر چاہے جینا مشکل ہو،
یا جھولی خالی رہ جائے،
یا آنکھیں آنسو بن جائے،
یا دل سوالی بن جائے،
پھر اس کی حکومت ہوتی ہے.....

✦✦✦

(باقی اگلے ماہ)

عہدِ جاں

اقراء خالد

وہ جسے ہی گھر میں داخل ہوا مکمل خاموشی کا راج تھا۔ البتہ کچن سے کھٹ پھٹ کی آوازیں آ رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ امی کا آج بھوک ہڑتال کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ''چلو شکر ہے'' اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ امی کی سرد مہری کچھ تو کم ہوئی۔ لاؤنج کے صوفے پر آفس بیگ رکھنے کے بعد وہ سیدھا کچن میں آ گیا۔ ''السلام وعلیکم'' اس نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے امی کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دینے کے بجائے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا، ''مطلب کے ناراضگی ہنوز قائم ہے'' اس نے سرد تاثرات ملاحظہ کرنے کے بعد پانی کا گلاس اٹھایا، ڈائنگ چیئر کو گھسیٹتے ہوئے وہاں ہی بیٹھ گیا اور گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگا جبکہ رابعہ بیگم مصروف انداز میں اپنے کام نپٹا رہی تھیں۔ ارادہ تو اس کا حسب معمول امی سے چھیڑ خانی کا تھا مگر امی کے سرد تاثرات نے اسے اس کے ارادوں سے باز رکھا۔ وہ وہاں سے منتشر ہوتی سوچوں کے ساتھ اٹھا اور اس اسٹڈی میں ابا کے پاس آ گیا وہ کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے نظر احمد پر پڑی تو کتاب کو بند کر کے سائیڈ پر رکھا اور مکمل اس کی طرف متوجہ ہو گئے ''آؤ آؤ احمد آجاؤ'' انہوں نے چشمہ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے احمد کو اندر آنے کی اجازت دی۔

''السلام وعلیکم ابو'' احمد نے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!...... کچھ پریشان نظر آ رہے ہو'' انہوں نے بغور احمد کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا جہاں پر تھکن تو بہر حال نہیں تھی ہاں افسردگی نے اسے نڈھال کیا ہوا تھا۔ بات کوئی اتنی بری نہیں تھی کہ پریشان ہوا جاتا مگر یہ آج کل کے بچے چھوٹی چھوٹی باتوں کو سر پر سوار کر لیتے ہیں۔ بدلے میں اس نے ایسی نظروں سے ابا کو دیکھا جیسے آپ تو بالکل انجان ہے نا......؟

''اچھا اچھا میاں ناراض مت ہو یہ بتاؤ کہ ہم سے کیا چاہتے ہو......؟'' انہوں نے احمد کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔

''مدد'' فوراً سے پیشتر جواب آیا۔

''مدد کیسی مدد جا کر ماں کو انکار کر دو کہ تم ان کی بھانجی سے شادی نہیں کرنا چاہتے اور کسی اور کو پسند کرتے ہو'' ابا نے تیوری چڑھاتے ہوئے مشورہ دیا۔

''اور آپ کو کیا لگتا ہے میں جا کر ایسا کہوں گا تو وہ میری بات مان لیں گی، آپ مجھ سے بہتر انہیں جانتے ہیں کبھی بھی کسی قیمت پر وہ میرا انکار نہیں سنیں گی۔ انکار تو کیا انہوں نے اس رشتے کے لئے میرا اقرار سننے کا تردد بھی نہیں کیا'' اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اپنی مرضی کے خلاف ہونے پر وہ ترش رُو ہو رہا تھا۔

''جب معلوم ہے کہ تمہاری نہیں چلنی تو مان لو ماں کی بات'' انہوں نے احمد سے نظریں چراتے ہوئے اگلا مشورہ دیا۔

''آپ ابا، آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آپ ہی تو میرے دل کے حال کو بہتر طور پر سمجھ سکتے

ہیں آپ ہی تو میری محبت کے واحد راز دار ہیں“
احمد نے غمگین ہوتے ہوئے کہا۔
”جتنا میں تمہارا راز دار ہوں اس سے کہیں زیادہ بار تمہاری ماں نے تمہیں یہ باور کروایا کہ وہ تمہاری شادی اپنی بھانجی سے کرنا چاہتی ہے۔ تب تو تم نے کوئی انکار نہیں کیا، اگر شروع دن سے مزاحمت کر دیتے تو آج یہ نوبت نہ آتی......“
”شروع دن سے کیسے انکار کرتا آپ جانتے تو ہیں نا اماں کو ایک بار جو ٹھان لیتی ہیں

وہ کر کے ہی رہتی ہیں" احمد نے پریشانی سے انگلیاں بالوں میں پھنساتے ہوئے بودا سا عذر پیش کیا۔

"واہ میاں واہ! یہ تمہاری پوری زندگی کا فیصلہ ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، یہ زندگی ہے کوئی بازار میں لگی سیل نہیں جو تم ایک بار اپنی مرضی کی شرٹ خریدنے کے بجائے ماں کی مرضی کی خرید لو گے اس شرط پر کہ اگلی بار تم اپنی مرضی کی شرٹ لو گے" ابا نے سرد مہری سے احمد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے لتاڑا۔

"ابا اب آپ مجھے مزید پریشان کر رہے ہیں، میں آپ سے بات کرنے آیا تھا کیونکہ مجھے امید تھی کہ اس بھری دنیا میں صرف آپ ہیں جو میری فیلنگز کو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر افسوس آپ ہی مجھے سمجھ نہیں پا رہے" احمد نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے شکوہ کیا۔

"میں کیا تم خود بھی اپنے آپ کو سمجھ نہیں پا رہے" ابا نے احمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مطلب" وہ چونکا پھر سنبھل کر بولا

"مطلب یہ کہ تم ماں کو خوش رکھنا چاہتے ہو یا اپنے دل کو آباد"۔

"میں کشمکش میں ہوں ابا، کتنے دنوں سے میں سو نہیں سکا، فریال میری واحد خوشی ہے میں بتانا چاہتا تھا امی کو مگر مناسب وقت پر، میرا خیال تھا کہ جب خالہ کے بجائے ماموں کے گھر رشتے لے کر جانے کا کہوں گا تو وہ خوشی خوشی مان جائیں گی، مگر اس سے پہلے میں اپنی خوشی انہیں بتاتا انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا وہ بھی میری رائے جانے بغیر" وہ سانس لینے کو رکا تھا اور پھر گویا ہوا۔

"میں نے ہمیشہ اپنی رائے پر اماں کی رائے کو مقدم رکھا، مجھے کون سے سکول، کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لینا، کون سے مضمون رکھنے ہیں، ٹیوشن لینے کی ضرورت ہے یا نہیں، کون سی گیم کھیلنی ہے کون سا رنگ پہننا ہے حتیٰ کہ کھانے کی ٹیبل پڑی اماں کی پسند کی چیز کو مزے لے لے کر کھاتا ہوں تا کہ اماں کو برا نہ لگ جائے، اپنی خوشی پر اماں کی خوشی کو ہمیشہ مقدم رکھا، لیکن اس بار میں اپنے دل کو آباد رکھنا چاہتا ہوں مگر ایسے کہ میری ماں بھی میرے دل کے آباد ہونے پر خوش ہو" اب کے اس نے بغیر کسی عذر کے اپنی رائے پیش کی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسٹڈی روم سے باہر نکل گیا۔

❖❖❖

پھر بہت سارے دن خاموشی سے گزر گئے، اماں کا موڈ کافی حد تک بہتر ہو گیا تھا احمد سے ان کی بات چیت تا حال بند تھی کیونکہ اگر اس نے واضح انکار نہیں کیا تھا تو خالہ کے گھر رشتہ لے کر جانے پر رضا مند بھی نہیں ہوا تھا۔ رابعہ بیگم کا خیال تھا کہ احمد ہمیشہ کی طرح ان کی خوشی میں اپنا سر جھکا دے گا اور اشفاق صاحب یونیورسٹی کے بعد اپنا زیادہ تر وقت کتابیں پڑھنے میں گزارتے انہیں بھلا ان معاملات میں کیا دلچسپی ہوگی اور یہ بات تو اکثر وہ احمد اور اشفاق صاحب کے کان میں ڈالتی رہتیں کہ "بہو میں اپنی پسند کی لاؤں گی" حالانکہ ان کے گھر میں کوئی بھی چیز رابعہ بیگم کی پسند کے بغیر نہیں آئی اور نہ ہی کبھی لانے کی کوشش کی گئی۔ جبھی تو وہ بغیر کسی خوف و خطر کے اپنی مرضی چلانے کی عادی ہو گئی تھی۔ اب بھی ان کا یہ ہی ارادہ تھا۔ احمد جو چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی ماں کی رائے کو مقدم رکھتا بھلا زندگی کے اتنے اہم فیصلے پر کیسے ماں کی رائے کو رد کرے گا اور اس کا ذکر جب انہوں نے رات سونے سے پہلے اشفاق

صاحب سے کیا تو انہوں نے فقط اتنا کہا کہ "احمد کی مرضی پوچھ لینا زندگی بھر کا معاملہ ہے" ان کی بات پر رابعہ بیگم نے ہنکار بھرتے ہوئے کہا "اس سے پہلے کبھی انکار کیا ہے میری بات کا جو اس بار کرے گا" اور صبح ناشتے کی ٹیبل پر جب انہوں نے احمد سے اس بارے میں ذکر کیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ واپس ٹیبل پر رکھا اور اللہ حافظ کہتا سرعت سے اٹھا اور گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا اور رابعہ بیگم کی نظریں بے اختیار شوہر پر گئیں جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ آپ کی یہی پڑھائی ہوئی پٹی ہوگی ورنہ آج تک ایسے ہوا ہے کہ احمد میری کسی بات سے اختلاف کرے، خیر رابعہ بیگم نے احمد اور اشفاق صاحب سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر بھوک ہڑتال اور بات چیت بالکل بند کی ہوئی تھی، آج کافی دنوں بعد انہوں نے خود احمد کی پسند کا کھانا بنایا تھا کہ آخر اتنے دن ماں سے ناراضگی کے بعد یقیناً اس کا دل پسیج گیا ہوگا۔ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگانے کے بعد انہوں نے شبنم (نوکرانی) کو بھیجا کہ احمد اور اشفاق صاحب کو کھانے کے لئے بلا لائے اور خود اپنی سیٹ سنبھال لی، اشفاق صاحب اور احمد دونوں اکٹھے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے احمد نے پہلے ابا کے لئے کرسی کھینچی اور پھر خود اماں کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کھانا خاموشی سے کھایا جا رہا تھا کہ اچانک رابعہ بیگم نے احمد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"احمد تمہارا اس سنڈے کا کوئی پلان تو نہیں دراصل میں چاہ رہی تھی تمہاری خالہ کے گھر جا کر باقاعدہ طور پر رشتہ کی بات کر آئیں" رابعہ بیگم نے احمد سے بات کرتے ہوئے تائید طلب نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ احمد پہلے ہی برائے نام کھا رہا تھا مگر ان کی اس بات پر منہ تک جاتا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ابا کو اشارہ کیا۔

"جبکہ میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں" اشفاق صاحب نے پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا، شاید زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ انہوں نے بیگم کی کسی بات کی نفی کی تھی۔ رابعہ بیگم جتنی حیران ہوتی کم تھا۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے اشفاق صاحب! ذرا وضاحت فرمائیں گے آپ" رابعہ بیگم طنزیہ لہجے میں شوہر سے پوچھا۔

"اس لئے کہ احمد میرا بھی بیٹا ہے اور میں بھی اس پر اتنا ہی حق رکھتا ہوں جتنا کہ آپ، اور میں اس کی زندگی کا اہم فیصلہ اپنی مرضی سے کرنا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے اپنی مرضی پر زور دیتے ہوئے رابعہ بیگم کو تاؤ دلایا۔ احمد اب پرسکون ہو کر کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کچھ دن پہلے ابا نے بالکل بھی ہاں کرنے کی حامی نہیں بھری تھی۔ اچانک کیسے راضی ہو گئے وہ بھی تب جب احمد ان کی طرف سے بالکل ناامید ہو گیا تھا۔

"اس سے پہلے تو آپ نے کبھی اپنی مرضی ظاہر نہیں کی" انہوں نے نظروں ہی نظروں میں احمد کو لتاڑا جو ان دونوں کی گفتگو سے بے خبر (بظاہر) مزے سے بریانی پلیٹ میں نکال رہا تھا۔

"اس سے پہلے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ خیر اس سنڈے ہم احمد کی خالہ کے بجائے اس کے تایا کے گھر جائیں گے" انہوں نے سکون سے کہتے ہوئے دونوں ماں بیٹے کو باری باری دیکھا۔ رابعہ بیگم تو رابعہ بیگم خود احمد نے بھی انہیں حیران و پریشان نظروں سے دیکھا جیسے کہہ

رہا ہو۔ ''کیا کر رہے ہیں ابا تایا نہیں ماموں کے گھر جانا ہے ہمیں'' مرضی سے فیصلہ کرنا اور اتوار کو تایا کے گھر جانا، بات کچھ کچھ رابعہ بیگم کی سمجھ میں آ رہی تھیں۔

''مگر کیوں'' وہ سمجھتے ہوئے بھی نا سمجھ بن رہیں تھی یا خود کو بہلا رہی تھی۔

''ظاہری بات ہے احمد کے رشتے کے لئے ثانیہ مجھے اول روز سے ہی احمد کے لئے موزوں لگی، اور مجھے یقین ہے بھائی صاحب ہرگز بھی ہمیں انکار نہیں کریں گے'' رابعہ بیگم کے ساتھ ساتھ احمد کو بھی لگا کہ کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے''

''ثانیہ اول روز سے آپ کو کیسے احمد کے لئے موزوں لگی۔ حالانکہ ثانیہ سے پورے پانچ سال احمد چھوٹا ہے'' رابعہ بیگم نے آنکھیں چندھیا کر شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ احمد دل ہی دل میں ابا کو غدار اور بے وفا دوست کے لقب سے نواز رہا تھا کہ میری محبت میں پہلے اماں کم تھی روڑے اٹکانے کے لئے کہ اب آپ نے بھی انٹری مار دی۔

''بھلا جس عورت نے مجھے کبھی سسرال میں سکون سے رہنے دیا اس کی بیٹی کو میں کیسے اپنی بہو بنا سکتی ہوں۔'' چلو میری تو چھوڑو...... ثانیہ اور احمد کا بھی کوئی جوڑ ہے پانچ سال، پورے پانچ سال بڑی ہے ثانیہ احمد سے'' رابعہ بیگم کا غم کسی طور پر کم نہ ہو رہا تھا اور اشفاق صاحب اب خود سکون سے بیٹھے رابعہ بیگم کے سکون کو غارت ہوتا دیکھ رہے تھے۔

''ثانیہ ماں سے بہت مختلف ہے بیگم آپ اس بارے میں ہرگز پریشان نہ ہو''۔ اشفاق صاحب نے شبنم سے گرین ٹی لیتے ہوئے ان کی پریشانی دور کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

''ثانیہ ماں سے مختلف ہو یا نہ ہو لیکن میں بتا رہی ہوں آپ کو احمد کی شادی اس کے ددھیال میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔''

''تو یوں کہو نا کہ تمہیں اپنے سسرال والوں سے خدا واسطے کا بیر ہے'' اشفاق صاحب نے دو بدو جواب دیا۔

''اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی مگر احمد کی شادی اپنی خالہ کے گھر ہی ہوگی'' رابعہ بیگم نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے اپنی طرف سے حتمی فیصلہ دیا۔

''آپ بھی میری بات کان کھول کر سن لیں بیگم اگر احمد کی شادی ہوگی تو صرف اور صرف ثانیہ سے ورنہ نہیں ہوگی'' ڈائننگ ٹیبل پر اچانک گھمسان کا رن پڑ چکا تھا، اماں اور ابا دونوں اپنے اپنے فیصلے سنا چکے تھے، احمد اس دوران خاموشی سے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں کلک پیدا ہوا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ امی جب بھی اس کی رائے پر اپنی رائے مسلط کرنے کی کوشش کرتی تو ابا درمیان میں کود پڑتے تھے اپنی رائے پیش کرنے کے لئے۔ امی کو ہمیشہ ناگوار گزرتا کہ کوئی ان کے فیصلے یا رائے میں مین میخ نکالے اور ابا تو ہمیشہ سے احمد کی مدد کرنے کے لئے اپنی رائے پیش کرتے تا کہ مجبوراً رابعہ بیگم کو احمد کی رائے لینی پڑے اور فیصلہ احمد کی مرضی کا ہو، گو کہ احمد ہمیشہ سے ہی رابعہ بیگم کی رائے کو مقدم جانتا۔ حتیٰ کہ وہ بزنس کرنا چاہتا تھا اور اس کا ارادہ ایم بی اے کرنے کا تھا جبکہ رابعہ بیگم کی خواہش تھی احمد انجینئر بنے تب بھی جان بوجھ کر اشفاق صاحب نے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ احمد ڈاکٹر بنے تا کہ مجبوراً رابعہ بیگم کو احمد سے رائے لینی پڑے اور احمد ہم دونوں کی خواہش کے بجائے اپنی پسند کے شعبے کو ترجیح دے۔ لیکن احمد نے یہاں بھی رابعہ بیگم

رابعہ بیگم اب اکثر شوہر کو کہتی تھی کہ دیکھو میرا فیصلہ درست ہے کیونکہ احمد نے وقت کے ساتھ ساتھ خود کو ذہنی طور پر اس فیلڈ میں ایڈ جسٹ کر لیا تھا لیکن اس بار فیصلہ ذرا مشکل تھا۔

''احمد کہاں گم ہو بتاؤ تم تمہارا کیا فیصلہ ہے'' رابعہ بیگم نے احمد کو سوچوں میں گم دیکھا تو گلا کھنکارتے ہوئے کہا۔

''ہاں احمد بتاؤ بیٹا تمہارا کیا فیصلہ ہے آخر کو زندگی تو تم نے گزارنی ہے'' اور احمد دل ہی دل میں ابا کو داد دے رہا تھا کہ ابا آپ ایک اچھے پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے دوست اور ایکٹر بھی ہیں۔ احمد نے سامنے موجود دنوں نفوس کو دیکھا اور بات کا آغاز کیا۔

''میں نہیں چاہتا کہ آپ دنوں میں میری وجہ سے لڑائی ہو'' اس نے بابا کی طرف دیکھنے سے اجتناب کیا۔

''آپ دونوں کی رائے میرے لئے ہمیشہ مقدم تھی اور رہے گی، لیکن میں فیصلہ ایک کے حق میں دے کر دوسرے کو دکھ نہیں دینا چاہتا''۔

''مطلب'' رابعہ بیگم نے اس کی بات درمیان سے اچک لی۔

''مطلب یہ کہ...... امی میں آپ دونوں کو دکھ نہیں دینا چاہتا نہ ہی ابا کو اور نہ آپ کو...... تو بجائے خالہ اور تایا کے گھر جانے کے آپ اس سنڈے کو ماموں کے گھر چلے جائیں، آپ اور ابا دونوں خوش (اور میں بھی) اور آپ دونوں کی لڑائی (جو میری وجہ سے ہے) بھی ختم ہو جائے گی'' احمد نے جلدی جلدی بات مکمل کی مبادا بات بھول نہ جائے اور شکوہ کناں نظروں سے ابا کو دیکھا اگر پلان بنانا تھا تو پہلے بتا دیتے کم از کم وہ مینٹلی طور پر تیار تو ہوتا، احمد کی بات سن کر رابعہ پیاری تھی اور کافی عرصے سے ہی وہ اس کو بہو کے روپ میں دیکھ رہی تھی، مگر اشفاق صاحب کے فیصلے سے بچنے کے لئے یہ ہی مناسب حل تھا، فریال سے اگر احمد کی شادی ہو جاتی ہے تو تب بھی ان کا ہی پلڑا بھاری ہے اور ویسے بھی فریال بہت سلجھی ہوئی اور پڑھی لکھی بچی ہے اور سب سے بڑھ کر احمد کی ہم عمر ہے۔ انہیں اور کیا چاہئے تھا۔

''احمد مجھے تمہارا مشورہ پسند آیا'' رابعہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب اپنے ابا سے پوچھ لو'' رابعہ بیگم نے بات مکمل کی اور ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئی۔

''ابا آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں'' احمد نے معصوم بننے کی ایکٹنگ کی۔

''ہاں کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ اس کے بعد مجھے اپنی عزیز از جان بیوی سے لڑائی (مصنوعی) پر مجبور نہ کیا جائے'' ابا نے مسکراتے ہوئے کہا اور احمد کو گلے لگایا جو آج کافی دنوں بعد کھل کر مسکرایا تھا۔

''میرے خیال میں یہ آپ دونوں کی پچیس سالوں میں پہلی باقاعدہ لڑائی ہے'' احمد نے شرارت سے کہتے ہوئے ابا کو دیکھا۔

''پہلی اور آخری'' اشفاق صاحب نے کہا اور ڈائننگ ٹیبل سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا آئیں شطرنج کی بازی لگاتے ہیں'' احمد نے ابا کو ڈائننگ ہال سے نکلتے ہوئے دیکھا تو آفر کی۔

''نہیں میاں آج کے لئے ایک ہی چال کافی ہے'' اور یہ ہی سب سے عمدہ چال تھی دو محبت کرنے والوں کو آپس میں ملانے کی چال۔

☆☆☆

ریما نور

"ملیکہ! تم پورے دو گھنٹے لیٹ ہو۔ وجہ جان سکتی ہوں کیا......؟" کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے دایاں ہاتھ میں موجود فائلز کو بائیں ہاتھ میں منتقل کیا تھا۔ اس کا دل سوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں کو زبان پھیر کر تر کیا تھا۔

"چاچی جی! وہ آج آفس میں اسٹاف میٹنگ تھی۔"

اس نے سہمی ہوئی نگاہ اپنی بے بس ماں پر ڈالتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا تھا۔

"جھوٹی آفس میں مردوں کے ساتھ وقت رنگین کرتی ہے اور مجھے بے وقوف سمجھتی ہے۔ اگر دل میں خوف خدا نہ ہوتا تو تم دونوں ماں بیٹی کو لمحہ بھر بھی اس گھر میں برداشت نہ کرتی۔"

سلمٰی بیگم تنفر ونخوت سے بولی تھی اور وہاں سے چلی گئی تھیں۔

"مما! آپ کیوں لب کشائی نہیں کرتیں۔"

کمرے میں ہینڈ بیگ اور فائلز رکھتے ہی وہ ماں کے روبرو کھڑی شکوہ کناں تھی۔

"بیٹا! بعض اوقات خاموش رہنے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ سائبان ہمارے سر پر نہ رہے۔"

حائقہ بیگم دھیمی سی آواز میں بولی تھیں۔

"مما! یہ گھر پپا نے آپ کے لئے بنایا تھا۔ یہ گھر ہمارا ہے۔" وہ اٹل لہجے میں بولی تھی۔

"بیٹا! قانون اس بات کو نہیں مانتا۔ وہ تو کاغذات پر یقین رکھتا ہے۔ قانونی اعتبار سے یہ گھر سلمٰی کا ہے۔"

وہ روہانسی سی بولی تھی "مما! آج ہم بے بس لاچار مجبور ہیں۔ وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا۔ آپ دیکھئے گا کہ میں کس طرح ان ظالم جابر لوگوں سے اپنا گھر لیتی ہوں۔"

وہ پُرسوچ انداز میں گویا تھی۔

"بیٹا! تعلیم ہمیں اپنے بُرے کی تمیز وشعور سکھاتی ہے۔ مجھے اپنی بیٹی پر مکمل اعتبار ہے کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی جو اخلاقی اقدار پر انگلی اٹھانے کے برابر ہو۔"

"مما! چلیں کھانا کھا لیتے ہیں بھوک سے حالت بُری ہو رہی ہے۔"

ملیکہ عباسی نے یکدم باتوں کا رخ پھیرا تھا۔

"میں بھی عجیب ماں ہوں۔ تو صبح کی آفس گئی اب گھر آئی ہے۔ تجھے کھانے کا نہیں پوچھا۔"

حائقہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تھا۔

❖❖❖

"ملیکہ! مجھے تم کے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

وہ اپنے کیبن میں بیٹھی کام کرنے میں مصروف تھی۔ اس کی مخروطی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر متحرک اور نگاہیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔

"جی کہیئے......"

وہ مصروف سے انداز میں بولی تھی۔
"تم تو مجھے ایسے نظر انداز کرتی ہو جیسے میں تمہارا باس نہیں آفس کولیگ ہوں......"
وہ خائف ہوا تھا۔
"آپ میرے باس ہیں۔ میرے لئے قابل تعظیم ہیں سر۔"
وہ مودب و مہذب سے انداز میں بولی تھی۔
"ملیکہ! پچھلے دو سال سے میں تم سے ایک ہی بات کہے جا رہا ہوں۔ تم کوئی جواب کیوں نہیں دیتیں......"
"مسٹر شرجیل! آپ میرے تایا زاد نہ ہوتے تو آپ کی جرأت نہ تھی کہ یوں سرعام

اعتراف محبت کرتے اور میں خاموشی سے آپ کی بات کو نظر انداز کر دیتی۔ میری مجبوری ہے کہ مما کو میرا یہاں کے علاوہ کہیں اور جاب کرنا پسند نہیں اسی لئے میں آپ کو آپ کے آفس میں گزشتہ دو سال سے نظر آ رہی ہوں لیکن اگر آپ کا یہی رویہ رہا تو میں کہیں اور جاب کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔"

چند ثانیوں کے لئے اس کے کام کرتے ہاتھ ساکت ہوئے تھے۔

"ملیکہ! مجھے رد کرنے کی وجہ تو بتاؤ۔ میرے اختیار میں ہوا تو تمہیں اپنی ہر کمی کوتاہی وفا سے دور کر کے دکھاؤں گا۔ تم سے نجانے کب اور کیسے اتنی شدید محبت ہو گئی ہے کہ اب تم بن گزارہ سوہان روح ہے۔"

وہ خوبرو نوجوان مردانہ وجاہت سے بھرپور دونوں ہاتھ اس کی ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف جھکا اور کہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس سے انکار کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔

"شرجیل! دنیا میں مجھ سے بہتر ہزاروں لڑکیاں موجود ہیں۔ تم کیوں میرے پیچھے پڑے ہو۔"

اس نے منہ پھیر کر سخت لہجے میں غصے بھرے انداز میں کہا تھا۔ اس کی جانب نظریں نہ کی تھیں کہ محبت بھری نگاہوں میں اپنا عکس دیکھ کر وہ کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کر من کا بھید نہ کھل جائے کہ شرجیل کی محبت بھری مسلسل دستک نے اس کے دل کے دروازے وا کر ڈالے تھے۔ اس کے من کے ایوانوں میں اس کی محبت رقصاں تھی۔

"مجھے تم سے محبت ہے......"

وہ محبتوں کی شدتیں لئے گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

"اس محبت کا انجام جانتے ہیں آپ۔"

ملیکہ نے خود کو مضبوط کر کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......"

وہ ناسمجھی والے انداز میں استفسار کر رہا تھا۔

"مجھے صرف تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ تائی امی کا رویہ دیکھا ہے۔ وہ تمہاری متوقع بیوی وہ تو لمحہ کی تاخیر کے بنا مجھے قتل کر ڈالے گی......"

وہ صاف گوئی سے سچ کہہ گئی تھی۔

"ملیکہ صاحبہ! تو محبت تو تمہیں بھی ہے مجھ سے بس زمانے کا خوف ہے۔"

وہ مسرور سا مبہم انداز میں مسکرا کر بولا تھا۔

"جی نہیں مجھے محبت نہیں......"

وہ گڑبڑا کر فوراً بولی تھی۔

"تم ساتھ دو، مما خود بدل جائیں گیں اور سائرہ میری بچپن کی منگ تھی۔ میں نے اس سچائی سے آگاہی ملتے ہی سب کے سامنے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا اور میری متوقع بیوی ملیکہ عباسی ہے۔"

وہ دونوں بازو زینے پر باندھتے ہوئے پُراعتماد انداز میں بولا تھا۔

"شرجیل! پلیز کام کرنے دو......"

وہ یکدم بیگانگی بھرے لب و لہجے میں بولی تھی اور فائل کھول کر اس میں محو ہو گئی۔

✧✧✧

"مما! آج پھر شرجیل اور ملیکہ ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔"

سائرہ نے شرجیل کے آفس میں اپنے مخبر سے معلومات ملتے ہی سلمٰی بیگم کو بتایا تھا۔

"افففف میں کیا کروں اس چلتر باز کا......"

سلمٰی بیگم غصے سے بولی تھیں۔

"بھابھی! کیسی تربیت ہے آپ کی بیٹی کو ذرا جو تمیز و تہذیب سکھائی ہو۔"

"سلمٰی! میری تربیت پر انگلی اٹھانے سے

پہلے اپنی تربیت بھی ملاحظہ فرمالو......"
حائقہ بیگم زیر لب بڑبڑاتے ہوئے خشمگیں نگاہ ان پر ڈال کر رہ گئیں تھیں۔
"کیا کہا......!"
سلمیٰ بیگم کی تیوری پر یکدم ہی کئی بل نمودار ہوئے تھے۔
"نن......نہیں......کچھ......نہیں......"
وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھیں۔
سلمیٰ بیگم غصے سے تن فن کرتی وہاں سے چلی گئیں تھیں۔

✧✧✧

"ملیکہ بیٹا! آج پھر سائرہ اور سلمیٰ نے تماشا لگایا ہوا تھا کیا تم شرجیل کے ساتھ تھیں......"
رات کے کھانے کے بعد کے تمام تر برتن دھو کر حائقہ بیگم ملیکہ اور اپنے مشترکہ کمرے میں آئیں تھیں۔ ملیکہ لیپ ٹاپ پر کام کرتے ہیں مصروف تھی۔
"مما! آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ شرجیل بچپن سے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ ہر روز ہی اپنی محبت کا اظہار کرنے آجاتا ہے۔"
وہ تنک کر بولی تھی۔
"بیٹا! پھر کیا سوچا ہے اس بارے میں مجھے"
انہوں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔
"مما! میرے لئے محبت سے زیادہ عزت اہم وخاص رہی ہے۔ شرجیل سے شادی کر کے مجھے محبت تو مل جائے گی لیکن عزت عزت کبھی بھی نہیں ملے گی۔ تائی امی مجھے کبھی بھی بہو قبول نہیں کر پائیں گیں۔ سلمیٰ چچی اور سائرہ پہلے ہی جانی دشمن ہیں۔ مزید یہ دشمنی بڑھ جائے گی۔ اک محبت کی خاطر اتنے سارے لوگوں کی نفرت میں نہیں سہہ سکتی۔ اسی لئے بہتر یہی ہے کہ اس رشتے سے ہی انکار کر دیا جائے۔"
دور آسمان پر چھائی سیاہی کو بغور تکتے ہوئے ملیکہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اس کے صبیح چہرے پر حد درجہ سنجیدگی موجود تھی۔
"میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہے۔"
حائقہ بیگم مطمئن بھرے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔
"مما! ہماری زندگی میں پہلے ہی مشکلات کم نہیں۔ میں کبھی ایسا نہیں چاہوں گی کہ ان مشکلات میں اضافہ ہوا۔"
ملیکہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ماں کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر مسکرا کر بشاشت بھرے انداز میں بولی تھی۔
"بیٹا! میری خواہش ہے کہ تم سدا خوش و سکھی رہو۔ شرجیل کے ساتھ تمہارا مستقبل شاندار و تابناک ہوگا۔"
حائقہ بیگم نے من میں بسی خواہش کا برملا اعتراف کیا تھا۔
ملیکہ کا دل یکدم ہی مچلا تھا۔ چاہتی تو وہ بھی شرجیل کو ہی تھی۔ لیکن چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اطراف کے ماحول کو بھی دیکھنا اور سمجھنا ہوتا ہے۔ زندگی بھر ذلت اٹھانے سے بہتر ہے کہ دو پل کی محبت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ محبت مقدر میں ہو تو مل ہی جاتی ہے۔ عزت رخصت ہونے کے بعد کسی کی بھی دہلیز کو دوبارہ قدم نہیں رکھتی۔
ملیکہ نے بہت سوچ و سمجھ کر فیصلہ کیا تھا اور اب اُسے اس فیصلے پر قائم رہنا تھا۔ کوئی بھی ذی روح محبت سے دستبرداری نہیں چاہتا۔ لیکن وقت و حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔
ملیکہ نے بھی دل مضبوط کر کے ایک فیصلہ کیا تھا۔ جس میں دل دُکھی تھا۔ لیکن دماغ خوش تھا۔

✧✧✧

حنا کے رنگ

تحریم محمود

القرآن

مومنوں کی بات اس کے سوا نہیں کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی فلاح (دو جہاں) کی کامیابی پانے والے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے۔ پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

سارا حیدر، کوٹ اددو

حدیث مبارکہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور نہ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنو، نہ ٹوہ لگاؤ نہ دوسرے کے سودے پر شخص دھوکا دینے کے لئے بڑھ کر قیمت لگاؤ۔ نہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ باہم بغض رکھو نہ آپس میں بول چال بند کرو اور سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''

علینہ طارق، لاہور

''صرف اللہ سے مانگو''

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے تو تم بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو حرام سمجھو۔''

''اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں ہدایت دوں۔ پس مجھ سے ہدایت کی دعا مانگو تو میں تمہیں ہدایت دوں۔''

''اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں کھانا دوں پس مجھ سے روزی مانگو تو میں تمہیں کھلاؤں۔''

''اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں پہناتا ہوں، تو مجھ سے کپڑا مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔''

''اے میرے بندو! تم رات میں اور دن میں گناہ کرتے ہو اور میں معاف کر سکتا ہوں، پس مجھ سے معافی مانگو، میں تمہیں معاف کر دوں گا۔'' (مسلم شریف)

فلاح نعیم، شیخوپورہ

انمول موتی

☆ امن کی فاختہ وہیں اترتی ہے جہاں پیار اور صلح کی دھوپ پھیلتی ہے۔

☆ رشتے اہم نہیں ہوتے ان کو سمجھنے کے طریقے اہم ہوتے ہیں۔

☆ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دوست کون ہیں۔ پھر میں بتاؤں گا کہ تم کون ہو۔ (سروانٹس)

☆ جس کا لباس باریک اور ہلکا ہوگا اس کا ذہن بھی ضعیف ہوگا۔ (امام غزالی)

☆ پاؤں کبھی غلط راہ پر نہیں اٹھتے جب تک آپ خود نا چلیں۔

☆ ملنے کے دو ہی معیار ہوتے ہیں۔ خیالات ملتے ہوں یا خون۔

☆ میں یہ دعا نہیں کرتا کہ دشمن مر جائے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ، کہ دوست زندہ ہو جائیں۔
راضیہ سراج، مظفر گڑھ

سچی باتیں

۱۔ کچھ چیزیں انجوائے کرنے کے لئے ہوتی ہیں مگر کچھ چیزیں محسوس کی جاتیں ہیں جیسے "سچی محبت، گہری شاعری، پھولوں کی خوشبو، آنسوؤں کی کہانی، ہونٹوں کی مسکراہٹ"
۲۔ ہر انسان قدرتی خوبصورتی اور کشش رکھتا ہے۔
۳۔ ظاہری خوبصورتی سے بڑھ کر سچے جذبات ہی خوبصورتی ہیں۔
۴۔ جوانی رنگینیاں مانگتی ہے جس میں تتلی بن کر رنگوں میں اڑے لیکن کچھ لوگ کچھ اور ہی ہوتے ہیں یہ وہی جانتے ہیں جو سوچتے ہیں۔
۵۔ ضروری نہیں شاعری کرنے والا ہر کوئی محبت و بے وفائی کا مارا ہو کچھ شاعری اپنی محبت کو پانے کے لئے بھی کی جاسکتی ہے۔
۶۔ کسی کو کچھ دینا ہے تو چاند کی چاندنی دو، پھولوں کی خوشبو دو، اپنی روح کا سکون دو، اپنے دل کی دھڑکن دو، یہ سب وہی دے سکتا ہے جو سچے جذبات رکھتا ہو اور وہ جانتا ہے یہ سب کیسے دے۔
۷۔ کسی دامن میں پڑے کانٹے چن لو اور بدلے میں پھول ڈال دو۔
۸۔ سچی محبت وہ ہے جو تمہاری روح میں سما جائے اور اس کی خوشبو آئے۔
۹۔ دنیا میں وہ انسان سب کچھ رکھتا ہے جسے سچی محبت حاصل ہو۔

رضا فاطمہ، ملتان

اے ابن آدم!

ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے۔ پر ہوگا جو وہی جو میری چاہت ہے۔ پس تو نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا تجھ کو وہ بھی جو تیری چاہت ہے۔ اگر تو نے نافرمانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تجھ کو تھکا دوں گا، اس میں جو تیری چاہت ہے اور پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔ (حدیث قدسی)
رابعہ طارق، لاہور

حضرت عمرؓ کی جرأت واستقامت

اسلام کے آغاز میں جب مسلمان ضعف کی حالت میں تھے، حضرت عمرؓ جن کی بہادری اور شجاعت سے بچہ بچہ واقف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اسلام کی قوت کے واسطے ان کے مسلمان ہونے کی دعا کی، جو قبول ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ کعبے کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمرؓ مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے چھپ کر ہجرت کی مگر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی اور بہت سے تیر ساتھ لیے۔ پہلے مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمع میں گئے اور فرمایا کہ "جس کا یہ دل چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی بیوہ ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکے سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔" یہ بات الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے، کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ حضرت عمرؓ کا پیچھا کرتا۔ (اسد الغابہ)
غزالہ جبیں، ملتان

زرین اطہر صدیقی ---- راولپنڈی
دل کی گلیوں کے سبھی راستے ازبرا ہیں ہمیں
اک ذرا نظر کی چوکھٹ سے پرے آنے دے
ہم تیرے نام پہ لکھ دیں گے زندگانی اجر
بس وہ اک لمحہ اظہار وفا آنے دے

....

ہم بھی اتریں گے تیرے دل پہ وحی کی صورت
گماں کی تبستی میں عہد یقین کی صورت

....

ہم نے جن سے پیار کیا اور جن کے ناز اٹھائے
ان لوگوں نے شیشے گھر پر پتھر ہی برسائے
سباس گل ---- رحیم یار خان
جب سے اترا ہے وہ آسیب کی مانند مجھ میں
جوگی بن کر ہیں کئی خواہشیں محو رقصاں

....

بڑھے ہی آرہے ہیں پھر کسی طوفان کی صورت
لگا کر ہی یہ دم لیں گے ٹھکانے آشیاں میرا
بہت سا گولہ و بارود بھی ہمراہ لائے ہیں
چلے ہیں پھر یاروں جلانے آشیاں میرا

....

خودی کے ساتھ زندہ ہوں ابھی تک اس لئے یارو
کسی کو بھی میرا یہ بانکپن اچھا نہیں لگتا
کریں گے موسم گل میں چمن زاروں کو ویرانے
چمن والوں کو شاید اب چمن اچھا نہیں لگتا
مہناز کوثر سومرو ---- رحیم یار خان
مجھے اس کا غم نہیں کہ بدل گیا زمانہ
میری زندگی تم سے ہے کہیں تم بدل نہ جانا

....

بڑا کٹھن ہے راستہ جو آ سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کا فاصلہ مٹا سکو تو ساتھ دو
بڑے فریب کھاؤ گے بڑے ستم اٹھاؤ گے
یہ عمر کا ساتھ ہے نباہ سکو تو ساتھ دو

....

ملے وہ زخم کہ کوشش سے بھی چھپا نہ سکے
کہ اب کے سال تو جبراً بھی مسکرا نہ سکے
یہاں تو لوگ عجیب نفرتوں میں زندہ ہیں
ہمیں تو پیار کے لمحے بھی راس آ نہ سکے
رابعہ اسلم ---- رحیم یار خان
درد انعام میں بخشا ہے تیری یادوں نے
ڈوبتے دل کو دیا جب بھی سہارا ہم نے

....

کچھ بات ہے تیری باتوں میں
یہ بات کہاں تک آ پہنچی
ہم دل سے گئے دل ہم سے گیا
یہ بات کہاں تک آ پہنچی

....

کبھی سائباں نہ تھا بہم کبھی کہکشاں تھی قدم قدم
کبھی بے مکاں کبھی لامکاں میری آدھی عمر گزر گئی
اسے پا لیا اسے کھو دیا کبھی ہنس دیا کبھی رو دیا
بڑی مختصر ہے یہ داستاں میری آدھی عمر گزر گئی
کاشف نصیر گونل ---- ضلع لیہ
اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

....

خامشی جرم ہے جب منہ میں زبان ہو اکبر
کچھ نہ کہنا بھی ہے ظالم کی حمایت کرنا
مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

....

خطہ ارضی کو خود جنت بنا سکتے ہیں ہم
دلولہ دل میں امنگوں کا اگر پیدا کریں
محمد سعید نوئی ---- عارف والا
شعلہ حسن سے جل جائے نہ چہرے کا نقاب
اپنے رخسار سے پردے کو ہٹائے رکھنا

....

چہرہ ہر صورت کو اپنی شکل میں ڈھال گیا ہے
شہر کے آئینوں سے باقی سارے عکس نکال گیا ہے
اب تو شاید دکھ وفا سن کر بھی میرا دل نہ دھڑکا
یاد کا جھونکا پھر اس پھول میں خوشبو ڈال گیا ہے

....

فراق یار کے لمحے گزر ہی جائیں گے
چڑھے ہوئے دریا اتر ہی جائیں گے
تو میرے حال پریشان کا کچھ خیال نہ کر
جو زخم تو نے لگائے ہیں بھر ہی جائیں گے
حنا ناز ---- پنڈ دادنخان
یہ دو دلوں کی میت کہانی ہے
پیشانی پہ میرا بھی نام لکھنا ہے
سجاؤں گی جب میں چوڑیاں ہاتھوں میں
مہندی میں سجناں تیرا نام لکھنا ہے

....

وہ داستان محبت کرنے کے بیاں ہنر جانتا تھا
اس لئے لوگ آج اسے بڑا کہانی گو مانتے ہیں

....

کل تو کسی سے کہہ رہا تھا
ہوا بہت خنک ہے آج دوست
تجھے کب معلوم ہوا تھا کہ
شامل اس میں میرے چند آنسو بھی ہیں
ڈاکٹر واجد نگینوی ---- کراچی
اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
پھولوں کے مہکنے سے چڑیوں کے چہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی

....

جو یادگار پل ہمارے سنگ گزرے ہیں
کبھی تو کسی موڑ پر ہم تمہیں یاد آئیں گے
اچھا لگتا نہیں مجھ کو ہم نام تیرا
کوئی تجھ سا ہو تو نام بھی تجھ سا رکھے

....

بیٹھے سوچتے ہیں مگر کچھ یاد نہیں آتا
جانے کب سے آباد تو دل کے نگر میں ہے
کوئی تصویر نہ ابھری تیری تصویر کے بعد
ذہن خالی ہی رہا کاسہ سائل کی طرح
حنا محمد حنیف میمن ---- کراچی
جھیل سی اپنی طبیعت ہے ذرا سی بات پر
ذہن میں الفاظ جم جاتے ہیں کائی کی طرح

....

جانے کیوں یہ گماں رہتا ہے
کہ وہ نظر آئے گا سرراہ چلتے وقت
خدا لکھ دے گا اسے میری قسمت میں
کسی قبولیت کی گھڑی میں شام ڈھلتے وقت

....

کس طرح مجھے ہوتا گماں ترک وفا کا
آواز میں ٹھہراؤ تھا لہجے میں روانی
بہت کم لوگ واقف ہیں سخن آثار لمحوں سے
جسے محسوس کرتے ہیں اسے لکھا نہیں جاتا
رضوانہ گوریجہ ---- لاہور
ہو لاکھ کوئی شور مچاتا ہوا موسم
دل چپ ہو تو باہر کی فضا کچھ نہیں کہتی

رابعہ علی ---- فیصل آباد

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟

ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔

س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟

ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟

س: ہر شوہر کی بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟

ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟

ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔

س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟

ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔

س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔

س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟

ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

طاہرہ آصف ---- ساہیوال

س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟

ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔

س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟

ج: محفل والوں سے۔

س: کبھی غصہ آیا؟

ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔

س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟

ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔

س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟

ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔

س: کیا دوستی پیار ہے؟

ج: نہیں۔

س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔

س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے۔

ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

عافیہ رحیم ---- سکھر

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے۔

س: میرے بغیر کیسا رہا؟

ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔

س: عین غین جی تو مائنڈ بتائیں؟

ج: بہت سکون رہا۔

محمد بلال لیاقت ---- ملتان

س: عین غین جی آپ کی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کررہا ہوں؟

ج: خوش آمدید۔

س: ارے......ارے پریشان کیوں ہو گئے؟

ج: کہ اب تم پاس آکر بات کرتے ہوئے جو تھوک کی بوچھاڑ کرو گے وہ ناقابل برداشت ہے۔

س: یہ تمہاری ٹانگیں کیوں کانپ رہی ہیں؟

ج: اس کے ساتھ سر بھی چکرا رہا ہے تمہیں دیکھ کر۔

س: منہ تو بند کرلو، مکھی چلی جائے گی؟

ج: تمہارے منہ سے اڑے گی تو کہیں جائے گی۔

س: اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی تیار رہنا؟

ج: اگلے ماہ پھر......

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: آج کل وہ میرے خواب میں بہت آتے ہیں، کیوں؟

ج: ڈرانے کے لئے۔

س: عین غین جی زندگی کن چیزوں کے بغیر ادھوری لگتی ہے؟

ج: اس لئے کہ ہجر کے لمحات بہت طویل ہوتے ہیں۔

س: عین غین جی آپ کی مرغی لنگڑی کیوں؟

ج: اس لئے کہ اس کی دوسری ٹانگ آپ نے ہضم کرلی تھی۔

محمد ظفر اللہ ضیاء ---- کمالیہ

س: دھنک کے تو سات رنگ ہوتے ہیں بتایئے میک اپ کے بعد ایک خاتون کے چہرے پر کتنے رنگ ہوتے ہیں؟

ج: ایک ہی رنگ ہوتا ہے فخر کا۔

س: جھوٹ اور سفید جھوٹ میں کیا فرق ہے؟

ج: جھوٹ آپ خبرنامہ میں سنتے ہیں اور سفید جھوٹ سرکاری ترجمان کے بیان میں ہوتا ہے۔

حنا اسلام ---- فیبر کس

س: عین غین حنا کی محفل میں میاؤں میاؤں (میں آؤں)؟

ج: ٹھہر جاؤ پہلے دودھ سنبھال لیں۔

س: ع سے آپ عاجز اور غ سے غافل ہو، سچ کہاں ناں؟

ج: تم اور سچ......

س: ع سے عقل اور غ سے غائب؟

ج: کس کی......تمہاری؟

اظہارِ غم

ہماری مصنفہ غزالہ جلیل راؤ کے والدِ محترم گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دکھ کی اس گھڑی میں ہم غزالہ جلیل راؤ اور ان کی فیملی کے ساتھ ہیں، دعا گو ہیں اللہ کریم غزالہ اور اس کے تمام گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نواز ے۔آمین

قارئین سے دعائے مغفرت کی التماس ہے۔شکریہ

قطعہ

اب کے برس پھر اس نے
لفظ اک بے دھیان لکھا ہے
اب کے پھر بیقرار کر دیا
پھر ہمیں بھائی جان لکھا ہے

سدرہ خانم، ملتان

چار چاند

چار گنجے افراد جو بڑے صحت مند تھے، بن بلائے مہمان بن کر ایک دعوت میں پہنچے اور میزبان سے کہنے لگے۔

"کیا شاندار محفل ہے؟"

میزبان نے ان کے گنجے سروں کو غور سے دیکھ کر کہا۔

"ہاں جی اور آپ نے تو آ کر ہماری محفل میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔"

واعظ

نئے پادری نے چرچ میں پہلی مرتبہ واعظ دینے کے بعد ایک عورت سے پوچھا۔

"آپ کا میرے واعظ کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"یہ واعظ بہت ہی اچھا تھا جناب!" عورت نے کہا۔

"آپ کا واعظ نہایت معلوماتی تھا، اس سے قبل ہمیں گناہوں کی اتنی اقسام کا علم نہیں تھا۔"

آسیہ فرید، خانیوال

"ٹی ٹائم وش"

چائے کے مگ سے اٹھتا دھواں
تیری یاد دلا دیتا ہے
کاش ابھی تم ساتھ جو ہوتے
باتیں کرتے، نظم سناتے
کومل سے کچھ شعر بھی کہتے
میرے گیلے بالوں میں تم
اپنے ہاتھ سے کنگھی کرتے
ٹھنڈی ٹھنڈی شام میں جاناں
میرا ہاتھ پکڑتے
چائے کے مگ کے دھوئیں میں سے
میرا چہرہ دیکھتے رہتے

مریم انصاری، سکھر

معجزہ

LOURDES کی زیارت گاہ سے پلٹنے والے ایک عیسائی زائر کو کینیڈی ائیر پورٹ پر کسٹم کے لئے رکنا پڑا، جب اس کی باری آئی تو اس نے کہا۔

"میرے پاس کوئی چیز غیر قانونی نہیں ہے؟"

"اس شیشی میں کیا ہے؟" کسٹم آفیسر نے پوچھا۔

"اس میں۔" زائر نے کہا۔

"چاہ بورڈس کا مقدس پانی ہے۔"

کسٹم آفیسر نے بوتل کھول کر اسے سونگھا اور منہ بناتے ہوئے بولا۔

"کون کہتا ہے کہ یہ مقدس پانی ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ تو وہسکی ہے۔"

"وہسکی؟"

زائر نے اچھلتے ہوئے کہا۔
"کیا بات ہے سینٹ برنارڈ کی ایک اور معجزہ!"
عزہ فیصل، قصور

متقی

ایک صاحب نہایت پابندی سے مسجد میں پانچ وقت کی حاضری دیا کرتے تھے، لوگ ان کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے، ایک شخص نے جب انہیں نہایت انہماک سے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، تو اپنے ساتھی سے بولا۔
"یہ جو شخص نماز ادا کر رہا ہے، نہایت متقی اور پرہیز گار ہے۔"
اس پر وہ صاحب نماز توڑ کر بولے۔
"اور جناب! میں حاجی بھی ہوں۔"
نورا نور، فیصل آباد

نیند کی گولی

ایک کلرک ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا۔
"مجھے بہت زیادہ نیند آتی ہے، اس لئے وقت پر دفتر نہیں پہنچ سکتا، کوئی ایسی دوا دیجئے کہ بروقت دفتر پہنچا کروں ورنہ اس نیند کی بدولت مجھے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"
ڈاکٹر نے اسے چند گولیاں دیں اور کہا۔
"سوتے وقت ایک گولی کھا لیا کرنا۔"
وہ کلرک رات کو گولی کھا کر سویا اور صبح اٹھا تو بہت حیران ہوا کیونکہ وہ وقت سے پہلے اٹھ گیا تھا، چنانچہ وہ مقررہ وقت سے دو چار منٹ پہلے ہی دفتر جا پہنچا اور آفسر سے کہا۔
"دیکھیے سر! آج میں وقت پر آفس آ گیا ہوں۔"
افسر نے جواب دیا۔
"یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کل کہاں رہے؟"
فاریہ سلیم، شرقپور

تردید

ریس کے شوقین ایک صاحب نے اپنی بیوی کے روز روز کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آ کر وعدہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ ریس نہیں کھیلیں گے انہیں دنوں ایک پرانا دوست ان سے ملنے آ پہنچا اور باتوں ہی باتوں میں بولا۔
"سناؤ، نیلم پر بڑی رقمیں خرچ کر رہے تھے کچھ فائدہ ہوا کہ نہیں۔"
بیوی شعلہ بار نظروں سے شوہر کو گھورتی، پاؤں پٹختی کمرے سے باہر چلی گئی، ان صاحب نے دوست پر آنکھیں نکالیں۔
"کیا غضب کر دیا تم نے یار، میں نے بیوی کو بتا رکھا ہے کہ میں آج کل بالکل ریس نہیں کھیل رہا۔"
اس دوران بیوی دوبارہ کمرے میں آئی تو دوست اس سے مخاطب ہوا۔
"میں تو مذاق کر رہا تھا بھابھی! نیلم کسی گھوڑی کا نام نہیں یہ تو لڑکی کا نام ہے۔"
عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

خوف

ایک صاحب رات کو تاخیر سے گھر پہنچے تو بیگم نے کہا۔
"آج آپ نے بہت دیر کر دی؟"
"کیا کروں؟" شوہر نے کہا۔
"کام بہت بڑھ گیا ہے۔"
"اچھا یہ بتایئے، دفتر میں لڑکیوں کی موجودگی میں آپ مجھے بھول تو نہیں جاتے؟" بیگم نے پوچھا۔
"بالکل نہیں!" صاحب نے روانی سے جواب دیا۔
"تم تو ہر وقت میرے ذہن پر سوار رہتی ہو کہ کہیں دفتر نہ آ جاؤ۔"

عالیہ بٹ، لاہور

☆☆☆

صائمہ محمود

صفہ خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم
''جنم دن پر''
سوچتی ہوں آج
اس خاص دن کی مناسبت سے
اسے کیا تحفہ دوں
پرفیوم بھیجوں
پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ
یا پھر
پروین کی کتاب ''خوشبو'' بھیجوں
پھر ڈر لگتا ہے
کہ خوشبو تو خوشبو ہوتی ہے
ہر سو پھیل جاتی ہے
کہیں میرے جذبوں کی خوشبو بھی
اسے ہر بات نہ بنا دے

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
''زندہ رہنے کی خواہش''
میں کیا لکھوں......؟
تمہارے پیار نے کیا کر دیا ہے؟
ہر طرف کچھ خوشبوؤں کے گیت رقصاں ہیں
نگاہوں پہ بہت کچھ جھلملاتی سی تصویریں امنڈتی ہیں
نظارے ہر طرف سے جگمگاتے مسکراتے سے نظر آتے ہیں جاناں
مجھے کیا ہو گیا ہے......؟
میرے آئینے میں یہ روپ کس نے ڈال رکھا ہے
میری آنکھیں ستاروں کی طرح سے ٹمٹمانا جان بیٹھی ہیں
میرے لب پھول کی نازک سی پتی کی طرح سے ڈولتے ہیں، مسکراتے ہیں
میرے بالوں میں صندل کی مہک اتری ہے
میں یہ محسوس کرتی ہوں تمہاری انگلیاں ہر پل
میرے بالوں کے الجھے ریشم کو سلجھاتی ہیں
میں یہ کیا دیکھتی ہوں......؟
ہر اک جانب تمہارے لفظ بکھرے ہیں
کچھ ایسے لفظ کہ جو میرے کانوں میں
محبت گھولتے ہیں
مجھے دیوانہ کرتے ہیں
میری شیریانوں میں جمتے لہو کو جوش دیتے ہیں
میں کیا لکھوں......؟
لکھنا مجھے کچھ بھی نہیں آتا
مجھے بس علم ہے اتنا
کہ میں تیری ان آنکھوں کے شیشوں میں
ہمیشہ خود کو دیکھنا چاہتی ہوں
ہمیشہ مسکرانا، جگمگانا
زندہ رہنا چاہتی ہوں!

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل
دل میں نہ ہو جرأت تو محبت نہیں ملتی
خیرات میں اتنی بڑی دولت نہیں ملتی
کچھ لوگ یونہی شہر میں ہم سے بھی خفا ہیں
ہر ایک سے اپنی بھی طبیعت نہیں ملتی
دیکھا ہے جسے میں نے کوئی اور ہے شاید
وہ کون تھا جس سے تیری صورت نہیں ملتی

علی ناصر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت غزل
قہوہ خانے میں دھواں بن کے سمائے ہوئے لوگ

جانے کس دھن میں سلگتے ہیں بجھائے ہوئے لوگ
نام تو نام اب شکل بھی یاد نہیں
ہائے وہ اعصاب پہ چھائے ہوئے لوگ
حاکم وقت کو معلوم ہوا ہے شاید
جمع ہوتے ہیں یہاں چند ستائے ہوئے لوگ
اپنا مقسوم ہے گلیوں کی ہوا ہو جانا
یار ہم ہیں کسی محفل سے اٹھائے ہوئے لوگ
فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک نظم
کہا تھا ناں
اس طرح سوتے ہوئے مت چھوڑ کے جانا
مجھے بے شک جگا دینا، بتا دینا
محبت کے سفر میں ساتھ میرے چل نہیں سکتیں
جدائی کے سفر میں ساتھ میرے چل نہیں سکتیں
تمہیں رستہ بدلنا ہے، میری حد سے نکلنا ہے
تمہیں کس بات کا ڈر تھا
تمہیں جانے نہیں دیتا، کہیں پہ قید کر لیا
ارے پگلی......
محبت کی طبیعت میں زبردستی نہیں ہوتی
جسے رستہ بدلنا ہو اسے رستہ بدلنے سے
جسے حد سے نکلنا ہو اسے حد سے نکلنے سے
نہ کوئی روک پایا ہے نہ کوئی روک پائے گا
تمہیں کس بات کا ڈر تھا
مجھے بے شک جگا دیتیں، میں تم کو دیکھ ہی لیتا
تمہیں کوئی دعا دیتا، کم از کم یوں تو نہ ہوتا
میری ساتھی حقیقت سے
تمہارے بعد کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں جاتی
مگر کھونے سے ڈرتا ہوں
میں اب سونے سے ڈرتا ہوں
مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک غزل
ہر تماشائی فقط ساحل سے منظر دیکھتا
کون دریا کو الٹا ، کون گوہر کو دیکھتا
وہ تو دنیا کو مری دیوانگی خوش کر گئی
تیرے ہاتھوں میں وگرنہ نہ پہلا پتھر دیکھتا
آنکھ میں آنسو جڑے تھے پر صدا تجھ کو نہ دی
اس توقع پر کہ شاید تو پلٹ کر دیکھتا
میری قسمت کی لکیریں میرے ہاتھوں میں نہ تھیں
تیرے ماتھے پر کوئی میرا مقدر دیکھتا
زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا ، کون جی کو دیکھتا
ڈوبنے والا تھا اور ساحل پہ چہروں کا ہجوم
پل کی مہلت تھی میں کس کو آنکھ بھر کر دیکھتا
تو بھی دل کو اک لہو کی بوند سمجھا ہے فراز
آنکھ اگر ہوتی تو قطرے میں سمندر دیکھتا
راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل
کس سے بچھڑی ، کون ملا تھا بھول گئی
کون برا تھا ، کون تھا اچھا ، بھول گئی
کتنی باتیں جھوٹی تھیں اور کتنی سچی
جتنے بھی لفظوں کو پرکھا بھول گئی
چاروں طرف تھے دھندلے دھندلے چہرے
خواب کی صورت میں بھی دیکھا بھول گئی
سنتی رہی سب کے دکھ خاموشی سے
کس کا دکھ تھا میرے جیسا بھول گئی
بھول گئی ہوں کس سے میرا ناتا تھا
اور یہ ناتا کیسے ٹوٹا بھول گئی۔
آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم
"ایک خط"
چمن زاروں سے کہنا
دل نے ایسے زخم کھائے ہیں
وہ صدمے آزمائے ہیں
کہ تخن ہوا میں وحشت افتادگی ہے
اور نہ اندھی آنکھ خوابوں کو ترستی ہے
چمن زاروں سے کہنا
تم نے وہ باتیں بھلا دی تھیں
☆☆☆

شربت بادام

اشیاء

مغز بادام شیریں	دس چھٹانک
الائچی کلاں	چار تولہ
صندل سفید	آٹھ تولہ
چینی	ایک کلو
پانی	مناسب مقدار

ترکیب

سب سے پہلے مغز، بادام، الائچی، کلاں اور صندلی سفید کو کھرل میں ڈال کر سردائی بنائیں اور چھان کر رکھ لیں، اس کے بعد پانی مناسب مقدار میں لے کر قلعی شدہ برتن میں ڈال کر آگ پر چڑھائیں اور گرم ہونے پر اس میں چینی ملائیں اور ہلاتے جائیں، ایک تار کا قوام تیار ہو جانے پر سردائی ڈال کر چار تار کا قوام بنا کر نیچے اتار لیں، ٹھنڈا ہونے پر بوتلوں میں بھر لیں۔

انناس کا شربت

اشیاء

انناس	آٹھ چھٹانک
گلاب کا عرق	ڈیڑھ کلو
چینی دانے دار	آٹھ چھٹانک

ترکیب

پھلوں کو چھیل کر بے کار اور غیر ضروری حصہ نکال دیں، اب انناس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، یہ ٹکڑے پتلے ہوں تو بہتر ہے، ایسے باریک چھوٹے اور پتلے ٹکڑوں کو آٹھ چھٹانک لے کر کلو بھر گلاب کے عرق کے ساتھ آگ پر آدھ گھنٹے تک رکھ کر پکائیں اور پھر اتار لیں۔

پھلوں کو گلاب کے عرق میں ہی کچل لیں تاکہ ان کا سارا عرق نکل جائے اور پھر کپڑے سے نکال لیں، بچے ہوئے گلاب کے عرق میں چینی پکائیں تاکہ شربت حاصل ہو سکے، دس منٹ بعد انناس کا رس اس میں ڈال دیں اور پندرہ منٹ تک اور پکنے دیں تاکہ یہ ایک جان ہو جائے، دو چھٹانک پانی میں ایک تولہ ڈال کر استعمال کریں، یہ طاقت بخش ہے اور ہاضمہ کو درست رکھتا ہے، اس شربت کے بہت سے فائدے ہیں۔

کافی، خوبانی اور دودھ کا مشروب

اشیاء

کافی ٹھنڈی کی گئی	ڈیڑھ کپ
خوبانی کا رس	ایک کپ
ٹھنڈا دودھ	آدھا کپ
کافی، آئس کریم	(بیس اونس)

ترکیب

ایک بڑے کپ میں کافی، خوبانی کا رس اور دودھ آپس میں ملائیں، اس آمیزے میں آئس کریم ڈال کر اس وقت تک پھینٹتے رہیں جب تک تمام یکجان نہ ہو جائیں، ٹھنڈے گلاسوں میں ڈال کر پیش کریں۔

شربت انگور

اشیاء

شیریں انگور کا رس	ایک کلو
چینی	ایک کلو

ٹارٹرک ایسڈ	چار ماشہ
عرق کیوڑہ	ایک چھٹانک

ترکیب

برتن میں ایک کلو پانی ڈال کر آگ پر رکھیں اور اس میں ایک کلو چینی ملا دیں اور ملاتے جائیں، چینی کے حل ہونے کے بعد جھاگ اٹھنے پر چمچے سے میل نکال کر باہر پھینک دیں، اس کے بعد انگور کا رس اس میں ملا دیں جب قوام ایک تار کا بن جائے تو نیچے اتار کر موٹے کپڑے سے چھان لیں، جب قدرے ٹھنڈا ہو جائے یعنی نیم گرم ہو تو اس میں عرق کیوڑہ ڈال دیں، ٹھنڈا ہونے پر بوتلوں میں رکھ لیں، بہترین شربت تیار ہے۔

فالسے کا شربت

اشیاء

فالسے	پانچ سو گرام
چینی	چھ سو گرام
پانی	ایک لیٹر
سٹرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچہ

ترکیب

فالسوں کو اچھی طرح صاف کریں، تھوڑے پانی میں فالسے ڈال کر ہاتھوں کے ذریعے مسلیں اور گٹھلیاں الگ کریں، گودا ملا پانی مکسر میں ڈال کر پتلا رس نکال لیں، چینی اور پانی ملا کر چینی حل ہونے تک پکائیں، چھان کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، رس ڈال کر تھوڑی دیر تک پکائیں، اسے ٹھنڈا کر کے سٹرک ایسڈ ملائیں، اب اس شربت کو صاف خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں، اب اس کو انگور کے تیار شربت میں اچھی طرح ملا دیں۔

صاف اور خشک بوتلوں میں اس مشروب کو بھر کر ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں۔

گرمی میں آئے مہمانوں کو برف اور ضرورت کے مطابق پانی ڈال کر اس مشروب کو ملا کر پیش کریں۔

کچے آم کا شربت

اشیاء

ابلے کچے آم کا گودا	دو کپ
چینی	چار کپ
نمک	ڈیڑھ چھوٹا چمچہ
بھنا پسا زیرہ	ایک چھوٹا چمچہ
پسا پودینہ	ایک چھوٹا چمچہ
پانی	دو کپ

ترکیب

پانی اور چینی ملا کر چاشنی بنا لیں، چاشنی کو ٹھنڈا کر کے چھان لیں، آم کا گودا مکسر میں ڈالیں، نمک اور پودینہ ڈالیں اور مکسر چلا کر باریک پیس لیں، تیار چاشنی میں پسے ہوئے کچے آم کا مرکب ملائیں، صاف اور خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں۔

پینے یا پلانے کے وقت ایک حصہ رس یا شربت میں تین حصے پانی اور چورا برف ملائیں۔

سردائی شربت

اشیاء

بادام کی گری	ایک سو پچاس گرام
خشخاش	ایک سو پچاس گرام
سیاہ مرچ	پچیس گرام
چاروں مغز	ایک سو پچیس گرام
سبز الائچی	پانچ گرام
سونف	ایک چھوٹا چمچہ
گلاب ایسنس	دو چھوٹے چمچے
روح کیوڑہ	ایک چھوٹا چمچہ
سٹرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچہ
چینی	دو کلو
پانی	ایک لیٹر

ترکیب

بادام بھگو کر چھلکے اتار لیں، خشخاش کو بھی صاف کر کے بھگو دیں، خشخاش، چاروں مغز بغیر چھلکے بادام، سیاہ مرچ، سبز الائچی اور سونف ڈال کر باریک پیس لیں، تھوڑے پانی میں گھول کر صاف کپڑے سے اسے بار بار چھانیں۔

چینی میں پانی ملا کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، ٹھنڈی چاشنی کو چھان کر اس مرکب میں ملائیں، گلاب کا ایسنس اور روح کیوڑہ ملائیں، سٹرک ایسڈ ملائیں اور پورے شربت کو اچھی طرح سے ملا کر صاف بوتلوں میں بھریں۔

املی کا شربت

اشیاء

املی	دوسو پچاس گرام
چینی	دوسو پچھتر گرام
پانی	ڈھائی لیٹر
نمک	ایک چھوٹا چمچہ
زیرہ بھنا پسا ہوا	ایک چھوٹا چمچہ
نمک سیاہ	آدھا چھوٹا چمچہ

ترکیب

املی کو صاف کر کے رات بھر پانی میں بھگوئے رکھیں، ہاتھوں سے مسل کر اس کے بیج پھوک اور ریشے نکال دیں۔

اب باقی پانی کو چھان لیں اور بیس منٹ تک پکائیں، پھر چینی ڈالیں اور پندرہ منٹ تک دوبارہ پکائیں

دونوں طرح کے نمک اور زیرہ ڈالیں، اسے بوتلوں میں بند کر کے رکھیں، املی کا شربت تیار ہے۔

چیری کا شربت

اشیاء

چیری کا رس	ایک کلو
پانی	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
سٹرک ایسڈ	تین گرام
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	تین گرام
چیری ایسنس	دو ملی گرام
شربت کا سرخ رنگ	تین گرام

ترکیب

اچھی پکی ہوئی چیری خرید کر انہیں پانی سے دھو کر صاف کر لیں۔

پھر انہیں ہاتھوں سے مسل کر یا مکسر سے کچل کر صاف اور باریک کپڑے سے چھان کر ان کا رس نکال لیں، اسے تول کر ایک کلو رس لے لیں، اب اس رس میں چینی، پانی اور سٹرک ایسڈ بھی ملا دیں، دھیمی آنچ پر رکھ کر پکائیں۔

جب شربت پک جائے تو نیچے اتار لیں اور ٹھنڈا کر لیں، اب پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ کو تھوڑے سے پانی میں گھول لیں اور اسی طرح رنگ کو بھی گول لیں اور چھان لیں۔

اب ان کو سارے شربت میں اچھی طرح ملا دیں، آخر میں چیری ایسنس ملانے سے خوشبو اور ذائقے میں اضافہ ہو جائے گا، چیری کا شربت تیار ہے اسے صاف اور خشک بوتلوں میں محفوظ کر لیں۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

اسلام علیکم!

آپ سب کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔ انسان اپنے جذبات و احساسات کا اظہار مختلف پیرائے میں کرتا ہے۔ اور اظہار کا انداز ہی اس کی شخصیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ انسان اپنی گفتگو کے پردے میں چھپا ہوا ہے۔ الفاظ جب ترتیب پا کر گفتگو میں ڈھلتے ہیں تو تب یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہمارا مخاطب کس شخصیت کا مالک ہے۔ اگرچہ الفاظ بجائے خود اپنے اندر معنی کا ایک جہاں رکھتے ہیں۔ نشتر کی صورت بھی رکھتے ہیں اور مرہم کی خاصیت بھی۔

لفظ دل داری کے ہنر سے بھی آشنا ہوتے ہیں۔ اور بے رخی کے چرکے لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ یہ الفاظ ہی ہیں جو زندگی میں رنگ بھرتے ہیں اور مسرتیں بھی لیکن دل کے غم کدے میں بدلنے کا ہنر بھی ان ہی کے پاس ہے۔

مگر یہ تمام الفاظ اس وقت زندگی پاتے ہیں جب برتنے والا ان پر قادر بھی ہو اور غالب بھی۔ اس لئے الفاظ کا سوچ سمجھ کر استعمال ہی دانائی ہے کیونکہ بے احتیاطی پشیمانی کے گہرے سمندر میں غرق کر سکتی ہے۔

بسا اوقات زندگی میں ایسے مقامات بھی آ جاتے ہیں جہاں الفاظ گونگے ہو جاتے ہیں اور اپنی حیثیت کھو بیٹھتے ہیں۔ پھر خاموشیاں کلام کرنے لگتی ہیں۔ اور خاموشی وہیں کلام کرتی ہیں جہاں دوستی اور محبت کے انمول اور حقیقی رشتے موجود ہوں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔ اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے! آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں۔ حسب عادت درود پاک کے استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط ہمیں ارسلہ احمد کا میانوالی سے موصول ہوا وہ لکھتی ہیں۔ "عید نمبر" عید سے پہلے ہی موصول ہوا سرورق پر عائزہ خان نظر آئیں۔ جو کہ کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ حسب عادت سب سے پہلے حمد ونعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے دل کو منور کیا۔ انشاء نامہ سے عید کی مناسبت سے شاعری سے لطف اندوز ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور "عید کے سروے" کی تلاش میں سارا پرچہ چھان مارا لیکن ناکام۔ آپی عید سروے کیوں نہیں! پلیز سال کے بعد تو مصنفین سے ملاقات کا موقع ملتا ہے۔ چلیں خیر آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ اس کی بعد ام مریم کے سلسلے وار ناول امید صبح و جمال کے آنگن میں اترے اور صندلین کی بے بسی سے لطف اندوز ہوئے، صندلین نے شیر خان کا استعمال جس طرح ٹشو پیپر کی طرح کیا وہ انتہائی ناگوار گزرا اسی لئے اب صندلین کے بے بسی مزہ دے رہی ہے۔ حسنین شاہ کے آنے کے بعد یقیناً اب اس کا راز بھی کھلے گا۔ معیز نے کھیل کا پانسہ ہی پلٹ دیا ہے۔ ایشل بیچاری تو بلاوجہ زد حسنین گا ناولٹ تین ماہ کی بریک کے بعد نظر آیا

مذاق عاشق دارم، انیلا طالب کا ناولٹ اس ماہ کی قسط بہت انٹرسٹنگ رہی۔ ماشاءاللہ انیلا بڑی توجہ سے اس ناولٹ کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ "خوشیوں کا چاند" فصیحہ آصف کا ناولٹ عید کے حوالے سے تحریر پڑھ کر یوں احساس ہوا کہ جیسے تحریر کو زبردستی عید کے لئے لکھا گیا ہو۔ غارت گر، سندس حسین کا ناول بھی دلچسپی سے آگے بڑھ رہا ہے مکمل ناول میں "اے چاند گواہ رہنا" اس ماہ کی بور ترین تحریر تھی۔ سوائے بے معنی ڈائیلاگ کے۔ کہانی میں کچھ نہیں تھا سمجھ نہیں آرہا فوزیہ آپی آپ نے اس تحریر کو اوکے کیسے کیا۔ کہانی میں کوئی تو دلچسپی کا پہلو ہو۔

البتہ افشاں علی کا مکمل ناول "تیرے عشق کی پڑ گئی مار پیا" اس ماہ ٹاپ پر تھا۔ محبت کے موضوع پر لکھی اس تحریر میں محبت ہی محبت ہے۔ افشاں ہماری طرف سے مبارکباد، فرزانہ حبیب کا مکمل ناول "آنگن میں اترا چاند" بھی اچھا تھا جبکہ افسانوں میں شاہدہ لطیف کا افسانہ "میں اور میرا غم" بہت مزے کا لگا۔ ام ہانی، آمنہ بانو اور صائمہ اصغر سمیرا استار کے افسانے پسند آئے۔ مستقل سلسلے بھی بہترین تھے۔

ارسلہ احمد خوش آمدید اس محفل میں مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ۔ اس ماہ کا ٹائیٹل آپ کو پسند نہیں یہ جان کر افسوس ہوا۔ انشاءاللہ آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی، آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے۔ عید سروے حالات کے پیش نظر عید الفطر ہی کا حصہ نہیں بن سکا لیکن انشاءاللہ عید الضحیٰ نمبر میں ضرور شامل ہوگا اپنی پسند سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ!

اقرا الیاس لاہور سے لکھتی ہیں

اس بار ماہنامہ حنا ٹائم پر ملا عید کی تیاری اوپر سے لاک ڈاؤن کا نیا کھڑاک بھی۔ لاک ڈاؤن کے آخری دن چاند رات کی طرح بازاروں میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ سماجی فاصلہ نہ ہونے کے برابر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمت فرمائے سرورق عید کی مناسبت سے بالکل نہیں اچھا لگا احادیث مبارکہ میں عید کی عبادت کا ذکر پڑھ کر اچھا لگا، امید صبح جمال، صندلین نے جو اپنے لئے گڑھا کھودا اسی میں جاگری سارا کچھ اس کی بیوقوفی کے ہاتھوں ہوا حسین شاہ جیسے شاطر انسان سے بچ گئی شیر خان وہ نہیں جو نظر آتا ہے، اب اس کے کردار سے پردہ اٹھا دیا جائے سب سے بڑی الجھن آیت کی ہے اس کردار کو 'ام مریم' آپ نے ایک دم ڈاؤن کر دیا۔ شروع سے وہ ایک مضبوط کردار دکھایا گیا اس کے کردار میں سٹارٹ پر ہی ہلکا سا جھول ہونا چاہئے تھا تاہم اس کے کردار میں پہلے ہی دوغلہ پن خود غرضی محسوس کر لیتے یہاں بھی حسین شاہ نامی بلا میرا سر چکرا کر رہ گیا، "غارت گر" ناول کی شروعات چونکا دینے والی ہے اس میں ہاشم الامین کا کردار میری سوچ سے الگ نکلا جتنا بھی گل لالا کے ساتھ دھوکا ہوا اس لحاظ سے اس کا اعتماد دیکھنے والا تھا کم ہمت تو بالکل نہیں ہے صفا والی کہانی بھی دلچسپ ہے ناول میں کردار کم ہیں کیونکہ ہمیں سلسلہ وار ناول میں ڈھیر سارے کردار پڑھنے کی عادت ہے ناول کے آخری صفحے پر سندس جبین کے والد محترم کی وفات کا ذکر کچھ لمحوں تک مجھے چپ سی لگ گئی انتہائی افسوس ہوا میرا خط لکھنے کا اصل مقصد سندس جبین سے اظہار تعزیت کرنا ہے کوئی پسندیدہ ہستی اگر دنیا سے چلی جائے تو آپ کی زندگی میں بہت بڑا

خلا چھوڑ جاتی ہے اور باپ تو بہت عظیم ہستی ہے۔ یقیناً یہ وقت آپ کے لئے حوصلہ شکن ہے سندس جبیں اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آپ کے والد محترم کی مغفرت اور ان کے درجات بلند فرمائیے۔ آمین۔

اقرا الیاس کیسی ہیں آپ حکومت کا جو کام تھا وہ اس نے کیا اب اگر عوام خود ہی اپنی دشمن بن رہی ہے تو کیا کیا جاسکتا ہے سوائے اس دعا کہ اللہ کریم ہمیں شعور عطا کرے غارت گر، بہت کردار آگے چل کر آپ کو نظریں آئیں گے۔ ام مریم نے آیت کو کیوں یکدم بدلا اس کا جواب وہ ہی دے سکتی ہیں، اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا۔ شکریہ!

فاطمہ سعید کی ای میل پنڈی بھٹیاں سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

جون کا شمارہ ''عید نمبر'' کے طور پر تھا سرورق کچھ خاص پسند نہیں آیا۔۔ اسلامیات میں حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح اے ون تھیں، انشا نامہ میں انشاء جی نے ہمیں بتایا کہ سب کا اپنا اپنا چاند ہے، آگے بڑھے اور ہمیشہ کی طرح ام مریم کے ناول امید صبح و جمال پڑھنے کی بجائے سندس جبیں کے ناول کو تلاش کیا اور اس میں کھو گئے، کیا زبردست واقعات سامنے آرہے ہیں ایک کے بعد ایک لیکن یہاں ہمیں یہ گلہ ہے۔ سندس جبیں سے اتنے صفات کم کیوں ہوتے ہیں آپ کے ناول کے پلیز کچھ صفحات بڑھائے، پھر واپس پلٹے اور امید صبح و جمال، ام مریم کے ناول میں کھو گئے۔ یہ یکا یک شیر خان واقعی میں تیز کیسے بن گیا ویسے تو صندلین کی اکڑ اور بے حسی کی انتہا کو شیر خان ٹھیک کر کے رکھ دیا۔ دوسری طرف آیت نے ثابت کیا وہ ایک خود غرض اور پیسے کی

پجاری ماں کی بیٹی ہے۔ تبھی تو وہ معیز کو ٹھکرا کر شوبز کی دنیا میں چلی آئی۔ معیز تو اس کا یہ جرم کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اب ایشل کا کیا ہوگا یہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے ایشل کے گھر والوں کے لئے بھی اور قارئین کے لئے بھی۔ سلمان بٹ نے اپنی بات منوانے کے لئے اس کا اغوا کروا کر یقیناً اس کی فیملی کو خوفزدہ کرنے میں کامیاب رہا، حسنین شاہ حمنہ کو دادی کے پاس لے آیا یہ بات کچھ ہضم نہیں ہو رہی اگر حمنہ دادی کو سب کچھ بتا دے تو حسنین کی کیا عزت رہ جائے گی۔ اگلی قسط پڑھ کر ہی حالات کا ٹھیک اندازہ ہوگا۔ مکمل ناول میں عید کے حوالے سے جو تحریر پسند آئی وہ فرزانہ حبیب کا ناول ''آنگن میں اترا چاند، ناول کا ٹائٹل بھی بہت خوبصورت تھا اور تحریر بھی، جبکہ نذہت جبیں کے ناول کا صرف نام ہی خوبصورت ہے تحریر میں انتہائی بوریت تھی۔ جبکہ فصیحہ آصف کا ناولٹ ''خوشیوں کا چاند'' بھی میں گزارے لائق تھا جبکہ افشاں علی کا مکمل ناول، ''تیرے عشق کی پڑ گئی مار پیا' ذ سارے شمارے کی بہترین تحریر تھی۔ کیا روانی ہے افشاں کے قلم میں۔ بعض جگہ تو انہوں نے ایسی زبردست منظر نگاری کی ہے کہ لگتا ہے ہم یہ سب پردہ سکرین پر دیکھ رہے ہو۔ ویلڈن افشاں علی۔ انیلا طالب کا ناولٹ مزاق عاشقی دارم نے پہلی قسط سے ہی ہمیں اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے۔ اس تحریر پر تبصرہ مکمل ناولٹ پڑھنے کے بعد، قربت ہجر میں محبت ندا حسین کا ناولٹ ایک لمبے وقفے کے بعد منظر پر آیا۔ وہ گنتی کے چند صفحات اب اس پر کیا رائے دی جائے۔ افسانوں میں ام ہانی کا امید زندگی ساجدہ لطیف کا ''میں اور میرا غم'' اور سمیرا ستار رانجھانی کا غرور پسند آیا، ساجدہ لطیف کو افسانہ پڑھتے تو بار بار چونکے یہ ہمیں